# فتاویٰ علمائے حدیث



مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

حافظ عبدالرحمٰن مدنی

# ماخذ فتاوٰے علمائے حدیث جلد پنجم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | الاعتصام لاہور | ۱۱۔ | فتاوٰے نذیریہ |
| ۲۔ | فتاوٰے عزنویہ امرتسر | ۱۲۔ | فتاوٰے ثنائیہ |
| ۳۔ | فتاوٰے محمد پوری | ۱۳۔ | فتاوٰی ستاریہ |
| ۴۔ | اخبار مرکزی الحدیث لاہور | ۱۴ | الحدیث سوہدرہ |
| ۵۔ | الحدیث گزٹ دہلی | ۱۵ | ترجمان دہلی |
| ۶۔ | تنظیم الحدیث لاہور | ۱۶ | الدلیل الطالب |
| ۷۔ | محدث دہلی | ۱۷ | اخبار محمدی دہلی |
| ۸۔ | فتاوٰے مفید الاحناف | ۱۸ | فتاوٰے امامیہ دہلی |
| ۹۔ | مکاتیب شریفیہ قلمی | ۱۹ | فتاوٰے الحدیث روپڑی |
| ۱۰۔ | الحدیث دہلی | ۲۰ | اخبار الحدیث امرتسر |
| | | ۲۱ | ستہ ضروریہ |

نام کتاب: فتاوٰے علمائے حدیث کتاب الصلوۃ حصہ سوئم

نام مرتب: علی محمد سعیدی خانیوال

کتابت: محمد صدیق نقشبندی خانی خوشنویس خانیوال کالونی ملا

طباعت:



تاریخ اشاعت: ماہ صفر ۱۳۹۵ھ مطابق مارچ ۱۹۷۵ء

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

ناشر: مکتبہ سعیدیہ خانیوال

ملنے کا پتہ: مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان (مغربی پاکستان)

قیمت مجلد: ۳۰/= روپے

# مفتیان فتاویٰ

۱۔ مولانا الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۳۹ھ

۲۔ شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۲۰ھ

۳۔ السید النواب صدیق حسن خاں رئیس بھوپال رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۷ھ

۴۔ شیخ الحدیث مولانا الحافظ عبداللہ صاحب غازی پوری المتوفی ۱۳۳۷ھ

۵۔ شیخ الحدیث مولانا مولوی عبدالرحمٰن مبارکپوری مصنف تحفۃ الاحوذی وغیرہ المتوفی ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۵ء

۶۔ شیخ الحدیث مولانا ابوالطیب شمس الحق ڈیانوی شارح ابوداؤد المتوفی ۱۳۲۹ھ

۷۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۴۸ء

۸۔ بیہقی زماں علامہ دوراں جامع معقول ومنقول حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی بانی مدرسہ جامع سعیدیہ المتوفی ۱۳۸۱ھ

۹۔ شیخ الحدیث المعروف بامام عبدالجبار غزنوی امرتسری رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء

۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا اشرف الحق ڈیانوی مصنف غایۃ المقصود شرح ابوداؤد رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۲۶ھ

۱۱۔ مناظر اسلام مولانا عبدالعزیز محدث رحیم آبادی رحمہ اللہ

۱۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مبارکپوری مصنف سیرۃ البخاری رحمہ اللہ

۱۳۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۴ھ

۱۴۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید عبدالحفیظ محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۹۳ھ

۱۵۔ خادم شریعت رسول الثقلین مولانا تلطف حسین محدث دہلوی

۱۶۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد حسن دہلوی مصنف احسن التفاسیر رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۸ھ

۱۷۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی دہلوی

۱۸۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی مدیر اخبار محمدی دہلی رحمہ اللہ المتوفی

۱۹۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار عمرپوری رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۴۲ھ

۲۰۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس پرتاب گڑھی دہلوی رحمۃ اللہ المتوفی ۱۳۸۸ھ

۲۱۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی مصنف کتاب مستطاب جواب فصل الخطاب وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۴ھ

۲۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالاسحاق نیک محمد مدرس مدرسہ غزنویہ امرتسر رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۷۵ھ

۲۳۔ فقیہ زماں مولانا رشید احمد گنگوہی المتوفی ۱۹۰۵ء

۲۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۲ھ

۲۵۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید سوہدری رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۹۶ھ

۲۶۔ شمس العلماء حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی مدیر اشاعۃ السنۃ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۸ھ

۲۷۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان متوفی ۱۳۸۷ھ

۲۸ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۹۴ھ

۲۹ حسب اللہ لیس حفیظ اللہ دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۹ھ

۳۰ شیخ الحدیث مولانا سید عبدالسلام دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۳ھ

۳۱ شیخ الحدیث مولانا محمد بشیر سہسوانی مصنف برہان العجاب فی

فرضیت ام الکتاب وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۲۶ھ

۳۲ شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو محمد عبدالستار حسن پوری رحمہ اللہ

۳۳ شیخ الحدیث مولانا ابوالبشارت امیر احمد سہسوانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۶ھ

۳۴ شیخ الحدیث مولانا حفیظ اللہ خاں دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۳ھ

۳۵ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبدالتواب غزنوی سیالکوٹی رح

۳۶ قاضی محمد سلیمان منصور پوری پٹیالوی مصنف رحمۃ للعالمین

وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۴۹ھ

۳۷ حضرت مولانا سید داؤد غزنوی امرتسری سابق امیر جمعیت اہلحدیث

مغربی پاکستان . رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۳ھ

۳۸ شیخ الحدیث مولانا عبدالغفور بہاری رمضان پوری

مصنف مفید الاحناف وغیرہ رحمہ اللہ

۳۹ خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبدالوہاب دہلوی رح

۴۰ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ

۴۱ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طاہر سلفی رحمہ اللہ المتوفی

۴۲ شیخ الحدیث مولانا عبدالتواب ملتانی مترجم بلوغ المرام

وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۶۸ھ

۴۳ شیخ الحدیث مولانا محمد حسین خان (خواجہ) جلند شہری المتوفی ۱۳۰۶ھ

۴۴ مولانا قادر بخش صاحب مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی رح

۴۵ شیخ الحدیث مولانا محمد حیات اللہ عفا اللہ عنہ

۴۶ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب ضلع کرنال رحمہ اللہ

۴۷ حضرت مولانا سید محمد اسمٰعیل فرید آبادی رحمہ اللہ

۴۸ حضرت مولانا محمد فقیر اللہ پنجابی ضلع شاہ پور

۴۹ حضرت مولانا محمد اکرم ملک بنگالہ ضلع فرید پور

۵۰ مولانا محمد ثابت صاحب ضلع اعظم گڑھ رحمہ اللہ

۵۱ حضرت مولانا سید محمد ابوالحسن رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۴ھ

۵۲ حضرت مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۲۵ء

۵۳ مولانا ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی رحمہ اللہ

۵۴ حضرت مولانا کریم اللہ صاحب رحمہ اللہ

۵۵ حضرت مولانا عبدالوہاب دہلوی رح

۵۶ حضرت مولانا محمد قطب الدین خان دہلوی رح

۵۷ خادم شریعت محمد حسین دہلوی

۵۸ حضرت مولانا ابوالبرکات حافظ محمد اعظم رح

۵۹ مولانا غلام محمد اکبر خان محمد کالسنتی رح

۶۰ حضرت مولانا محمد عبدالحمید صاحب رح

۶۱ حضرت مولانا ابو عبداللہ محمد ولی محمد رح

۶۲ حضرت مولانا محمد داؤد راز مترجم صحیح بخاری شریف حفظہ اللہ

۶۳ حضرت مولانا ابو محمد عبدالستار المعروف امام الزماں

رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء

۶۴ حضرت مولانا ابوالبشیر عبدالغنی اشرف بہاری رح

۶۵ مولانا حافظ محمد اسحاق ربانی شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ لاہور

۶۶ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ہاشمی . جدہ المجاور مکہ رح

المتوفی ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء

۶۶۔ حضرت مولانا عبدالعلی المدراسی رحمہ اللہ

۶۷۔ حضرت مولانا عبدالحی الکھنوی رحمہ اللہ

۶۹۔ حضرت مولانا وصیت علی رحمہ اللہ

۷۰۔ جہاں شد منور ز نور الحسن رحمہ اللہ

۷۱۔ مولانا سید امیر حسن رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۹۱ھ

۷۲۔ مولانا سید محمد حسن رحمہ

۷۳۔ مولانا حسن علی خان رحمہ اللہ

۷۴۔ مولانا عبدالعزیز رحمہ

۷۵۔ حضرت مولانا محمد جمیل رحمہ اللہ

۷۶۔ حضرت مولانا عبدالوہاب آروی مدظلہ

۷۷۔ مولانا سید عبدالغفار رضوی محوی فرخ آبادی رحمہ

۷۸۔ مولانا ابو تراب عبدالغنی جودھپوری رحمہ

۷۹۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب امرتسری رحمہ

۸۰۔ مولانا محمد یوسف شمس محمدی فیض آبادی المتوفی ۱۳۳۲ھ

۸۱۔ مولانا سلیم الدین پرتاب گڑھی رحمہ

۸۲۔ مولانا محمد عبدالغنی چک رجاوری رحمہ

۸۳ شیخ الاساتذہ مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی مدظلہ گوجرانوالہ

۸۴ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مصنف مرعاۃ شرح مشکوٰۃ مدظلہ

۸۵ شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد مدظلہ آف گوجرانوالہ

۸۶ شیخ الحدیث محمد ابوالقاسم بنارسی رحمہ

۸۷ مولانا حافظ قاری حاجی نثار احمد حنفی کانپوری مفتی آگرہ

۸۸ مولوی احمد صاحب رحمہ

۸۹ مولانا عبدالرحمٰن صاحب المتوفی ۱۳۵۳ھ

۹۰ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب رحمہ

۹۱ مولانا ابو عبداللہ عبدالرحمٰن ولایتی رحمہ

۹۲ مولانا محمد اسمٰعیل مبارک پوری رحمہ

۹۳ مولانا حافظ ثناء اللہ سرباڑوی فاضل مدینہ یونیورسٹی لاہور

۹۴ مولانا عبیداللہ حنیف فیروزپوری مسجد چینیانوالی لاہور

۹۵ مولانا حکیم عبدالرزاق از رنگون رحمہ

۹۶ لعیق اکریم سندھی از یاردشاہ ضلع نواب شاہ رحمہ

۹۷ مولانا محمد علی گوریڑی میر و اعتدنجاب رحمہ



۹۸ مولانا محمد عبداللہ ثانی رحمہ

۹۹ مولانا غلام اکبر حصاری رحمہ

۱۰۰ مولانا عبدالرزاق مالدھی رحمہ اللہ

۱۰۱ مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ

۱۰۲ مولانا عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ علیپان رحمہ

۱۰۳ مولانا نجم الدین ماچھاہی رحمہ اللہ

۱۰۴ مولانا اصغر علی بستوی رحمہ

۱۰۵ مولانا عبدالرشید مدرس مدرسہ مستب رحمہ

۱۰۶ مولانا عبدالستار کلانوری رحمہ مفتی مدرسہ عربیہ حمیدیہ دہلی

۱۰۷ مولانا عبدالرحمٰن بن علی بن حسن العربی آل علی دہلی رحمہ

۱۰۸ مولانا محمد بن ناصر عرب محمدی مسجد میاں صاحب دہلی

۱۱۰ مولانا محمد قنبر رحمہ اللہ

۱۱۱ مولانا ابو محمد عبیداللہ مدرس مدرسہ کشن گنج دہلی

۱۱۲ مولانا محمد عبدالعزیز رحمہ

# فہرست

## باب العیدین

## باب السنن والنوافل





## باب الکسوف



## باب التہجد

## ضمیمہ

# پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اُصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا ہے۔ رائے، قیاس، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں، ارشاد خداوندی ہے اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچا کر صرف کتاب وسنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افرادِ اُمت کے فتاوی، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے علماء حدیث کے فتاوی، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے اُمت کے فتاوی اسی حیثیت میں ہیں اور جملہ صلحائے اُمت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال وفتاوے کو کتاب وسنت پر پیش کرو، اگر خلاف پاؤ تو انہیں چھوڑ کر کتاب و سنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہلحدیث کی تحریرات فتاوے میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علماء کرام کا تبحر علمی، ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی، ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ اصول یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین، ان کی تصنیفات اور فتاوے ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز ہے جس نے مجھ جیسے نااہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کر دیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں، فتاوے نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوے کی جانچ مجھ جیسے نااہل کا منصب نہیں، یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ٭ در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق میں اس فتاوی میں خطا معلوم ہو تو بجائے طعن وتشنیع کے علمائے کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کو

نسیان پر محمول کریں، یہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیے۔ افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کے ادب و احترام کو نظر انداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطا ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ امت میں ہر کس و ناکس سے غلطی کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدث اور مورخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو، لغزشیں ہوتی رہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (القرآن پ)

یعنی جب کسی بات میں کسی فتویٰ میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو جو بات یا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالےٰ اور قیامت پر یقین ہے ۔

اصل دین آمد کتاب اللہ معظم داشتن　　　پس حدیث مصطفےٰ بر جاں مسلم داشتن

میں نے اسی لیے علماء کرام کے فتاوٰی کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

# فتاوی علمائے حدیث

## جرائد اھلحدیث کی نظر میں

**ترجمان اھلحدیث لاھور** برصغیر پاک و ہند میں علماء حدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاوی کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے۔ بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہ راست کتاب و سنت کے دلائل پیش کئے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے ان فتاوے کو جمع کر دیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ کر سکیں چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاوے نذیریہ تھا۔ جو شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاوی ثنائیہ تھا، جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علمائے حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاوی ہنوز جمع نہیں ہوئے اور یہ گراں قدر گوہر پارے جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاوے علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص اور گوشہ نشین عالم مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل زکوٰۃ پر بڑی محنت سے اکابر علمائے حدیث کے فتاوے کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوے مثلاً فتاوی نذیریہ فتاوے غزنویہ، فتاوے ثنائیہ، فتاوے ستاریہ سے نیز تنظیم اہلحدیث، اہل حدیث سوہدرہ، اہل حدیث دہلی

اہلحدیث گزٹ، اخبار محمدی تک کو چھان مارا ہے۔
اور یقینی طور پر مسائل کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب و سنت کی روشنی میں دلائل و براہین کے ساتھ پیش و افتادہ
مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دیے ہیں۔
مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت و کتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور
اسے سفید کاغذ پر حسین و جمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔
ہم تمام قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

---

**الاعتصام لاہور**

ہندوپاک میں علماء اہل حدیث کی گرانقدر علمی و دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی تک کسی بالغ نظر اور دیدہ ور مؤرخ کی نگاہ والتفات کا منتظر ہے۔ ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاویٰ نویسی ہے۔ اس میں بھی علمائے اہلحدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن و حدیث پر مبنی دلائل پر فتوے نویسی کو رواج دیا۔ اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقہیہ حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علماء نے ان کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا نہ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی دکھائی، نتیجۃً اس طرح بہت سی علمی و قیمتی تحریرات و دستاویزات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ آج ہمارے اسلاف کے جو علمی نوادرات مہیا ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو ان کے ذہن و قلم سے نکلے مثلاً شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا نکاد ان نحصی ذلک انہا لجمعت لبلغت الی المجلدات ضخام ان کے صرف وہ فتاوے متفرق ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حیطہ شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بنتی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ صـ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء)
حضرت میاں صاحب کے فتووں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے حدیث کی علمی کاوشوں کا حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کو فتوے نویسی میں جو کمال حاصل تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے تھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علماء اہلحدیث کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلوی کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نے مرتب کیے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شرف الدین محدث دہلویؒ، مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسریؒ، مولانا عبدالرحمٰن صاحب امبارک پوریؒ، مولانا عبیداللہ رحمانی مدظلہ العالی، حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی دام فیضہ، مولینا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالجبار صاحب غزنویؒ، مولانا محمد داؤد صاحب غزنویؒ اور دیگر علمائے مرحومین وموجودین کے فتاوی شامل ہیں۔



یہ حصہ کتاب الزکوٰۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوٰۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ ومحققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں ناشر سے تعاون فرمائیں۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

**اہلحدیث لاہور** ، ابوالحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق بزرگ اور گوشہ نشین اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی میں رہ کر بھی کتاب وسنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں ان سے تعاون کرنا ہمارا اولیٰ فریضہ ہے۔

فتاوی علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "ترجمان الحدیث" نے درست لکھا ہے کہ "برصغیر پاک وہند میں علمائے اہلحدیث نے قرآن وسنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن وتاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ فتاوے تھا جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتار کے جواب میں براہ راست کتاب وسنت سے دلائل پیش کئے۔"

زیر تبصرہ فتاوے کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جو کتاب وسنت کی روشنی میں پانی، قضاء الحاجت، مسواک، حیض ونفاس، وضوء، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے، فاضل مرتب مبارکباد

ے بحمد للہ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ حصہ اول دوم طبع ہو کر اہل فکر ونظر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ نذیریہ قلمی و مطبوعہ، فتاوے عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاوے نواب صدیق حسن خان سے لے کر فتاوے تنظیم اہلحدیث، فتاوے الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان میں اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت و کتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارئین اہلحدیث سے گزارش کریں گے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں۔ نیز ہر لائبریری میں ایسی کتابوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

## تقریظ شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا سلطان محمود صاحب۔ ( شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور)

الحمد للہ وحدہ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد! "فتاوے علمائے حدیث" مرتبہ مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نظر سے گزرا۔ بعض مقامات کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلاف علماء حدیث کا بہترین مجموعہ پایا۔ اگر جمع و ترتیب کے اس انداز کو اپناتے ہوئے اس کام کو مکمل کر لیا گیا تو جماعت کے لیے علم کا بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا۔ جو ایک طرف عوام کے لیے نور بصیرت ثابت ہوگا۔ تو دوسری طرف خواص بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا سعیدی صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین مولانا کی یہ کوشش ایسی ہے کہ بے ساختہ منہ سے یہ دعا نکلتی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ فقط والسلام سلطان محمود تعلیم خود الجامعۃ السلفیہ لائلپور ۲۱ فروری ۱۹۶۷ء

## تقریظ حافظ بنیامین صاحب سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

"فتاوے علمائے حدیث" ایک نادر مجموعہ ہے۔ جس کی تالیف پر مولانا علی محمد صاحب سعیدی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اس کی تالیف میں بہت محنت کی ہے۔ اور منتشر فتاوے سے مذکورہ زیب کیا ہے۔ آئندہ نسل پر ان کا احسان عظیم ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ کر اپنے سلف کے طریق کار کو مشعل راہ بنائیں گی کہ ان کی نظر میں مسائل کا آخری حل کتاب و سنت تھا خواہ اس کے مخالف کسی بڑے سے بڑے کا قول ہی کیوں نہ ہو، وہ متروک ہوگا۔ محترم مؤلف نے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی ہے اور آخر میں جو صحیح ہے اس کی تصدیق کی ہے۔ جو ایک محقق عالم کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ خاصکر اس دور میں جب کہ جدید علماء کم علمی اور بے بضاعتی کا شکار ہیں۔ اس فتاوے کا ہر عالم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تحقیق مسائل سے واقفیت حاصل ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اجر عظیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(شیخ الحدیث مولانا حافظ) بنیامین (صاحب) مدرسہ دار الحدیث اوکاڑہ ضلع ساہیوال

# فتویٰ پوچھنے کا طریقہ



حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے، فکان وظیفۃ ان یسأل فقیہا ما حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسئلۃ کذا وکذا فاذا اخبر تبعہ۔ یعنی عامی کا شیوہ یہ ہے کہ کسی عالم سے پوچھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے۔ جب خبر پاوے اس پر عمل کرے۔

# فتویٰ دینے کا طریقہ

حضرت امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں لکھا ہے، اگر پوچھا جاوے عالم سے وہ مسئلہ جس کو بتحقیق وہ جانتا ہے۔ ساتھ حکم قرآن شریف کے یا حدیث شریف کے یا اجماع کے یا قیاس روشن مجتہد کے تو فتوے دیوے اور اگر پوچھا جاوے وہ مسئلہ جس میں اس کو شک ہو تو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔

# فتویٰ پر عمل کرنیکا طریقہ

شیخ ابن عربی رح نے فتوحات میں لکھا ہے، کہ اگر تجھ کو مفتی بتلاوے کہ تیرے مسئلہ میں اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے۔ تو اس کو پکڑ لے اور اگر کہے کہ میری رائے یہ ہے تو مت پکڑ اور کسی اور مفتی سے پوچھ لے اور اگر مسئلہ اجتہادی ہے، تو شرح ہدایہ میں لکھا ہے، جب مسئلہ پوچھا دو مجتہدوں سے اور انہوں نے فتوے مختلف دیا۔ تو بہتر یہ ہے کہ جس پر دل کا میلان ہو اس پر عمل کرے

(ستہ ضروریہ ص ۴)

# باب الجمعة

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ گاؤں میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہمارے ہاں بعض لوگ گاؤں میں ناجائز کہتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو کیوں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: وباللہ التوفیق۔ جمعہ شہر اور دیہات میں جہاں ادا کرنا ممکن ہو فرض ہے۔ قرآن عزیز میں ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (جمعہ)

عام اہل ایمان کو مخاطب فرمایا گیا ہے کہ جمعہ کے دن جب اذان ہو تو کاروبار (تجارت، زراعت) چھوڑ کر نماز کے لیے توجہ اور پوری کوشش سے آؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم جانتے۔ (سورہ جمعہ) اس اذان سے مراد وہی اذان ہے جو جمعے کے دن بوقت خطبہ دی جاتی ہے۔

حافظ ابن العربی فرماتے ہیں، قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ كَوْنُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ هٰهُنَا مَعْلُوْمٌ بِالْإِجْمَاعِ لَا مِنْ نَفْسِ اللَّفْظِ وَعِنْدِيْ أَنَّهٗ مَعْلُوْمٌ مِنْ نَفْسِ اللَّفْظَةِ بِنُكْتَةٍ وَهِيَ قَوْلُهٗ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَذَالِكَ يُفِيْدُهٗ لِأَنَّ النِّدَاءَ الَّذِيْ يَخْتَصُّ بِذَالِكَ الْيَوْمِ هُوَ نِدَاءُ تِلْكَ الصَّلٰوةِ فَأَمَّا غَيْرُهَا فَهُوَ عَامٌّ فِيْ سَائِرِ الْأَيَّامِ وَلَوْ لَمْ يَكُنِ الْمُرَادُ بِهٖ نِدَاءَ الْجُمُعَةِ لَمَا كَانَ لِتَخْصِيْصِهٖ بِهَا وَإِضَافَتِهٖ إِلَيْهَا مَعْنًى وَلَا فَائِدَةٌ اھ أَحْكَامُ الْقُرْآنِ لِابْنِ الْعَرَبِيِّ صـ ۲۵۶ جلد ۲ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں سے نماز جمعہ مراد لینا الفاظ کا مفاد نہیں بلکہ اجماع سے ثابت ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ الفاظ آیت کا مفاد یہی ہے کیونکہ اذان کے ساتھ یوم الجمعہ کی تخصیص کا مقصد یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اذان ہے جس کا تعلق نماز جمعہ سے ہے باقی اذانیں سب دنوں میں عموماً ہوتی رہتی ہیں۔ اگر نماز جمعہ مراد نہ ہوتی تو اس تخصیص اور تعیین کا کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح بیع کا تذکرہ بھی ایک ضروری اور اہم شغل کے طور پر کیا گیا۔ اگر جمعہ کی اذان کے وقت کھیتی باڑی یا کوئی دوسرا کام کر رہا ہو

اسے بھی ترک کرنا ضروری ہے۔ ابن العربی نے بعض ائمہ کے اختلاف کا ذکر فرمایا ہے کہ نکاح، ہبہ، صدقہ وغیرہ امور اذان جمعہ کے وقت فسخ نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں وَالصَّحِيْحُ فَسْخُ الْجَمِيْعِ لِاَنَّ الْبَيْعَ اِنَّمَا مُنِعَ لِلْاِشْتِغَالِ فَكُلُّ اَمْرٍ يَشْتَغِلُ مِنَ الْجُمُعَةِ مِنَ الْعُقُوْدِ كُلِّهَا فَهُوَ حَرَامٌ شَرْعًا (احکام القرآن صفحہ ۲۷۵ جلد ۲) صحیح یہ ہے کہ جس قدر امور عقود وغیرہ جمعہ سے مشغول اور غافل کریں وہ شرعاً حرام ہیں۔ قَالَ عَطَاءٌ تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا صفحہ ۱۷۵ صحیح بخاری مع قسطلانی جلد ۲ قسطلانی فرماتے ہیں يَحْرُمُ الْبَيْعُ وَنَحْوُهُ مِنَ الْعُقُوْدِ مِمَّا فِيْهِ تَشَاغُلٌ عَنِ السَّعْيِ صفحہ ۱۷۲

غرض جہاں بھی جمعہ فرض ہوگا بیع وشراء عقود زراعت وغیرہ جملہ مشاغل ممنوع ہوں گے، بیع سے خرید و فروخت بلحاظ شغل مقصود ہے شہر یا دیہات اور قصبات میں جو مشاغل ادا وجمعہ سے مانع ہوں وہ فَاسْعَوْا کے منافی ہیں وَذَرُوا الْبَيْعَ سے ان کا ترک مقصود ہے مناظرات کے دور کی یہ نکتہ نوازی ہے کہ بیع سے مراد صرف خرید و فروخت بلکہ دیہات کے رہنے والوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس لیے کہ دیہات میں خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ آنحضرت نے جمعہ کے متعلق احادیث میں تاکید فرمائی ہے اس میں بھی شہر اور دیہات میں امتیاز نہیں فرمایا عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ (مسلم) آنحضرت نے منبر پر فرمایا لوگ جمعہ کا ترک چھوڑ دیں ورنہ ان کے دلوں پر مہر کی جائے گی اور انہیں غافلوں میں شمار کیا جائے گا۔ عَنْ اَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، منتقی صفحہ ۲۳۳) جو آدمی متواتر تین جمعے سستی سے چھوڑ دے اس کے دل پر مہر کر دی جاتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ (ابوداؤد) جو جمعہ کی اذان سنے اس پر جمعہ فرض ہے۔

عن طارق بن شہاب قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِ امْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ (ابوداؤد، منتقی ص۲۳۱) جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے غلام عورت بچے اور بیمار پر فرض نہیں۔ افراد کے لحاظ سے بعض لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے لیکن ظرف و مکان کے لحاظ سے کوئی استثناء نہیں فرمایا۔ حالانکہ اس قسم کے استثناء کے لیے

یہ مناسب موقعہ تھا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَیْہِ الْجُمُعَۃُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا مَرِیْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوْ اِمْرَأَۃٌ اَوْ صَبِیٌّ اَوْ مَمْلُوْکٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰی بِلَھْوٍ اَوْ تِجَارَۃٍ اِسْتَغْنَی اللّٰہُ عَنْہُ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ (دارقطنی) "جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے جمعہ کے دن اس پر جمعہ فرض ہے۔ بیمار، مسافر۔ عورت۔ بچے اور غلام اس سے مستثنیٰ ہیں، جو آدمی غفلت یا کاروبار کی وجہ سے استغنا کرے، اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرت نے جمعہ سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کو جلا ڈالنے کا قصد فرمایا۔ (مسلم منتقی ج۲)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں جو بلا عذر جمعہ ترک کرے اس کا نام منافقوں کی کتاب میں درج کیا جاتا ہے پھر اسے مٹایا نہیں جاتا۔ (شافعی)

ایک مناظر ذہن کے لیے بحث کی گنجائش ہے کہ ان احادیث میں دیہات کا تذکرہ صراحتہً نہیں، لیکن احادیث کے مقاصد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت جمعہ کی نماز اور اس میں وعظ و تذکیر کو زیادہ سے زیادہ عام فرمانا چاہتے ہیں اور اس سے اغماض کرنے والوں سے نفرت فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ھَلْ عَسٰی اَنْ یَّتَّخِذَ اَحَدُکُمُ الصُّبَّۃَ مِنَ الْغَنَمِ عَلٰی رَأْسِ مِیْلٍ اَوْ مِیْلَیْنِ فَیَتَعَذَّرُ عَلَیْہِ الْکَلَاءُ فَیَرْتَفِعُ ثُمَّ تَجِیْئُ الْجُمُعَۃُ فَلَا یَشْھَدُھَا وَتَجِیْئُ الْجُمُعَۃُ فَلَا یَشْھَدُھَا وَتَجِیْئُ الْجُمُعَۃُ فَلَا یَشْھَدُھَا حَتّٰی یُطْبَعَ عَلٰی قَلْبِہٖ۔ ابن ماجہ

تم سے کوئی میل دو میل دور اپنی بکریوں کا ریوڑ لے جائے پھر گھاس نہ ملنے کی وجہ سے وہ اوپر چلا جائے اور تین جمعے غیر حاضر رہے ایسا نہیں ہونا چاہیے، ایسے آدمی کے دل پر مہر کر دی جائے گی۔

ان احادیث میں صحیح، ضعیف روایات موجود ہیں مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کی مؤید ہیں ان میں ہر آدمی کے لیے جسے جمعہ ادا کرنا ممکن ہو حاضر ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہی ان احادیث کا منشا ہے

## دیہات اور فقہاء حنفیہ

مذاہب ائمہ کی تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ اہل دیہات

کو جمعہ کی حاضری سے مستثنیٰ فرماتے ہیں، بلکہ سختی سے رد کرتے ہیں۔ غلام مریض اور مسافر کے متعلق خود فقہاء رحمہم اللہ کی تصریح موجود ہے کہ اگر یہ لوگ جمعہ میں حاضر ہو جائیں تو ظہر ان سے ساقط ہو جائے گی۔ مگر دیہات کو جمعہ سے محروم رکھنے پر معلوم نہیں کیوں اصرار ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد مولوی الیاس صاحب کے معتقدین جہاں اقامت پذیر ہوئے ہیں ان کا دیرہ ہے کہ وہ جمعہ کو روکنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں اگر اہل دیہات کو مسافر وغیرہ کی طرح اجازت دے دی جائے کہ وہ دیہات میں جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر ساقط ہو جائے گی۔ تو شرعی احکام سے قطع نظر اس میں تھوڑی سی معقولیت ہوتی، لیکن بعض دیہات میں تو ان تبلیغی حضرات نے ہنگامہ برپا کر دیا، پارٹیاں بن گئیں، حالانکہ اہل دیہات کی جمعہ کی فرضیت کے متعلق قرآن وحدیث میں کافی ذخیرہ موجود ہے اور جمعہ سے روکنے کے لیے تو کچھ بھی نہیں۔ 

امام بخاری صحیح میں فرماتے ہیں باب الجمعة فی القری والمدن عن ابن عباس ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔ یعنی مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کے مقام جواثی پر پڑھا گیا جو علاقہ بحرین کا ایک گاؤں ہے۔ وکیع فرماتے ہیں قریة من قری البحرین (صحیح بخاری مع الفتح ص ۲۵۹ ج ۲)

حافظ فرماتے ہیں اشارة الی خلاف من خص الجمعة بالمدن دون القری وهو مروی عن الحنفیة واسنده ابن ابی شیبة ..... عن حذیفة عن علی اه حوالہ سابق۔ امام بخاری نے ان حضرات سے اختلاف فرمایا ہے۔ جو صرف شہروں میں جمعہ جائز سمجھتے ہیں دیہات میں درست نہیں سمجھتے ابن ابی شیبہ نے حضرت حذیفہ اور حضرت علیؓ سے بھی یہی مسلک نقل فرمایا ہے اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت عمرؓ کا اثر ذکر فرمایا ہے، انه کتب الی اهل البحرین ان جمعوا حیثما کنتم اه بحرین والوں کو فرمایا جہاں ہو جمعہ ضرور پڑھو (ابن ابی شیبہ وصححہ ابن خزیمہ)

بیہقی نے لیث بن سعد سے نقل فرمایا ہے کل مدینة او قریة فیها جماعة امروا بالجمعة فان اهل مصر وسواحلها کانوا یجمعون الجمعة علی عهد عمر وعثمان بامرهما وفیهما رجال من الصحابة وعند عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن عمر انه کان یری اهل المیاه بین مکة والمدینة یجمعون فلا یعیب علیهم (فتح الباری صفحہ ۲۵۹ جلد ۲) لیث بن سعد فرماتے ہیں ہر بستی اور شہر میں جہاں مسلمانوں کی جماعت ہو وہاں جمعہ ادا کرنا چاہیے۔

اس کے بعد امام نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے ۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ الخ تم سب اپنے حلقہ اقتدار میں ہو اور تمہیں تمہاری رعیتہ کے متعلق باز پرس ہوگی۔ ابن منیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جمعہ کے لیے نہ امیر شرط ہے نہ شہر بلکہ دیہات میں جمعہ کی اجازت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح اسعد بن زرارہ کی روایت سے ظاہر ہے وہ نقیع الخضمات میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ بستی مدینہ منورہ سے قریباً ایک میل ہے۔ ان آثار کا تذکرہ حافظ شوکانی نے نیل الاوطار میں اور حضرت مولانا شمس الحق نے عون المعبود میں بھی فرمایا ہے۔ امام بیہقی نے ان آثار کا تذکرہ سنن کبریٰ میں ج ۳ صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰ میں اپنی سند سے فرمایا ہے ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے اسوقت عام دیہات بلکہ ڈیرو ں میں بھی جمعہ بلا نکیر ہوتا تھا۔ صحابہ میں گو حضرت علی وغیرہ اس کے خلاف تھے لیکن وہ روکنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ غالباً یہ سنت حضرات دیوبند سے شروع ہوئی ہے جس کا احیاء جا بجا مولوی الیاس کی تبلیغی جماعت کر رہی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حافظ خطابی معالم السنن صفحہ ۱ جلد ۲ میں اسعد بن زرارہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

وفی الحدیث من الفقہ ان الجمعۃ جوازھا فی القریٰ کجوازھا فی المدن والاثار لان حرۃ بنی بیاضۃ یقال قریۃ علی میل من المدینۃ ۱ھ اس حدیث کی فقہ میں سے یہ ہے۔ کہ دیہات میں جمعہ اسیطرح جائز ہے جس طرح چھوٹے اور بڑے شہروں میں۔ کیوں کہ حرہ بنی بیاضہ مدینہ سے ایک میل پر ایک گاؤں ہے جہاں اسعد بن زرارہ آں حضرت کی تشریف آوری سے پہلے جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ حافظ ابن القیم نے تہذیب السنن میں اس کی صراحت فرمائی ہے صفحہ ۱ جلد ۲ حرہ بنی بیاضہ کا تذکرہ شروع حدیث سبل السلام فتح العلام عون المعبود وغیرہ میں مرقوم ہے۔ یہ واقعی چھوٹی سی بستی ہے اور یہ خیال کہ یہ امر آنحضرت سے مخفی رہا ناممکن ہے۔ اسعد بن زرارہ نے آں حضرت کی ہجرت سے چند روز پہلے جمعہ پڑھایا تھا اس کے بعد آں حضرت تشریف لے آئے۔ مشکل ہے اتنی جلدی کا واقعہ آں حضرت کے سمع گرامی تک نہ پہنچا ہو۔ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی دین کی باتیں آں حضرت سے ضرور ذکر فرماتے تھے۔ اتنا اہم واقعہ آں حضرت تک نہ پہنچا ہو ناممکن ہے۔

اسعد بن زرارہ کی حدیث کے متعلق ابن حزم فرماتے ہیں اما الشافعی فانہ احتج بخبر صحیح رویناہ من طریق الزھری ۱ھ محلی ص جلد ۵

صحیح احادیث سے صراحتہً اور قرآن عزیز اور اقوال صحابہ سے دیہات میں جمعہ کا ثبوت ملتا ہے اور بعض اہل علم تک یہ اطلاع نہیں پہنچی یا وہ اسے اس طرح نہیں سمجھ سکے جس طرح باقی آئمہ نے سمجھا

ہے تو ان کے مقلدین کو دیہات میں جمعات روکنے کا حق نہیں وہ خود بپابندی تقلید نہیں پڑھنا چاہتے تو وہ مختار ہیں۔

**مذاہب آئمہ** : ابن حزم فرماتے ہیں یصلیھا المسجونون والمختفون رکعتین فی جماعۃ بخطبۃ کسائر الناس وتصلی فی کل قریۃ صغرت ام کبرت اھ محلی جلد ۵ صفحہ ۴۹ قیدی مفرور لوگ دو رکعت خطبہ کے ساتھ ادا کریں اور بستی چھوٹی ہو یا بڑی اس میں جمعہ درست ہے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں قال بعض الحنفیین لوکان ذٰلک لکان النقل بہ متصلا اھ اگر جمعہ دیہات میں جائز ہوتا تو تواتر اور تعامل سے اس کا ثبوت ملتا۔ ابن حزم اس کے جواب میں فرماتے ہیں فیقال لہ نعم قد کان ذٰلک حتی قطعہ المقلدون بضلالھم عن الحق وقد شاھدنا جزیرۃ میورقۃ یجمعون فی قراھا حتی قطع ذٰلک بعض المقلدین لمالک وبا وباثم النھی عن صلوٰۃ الجمعۃ وروینا ان ابن عمر کان یمر علی المیاہ وھم یجمعون فلا ینہاھم عن ذٰلک عن عمر بن عبد العزیز انہ کان یأمر اھل المیاہ ان یجمعوا ویأمر اھل کل قریۃ لا ینتقلون بان یؤمر علیھم امیر یجمع بھم محلی جلد ۵ ص۵۲ ان حضرات سے کہنا چاہئے کہ واقعی جمعہ تمام دیہات میں ہوتا تھا اور اس کا تعامل موجود تھا۔ یہاں تک کہ بعض غلط کار مقلدین نے اسے بند کرا دیا۔ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جزیرہ میورقہ کے تمام دیہات میں جمعہ ہوتا تھا۔ امام مالکؒ کے مقلدین نے اسے بند کرا دیا اور جمعہ سے روکنے کی معصیت اپنے ذمے لے لی۔ ابن عمر پانیوں اور ڈیروں پر لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے، عمر بن عبد العزیز نے اہل میاہ کو جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا اور ہر بستی کو جس کی اقامت مستقل ہو حکم دیا کہ ان کا امیر جمعہ پڑھائے۔

پھر صفحہ ۵۴ جلد ۵ میں فرماتے ہیں ومن اعظم البرھان علیھم ان رسول اللہ صلعم اتی الی المدینۃ وانما ھی قری صغار متفرقۃ بنو مالک بن النجار فی قریتھم موالی دورھم اموالھم ونخلھم بنو عدی بن النجار فی دارھم کذلک وبنو مازن بن النجار کذلک وبنو سالم کذلک وبنو ساعدۃ کذلک وبنو الحارث بن الخزرج کذلک وبنو جشم وبنی عوف کذلک وبنو عبد الاشھل کذلک وسائر بطون الانصار کذلک فبنی مسجدہ فی مالک بن النجار فجمع فیہ فی قریۃ لیست بالکبیرۃ ولا مصر ھنالک فبطل قول من ادعیٰ ان لا جمعۃ الا فی مصر وھذا امر لا یجھلہ احد لا مؤمن ولا کافر بل ھو نقل الکواف من

شرق الارض الیٰ غربہا وباللہ تعالیٰ التوفیق اھ محلی جلد ۵ ص۵۲ دیہات میں جمعہ سے روکنے والوں کے خلاف بڑی عظیم الشان دلیل ہے کہ جب آنحضرت مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہ خود چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں تھی بنومالک بن نجار کا مال اور کھجوروں کے باغ الگ تھے، بنوعدی بن نجار اور بنو مازن کے اموال اور زمینوں کا بھی یہی حال تھا بنوسالم بنو ساعدہ بنو حارث بن خزرج اور بنو عمرو بن عوف اور بنو اشہل بھی اسی طرح الگ الگ دیہاتی زندگی بسر کرتے تھے انصار کے تمام قبائل اسی طرح قبائلی زندگی گذارتے تھے، آنحضرت نے مسجد کی بنیاد بنومالک بن نجار میں رکھی اور جمعہ قائم فرمایا یہ چھوٹی سی آبادی تھی یہاں کوئی شہر آباد نہ تھا۔ یہ صورت حال ہر مسلمان اور کافر پر ظاہر ہے بلکہ مشرق و مغرب کے مورخین نے اسے نقل کیا ہے۔

ہجرۃ کی طویل حدیث سے جسے ابن سعد ابن کثیر ابوالقاسم سہیلی وغیرہ نے تفصیلاً نقل فرمایا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کی ناقہ جب قبیلہ کے میدان کے سامنے سے گذری تو ہر قبیلہ نے آں حضرت کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دی آں حضرت نے فرمایا ذروھا فانھا مامورۃ اسے چھوڑ دو یہ حسب الحکم جارہی ہے چنانچہ ناقہ پہلے بنومالک کی بستی میں پھر سہل اور سہیل کے دو یتیم بچوں کے مربد کے سامنے بیٹھ گئی انہوں نے پالان اٹھا کر رکھ لیا پھر ابوایوب انصاری کے صحن کے سامنے بیٹھ گئی اور آں حضرت یہیں بطور مہمان فروکش ہوئے (ابن سعد، البدایہ والنہایہ، الروض الانف سہیلی، ابن ہشام۔)

اس سے ظاہر ہے کہ مدینہ خود مصر جامع نہیں تھا اور حضرت علی کے اثر کے مطابق تو بہ سہولت اس پر مصر جامع کی تعریف صادق نہ آسکی وکل مدینۃ جامعۃ فھی الفسطاط ومنہ قیل المدینۃ مصر التی بناھا عمرو بن العاص الفسطاط ھ (فرائد اللغۃ ص۲۹۱) مدینہ جامعہ مصر ایسے شہر کو کہا جاتا ہے جس کی بنا عمرو بن عاص نے رکھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو تمام اہل توحید میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، جمعہ کے اجتماعیہ اور فی الجملہ مدینۃ کا تذکرہ فرمانے کے بعد لکھتے ہیں اقول وذالک لانہ لما کان حقیقۃ الجمعۃ اشاعۃ الدین فی البلد وجب ان ینظر الیٰ تمدن وجماعۃ والاصح عندی انہ یکفی اقل ما یقال فیہ قریۃ لما روی من طرق شتیٰ یقوی بعضھا بعضا خمسۃ لاجمعۃ علیھم وعد منھم اھل البادیۃ قال صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ واجبۃ علی کل قریۃ الخ (حجۃ اللہ البالغہ ص جلد ۲) جمعہ کا مقصد شہر آبادیوں میں دین کی اشاعت ہے اس لیے جماعۃ اور

مدینہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہو امیرے نزدیک کم از کم جسے قریہ کہا جائے جمعہ کے لیے کافی ہے آنحضرت سے باختلاف طرق مروی ہے (جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں) پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، ان میں خانہ بدوش، بادیہ نشینوں کو شمار فرمایا۔ آنحضرت نے فرمایا پچاس آدمیوں پر جمعہ فرض ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں اسی تعداد پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے ہر بستی پر جمعہ واجب ہے۔

ایک نئے حوالہ بھی سن لیجیے۔ "از ینجا معلوم شد کہ اشتراط شئی زاید بر نماز ہائے فرض برائے دین نماز مثل امام اعظم و مصر جامع و عدد مخصوص و نحو آں مستند صحیح ندارد و دلیلے بر استحبابش نیست چہ جائے وجوب تا بشرطیت چہ رسد" (الدلیل الطالب الی ارجح المطالب صفحہ ۳۶۳) جمعہ کے لیے امیر مصر جامع اور عدد معین کے لیے کوئی دلیل ثابت نہیں ہوئی وجوب یا شرط تو بڑی بات ہے ان کے استحباب کی بھی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

جمعہ سے روکنا اور اس قسم کی دھاندلی کی جرأت فرقہ وارانہ دھڑے بندیوں ہی سے ہو سکتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ بعض دوسرے فقہا مذاہب کی آراء پر بھی غور کر لیا جائے۔ مغنی ابن قدامہ کے شارح فرماتے ہیں واهل القرية لا يخلون من حالين اما ان يكون بينهم وبين المصر اكثر من فرسخ لم يجب عليهم السعي الى الجمعة وحالهم معتبر بانفسهم فان كانوا اربعين اجتمعت فيهم الشرائط فعليهم اقامة الجمعة ولهم السعي الى المصر والافضل اقامتها في قريتهم لانه متى سعى بعضهم اختل على الباقين اقامة الجمعة واذا اقاموا حضروها جميعا الخ الشرح الكبير للمغني ابن قدامہ ص۱۷۱

اسی کے قریب قریب ابن قدامہ نے مغنی میں ذکر فرمایا ہے۔ (صفحہ ۱۷۱ جلد ۲)

اگر بستی اور شہر میں ایک فرسنگ کا فرق ہو تو ان کے لیے شہر جانا ضروری نہیں۔ بلکہ ان کے ذاتی حالات کی بنا پر فیصلہ ہو گا، اگر وہ چالیس ہوں تو ان میں جمعہ کی شرائط پائی جائے گی۔ ان پر جمعہ فرض ہو گا۔ اگر پسند کریں تو شہر میں پڑھیں، افضل یہ ہے کہ وہ گاؤں میں پڑھیں کیوں کہ اگر شہر چلے جائیں تو باقی لوگوں کے جمعہ میں خلل واقع ہو گا۔ اگر گاؤں میں پڑھیں تو سب لوگ جمع ہو جائیں گے۔

ابن رشد مالکی شروط جمعہ کے ذکر میں فرماتے ہیں "طبری کا خیال ہے کہ ایک امام اور ایک مقتدی ہو تو ان پر جمعہ فرض ہے بعض نے فرمایا ہے امام کے علاوہ دو آدمی ہوں تو جمعہ فرض ہو گا۔ حضرت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ تین ہوں تو جمعہ فرض ہوگا۔ امام احمد و شافعی فرماتے ہیں چالیس ہوں تو جمعہ فرض ہوگا۔ بعض نے تیس کا تعین فرمایا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ومنھم من لم یشترط عددا ولکن رأیھم انہ تجوز بما دون الاربعین ولا یجوز بالثلاثۃ والاربعۃ وھو مذھب مالک وحدھم بانھم الذین تتقری بھم قریۃ اھ (بدایۃ المجتھد ج۱ ص۱۲۳) بعض نے کوئی عدد متعین نہیں فرمایا لیکن انکا خیال ہے کہ چالیس آدمی ضروری نہیں۔ لیکن تین اور چار افراد سے جمعہ نہیں ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور یہ تحدید اس لیے ہے کہ اس مقدار سے قریہ کا مطلب پورا ہو جاتا ہے۔

باجی موطا کی شرح میں استیطان کی تفصیل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں واما موضع الاستیطان فانما یعنی بہ المصر والقریۃ اھ باجی ص۱۹۶ جلد ۱ ایضا بحوالہ مذکور اما القریۃ فان مالکا رحمہ اللہ جعلھا فی ذلک بمنزلۃ المصر اھ امام مالک رحمہ اللہ شہر اور دیہات کو جمعہ کے معاملہ میں مساوی سمجھتے ہیں۔

امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں سمعت عددا من اصحابنا یقولون تجب الجمعۃ علی اھل دار مقام اذا کانوا اربعین رجلا وکانوا اھل قریۃ فقلنا بہ (الی ان قال) وروی انہ کتب الی اھل قری عرینۃ ان یصلوا الجمعۃ والعیدین الخ (کتاب الام ص۱۶۹ جلد ۱) ہمارے رفقاء کا یہ خیال ہے کہ جس بستی میں ۴۰ آدمی اقامت پذیر ہوں اس گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے مجھے اس کے خلاف کوئی حدیث نہ ملی۔ اس لیے میں نے یہی قول پسند کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں تجب الجمعۃ علی من اقام فی غیر بناء کالخیام و بیوت الشعر ونحوھا وھو اخذ من قول الشافعی وحکی الازجی روایۃ عن احمد لیس علی اھل البادیۃ جمعۃ لانھم ینتقلون فاسقطھا عنھم وعلل بانھم غیر مستوطنین قال ابو العباس فی موضع اخر یشترط مع اقامتھم فی الخیام ان یکونوا یزرعون اھل القریۃ اھ (اختیارات العلمیۃ ص۴۰) اہل خیام اگر خیموں وغیرہ میں اقامت اختیار کرلیں تو ان پر جمعہ واجب ہوگا۔ یہ امام

شافعی ہی کے قول سے ماخوذ ہے۔ اذجی نے امام احمد سے روایت فرمایا ہے۔ اہل بادیہ پر جمعہ فرض نہیں، کیوں کہ وہ مختلف مقام میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ابوالعباس فرماتے ہیں اگر وہ زراعت کا کام شروع کریں تو وہ مقیم تصور ہوں گے۔

میں نے ائمہ اجتہاد اور ان کے بعض متبعین کے اقوال دو مقاصد کے لیے نقل کیے ہیں۔ اوّل یہ کہ اس اختلاف میں ائمہ کا موقف اور ان کے دلائل معلوم ہو جائیں۔ دوم ایسے اختلافات میں جہاں ہر امام یا عالم کے پیش نظر کچھ دلائل اور نظریات ہوں وہاں ایک مقلد یہ تو کر سکتا ہے کہ اپنی کم علمی کی وجہ سے اپنے مسلک کی پابندی کرے، لیکن دوسرے کو روکنا دھاندلی کرنا نہ شرعاً درست ہے نہ عرفاً جیسے کہ دیہات میں بعض مقامات پر ہو رہا ہے۔ نیز ایک امام کے اتباع اگر جبراً اپنا مسلک منوانے کی کوشش کریں تو دوسرا بھی یہی روش اختیار کرے تو ملک کا امن تباہ ہوگا۔ باہمی آویزش بڑھے گی اور یہ ہنگامے کسی امام کے نزدیک بھی درست نہیں۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک جب چار آدمی جمعہ پڑھ سکتے ہیں تو شہر پہ زور دینا اور اس کیلئے ہنگامہ برپا کرنا غیر معقول معلوم ہوتا ہے۔ شہر کی شرط کا حاضری پر کچھ اثر ہونا چاہیے۔ چار آدمی تو چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی جمع ہو سکتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کے مسلک کے مطابق ان دونوں باتوں میں تو تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

## جمعہ کب فرض ہوا

عموماً فقہاء حنفیہ اور شوافع رحمہم اللہ نے فرضیت جمعہ پر سورہ جمعہ کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ الخ سے استدلال فرمایا۔ سورۃ جمعہ جمہور ائمہ اسلام کے نزدیک مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جیسے زرکشی اور سیوطی اور مصنف البنانی نے مقدمہ تفسیر میں ذکر فرمایا۔ اس لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا۔ حرہ بنی بیاضہ میں آں حضرت کی آمد سے قبل اسعد بن زرارہ نے جمعہ پڑھایا آنحضرت نے عمرو بن سالم کی بستی میں جمعہ پڑھایا ہے۔ بنو مالک بن نجار کے ڈیرہ پر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ اس وقت حسب ارشاد ائمہ تاریخ وسیر مدینہ خود ایک گاؤں تھا اس کے بعد جواثی میں جمعہ ہوا، جو بحرین کا ایک گاؤں ہے۔ بظاہر اس وقت یہ جمعے سب دیہات ہی میں پڑھے گئے۔ ان آثار سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ جمعہ کی فرضیت کہیں ہو لیکن مکہ میں اس کی اقامت کا موقعہ نہ مل سکا۔ اسعد بن زرارہ نے ہجرت

کے بعد حرۃ بنو بیاضہ میں نماز جمعہ ادا فرمائی اور اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کہ یہ مقام شہر ہے یا گاؤں اسعد بن زرارہ نے کعب بن لوی کی عادت کے مطابق پڑھا ہو یا آں حضرت کے ارشاد کے مطابق، بہرحال حرۃ بنی بیاضہ شہر نہیں۔

## قریہ، مدینہ، مصر

علامہ قسطلانی ارشاد الساری میں فرماتے ہیں القریۃ واحد القریٰ کل مکان اتصلت فیہ الابنیۃ واتخذ قرارًا ویقع علی المدن وغیرها والامصار المدن الکبار واحدها مصر والکفور القریٰ الخارجۃ عن المصر واحدہ کفر بفتح الکاف (ص۱۲ ج۲) قریٰ قریہ کی جمع ہے یہ اسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں مکان باہم ملے ہوئے ہوں۔ لوگ وہاں قرار پذیر ہوں۔ کبھی قریہ کا لفظ قصبہ وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے اور مصر بڑے شہر کو کہا جاتا ہے۔ شہر سے باہر کی بستیوں کو کفر کہتے ہیں۔

فرائد اللغت میں اماکن اور ان کے امتیازات کی زیادہ وضاحت کی ہے القریۃ کل مکان اتصلت فیہ الابنیۃ واتخذ قرارًا ویقع ذلک علی المدن وغیرها والامصار المدن الکبار واحدها مصر والمدرۃ القریۃ والمدینۃ یقال فلان سید مدرۃ۔ والکفور القریٰ الخارجۃ عن المصر والی) والقصبۃ المدینۃ او معظم المدن والقریۃ والبلد کلاهما اسم لما هو داخل الربض وکل مدینۃ جامعۃ فهو فسطاط الخ ص۲۹۱ ان عبارات سے ظاہر ہے کہ یہ نام الگ ہیں ایسے اضافی ناموں کے متعلق لغت میں کوئی قطعی حد نہیں، اس لیے کسی وقت بعض ناموں کا استعمال دوسرے ناموں کی جگہ ہو جاتا ہے لیکن یہ اطلاق حقیقی نہیں ہوگا۔ بلکہ تسامح کے طور پر ہوگا۔ بحث کو طول دینا مطلوب ہو تو علماء کے لیے چنداں مشکل نہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ قریہ کا لفظ مدینہ سے چھوٹی بستی پر بولا جاتا ہے۔ مدینہ عمومًا قصبہ کے مرادف ہے۔ خصوصًا جب قریہ کا لفظ مدینہ کے بالمقابل بولا جائے، تو اس سے مراد یقینًا گاؤں ہی ہوگا، حضرت علیؓ کے اثر لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع (عبد الرزاق) کے مطابق جس سے یہ اختلاف شروع ہوا ہے جمعہ نہ دیہات میں ہو سکتا ہے نہ قصبات میں نہ چھوٹے شہروں میں، اس کے لیے تو مصر جامع یعنی فسطاط کے سوا کوئی چارہ معلوم نہیں ہوتا۔ احناف رحمہم اللہ نے اس میں لچک کہاں سے پیدا فرمائی۔ لغت کے لحاظ سے تو مصر جامع بغداد، لاہور، دہلی ایسے شہروں پر بولا جانا چاہیے۔ حضرت علی کے اثر کا مفاد تو اس چھوٹے شہروں میں پورا نہیں ہو سکتا۔

احناف کرام کا موجودہ طرز عمل نہ قرآن عزیز کے مطابق ہے نہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ کے اس اثر سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے۔ یہ بظاہر کچھ وقتی مصالح پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ حضرات علماء نے جس طرف چاہا مسئلہ کا رخ پھیر دیا۔ اثر حضرت علی شرف بحث و نظر کیلئے ہے عمل کے لیے نہیں، یہی حال حضرات احناف کا خطبہ جمعہ کے متعلق ہے وہ عربی کے سوا خطبہ درست نہیں سمجھتے لیکن جب وقت کی مصالح نے مجبور کیا تو دو کی بجائے تین خطبے وضع فرما لیے، دو عربی میں تیسرا خطبہ وقتی مصالح کی نذر کر دیا گیا۔ اس بدعت کے لیے اسی طرح گنجائش ہوگی۔ جس طرح اثر حضرت علی میں توسیع سے پیدا کر لی گئی۔

**مصر کیا ہے**

اس کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر جامع کی تعریف کیا ہے۔ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کے ہاں اب تک اس کا مفہوم متعین نہیں ہو سکا۔ والمصر عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ کل بلدۃ فیہا ملك واسواق ولہا رساتیق ووال لرفع الظلم وعالم یرجع الیہ فی الحوادث وعند ابی یوسف رحمہ اللہ کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام وھو مختار الکرخی وایضا ان یبلغ سکانہ عشرۃ آلاف اھ (ارشاد الساری ص۲۴۲) المصر ھو ما لا یسعہم اکبر مساجد اھلہ المکلفین بہا۔ ایضاً وظاھر المذھب انہ کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود (درالمختار ج۱ ص۸۳۵) شامی پہلی تعریف کے متعلق فرماتے ہیں ھذا یصدق علی کثیر من القریٰ۔ (ص۸۳۵)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں اما المصر الجامع فقد اختلفت الاقاویل فی تحدیدہا ذکر الکرخی ان المصر الجامع ما اقیمت فیہ الحدود ونفذت فیہ الاحکام وعن ابی یوسف روایات ذکر فی الاملاء کل مصر فیہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود فہو مصر الجامع تجب علی اھلہ الجمعۃ وفی روایۃ قال اذا اجتمع فی قریۃ من لا یسعہم مسجد واحد بنی لہم الامام جامعاً ونصب لہم من یصلی بہم الجمعۃ وفی روایۃ لو کان فی القریۃ عشرۃ آلاف او اکثر امرتہم باقامۃ الجمعۃ فیہا وقال بعض اصحابنا المصر الجامع ما یتعیش فیہ کل محترف بحرفتہ من سنۃ الی سنۃ من غیر ان یحتاج الی الانتقال الی حرفۃ اخریٰ وعن ابی عبد اللہ البلخی احسن ما قیل فیہ اذا کانوا بحال لو اجتمعوا فی اکبر مساجدہم لم یسعہم ذلك حتی احتاجوا الی بناء مسجد الجمعۃ فہذا مصر

تقام فیه الجمعة قال سفیان الثوری المصر الجامع ما یعده الناس مصراً عند ذکر الامصار المطلقة قال ابوالقاسم الصفار عن حد المصر الذی تجوز فیه الجمعة فقال ان تکون لهم منعة لو جاءهم عدو قدروا علی دفعه (الی ان قال) وروی عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سکک واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه او علم غیره اھ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی ص ۲۵۹ ج ۱)

مصر جامع کی تعریفیں مختلف ہیں۔ کرخی فرماتے ہیں جس میں حدیں جاری ہوں اور احکام نافذ ہوں۔ امام ابو یوسفؒ سے کئی روایات ہیں۔ جس میں منبر ہو اور قاضی ہو اور حدیں نافذ ہوں۔ جس کی مسجد میں وہاں کے لوگ نہ سما سکیں، جس کی آبادی دس ہزار کی ہو یا اس سے بھی زیادہ۔ بعض اصحاب نے فرمایا، جس میں صنعت کار یا کاریگر اپنی صنعت پر پورا سال گذر اوقات کر سکے جس میں وہاں کی بڑی مسجد میں وہاں کے رہنے والے نہ سما سکیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں جس کا ذکر مطلقاً شہروں کے تذکرہ میں آجائے ابوالقاسم صفار فرماتے ہیں جہاں دشمن کے دفاع کے لیے سامان موجود ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس میں بازار کوچے اور محلے ہوں اور بادشاہ ہو جو ظالم اور مظلوم میں دادرسی کر سکے۔

اس اختلاف سے ظاہر ہے نہ شارع نے یہ شرط لگائی ہے نہ مصر کی کوئی جامع تعریف فرمائی۔ نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ علماء نے اپنے ماحول کے لحاظ سے یہ تعریفات کی ہیں اس لیے یہ اختلاف اور دھاندلی بالکل قدرتی ہے اس میں اہل علم پر کوئی الزام نہیں۔ تخمین و تخمین کا ہمیشہ یہی حال ہوتا ہے۔ پانی نکالنے کے ڈول کا بھی قریباً یہی حال ہے۔

گذارش اس قدر ہے جب ایک چیز کی حقیقت متعین ہی نہیں اس کے متعلق یہ تشدد کیوں ہو ان تعریفات میں بعض ایسی ہیں جو آج کل بڑے بڑے شہروں پر صادق نہیں آتیں۔ اور بعض چھوٹے سے چھوٹے گاؤں پر صادق آتی ہیں۔ گویا شہر کو گاؤں بنانا یا گاؤں کو شہر بنانا ان تعریفات کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

## خطبہ کا مقصد

احادیث میں آیا ہے کہ آں حضرت خطبہ میں وعظ اور نصیحت فرماتے تھے کہ جمعہ کے اجتماع سے یہ فائدہ حاصل کرنا خطبہ جمعہ کا اہم مقصد ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے۔ اشتد غضبہ وعلا صوتہ کہ خطبہ میں آں حضرت کی آواز بلند ہو جاتی۔ اور چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار نمایاں ہو جاتے، گویا آپ کسی لشکر کو آنے والے خطرات سے ڈرا رہے ہیں۔ اگر یہ مقصد درست ہے تو معلوم

نہیں، عورتوں اور اہل دیہات کو اس فیضان سے محروم رکھنے کی کیوں کوشش فرمائی جاتی ہے۔ کبھی زمانہ میں مسلمان بادشاہ پر زور تھا پھر عورتوں کو روکنے پر زور تھا۔ اب یہ دونوں چیزیں مدہم پڑ گئی ہیں۔

حضرات دیوبند جو فقہ حنفی پر عمل کے زیادہ مدعی ہیں ان کے ہاں بھی بعض جگہ جمعات میں عورتیں آنے لگی ہیں اور عام مجالس میں تو اب کوئی پابندی نہیں۔ تعجب ہے دیہات کی آبادی سے دونوں حضرات نمازعید میں تبلیغی مجالس میں دیہاتی شریک ہوتے ہیں لیکن جمعہ کے لیے ان پر پابندی بدستور ہے۔

حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علم و فضل، زہد و تقوی، دقتِ نظر، وسعتِ ادراک، اسلام اور اس کی مصالح کے متعلق ان کے گہرے احساسات تاریخ اور علم رجال کی ایک مسلّم حقیقت ہے، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جمعہ کے مسئلہ میں دیہات پر یہ سختی کیوں ضروری سمجھی گئی۔ دیہاتیوں کے کاروبار کا یہی تقاضا ہے کہ ان کو اگر انتظام ہو سکے تو وہاں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ وہ اگر شہر میں آئیں تو انہیں میلوں کا سفر طے کر کے آنا ہو گا۔ اہل شہر کے لیے کاروبار کے معاملہ میں یہ ترجیح سمجھ میں نہیں آئی۔ معلوم ہے کہ اہل شہر کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے وہ اگر دن کا کچھ حصہ عبادت میں صرف کریں، اس کے لیے سفر کر کے دوسری جگہ چلے جائیں، تو اس میں معقولیت اور سنجیدگی معلوم ہوتی ہے، دیہاتی بچارے میلوں شہر کی طرف بھاگیں عقلاً اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اب ان کے لیے حنفی کی رو سے دو ہی راہیں ہیں یا وعظ و نصیحت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہیں پورے ماہ میں چار دفعہ بھی کلمۂ حق نہ سن سکیں، یا پھر کاروبار کا نقصان برداشت کریں اور میلوں کا سفر کریں جانوروں کو بھوکے ماریں۔

معلوم ہوتا ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کرام نے یہ حکم بعض مصالح کی بنا پر دیا ہو گا۔ جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کا آخری حصہ دورِ فسادات اور ہنگاموں کا دور تھا ممکن ہے عراق کی دیہاتی آبادی کے لیے یہ حکم اس لیے دیا گیا ہو کہ وہ مفسدانہ اجتماعات سے بچے رہیں۔ اموی مبلغین کی آتش بیانیاں دیہاتی ذہن کو ماؤف نہ کر سکیں۔ ان حالات میں لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع وقتی مصالح کے مطابق ہو سکتا ہے لیکن فقہاء کرام کا اسے دائمی اور شرعی حکم قرار دینا قطعی سمجھ میں نہیں آتا۔ عفا اللہ عنا و عنہم۔ البتہ وقتی حکم ہو تو سمجھ میں آتا ہے حضرت امام رحمہ اللہ کا زمانہ بھی اموی حکومت کے زوال اور عباسی حکومت کی آمد ہے۔ ایسے اوقات میں دیہاتی آبادی کے لیے مناسب ہے کہ اس میں ہنگامے نہ ہوں۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت امام علیہ الرحمۃ کے اتباع کو یہ تو حق ہے کہ وہ جمعہ نہ پڑھیں، لیکن جو لوگ پڑھنا چاہیں انہیں روکنا کسی طرح مناسب نہیں، خصوصاً جب کہ قرآن عزیز کی صراحت میں کوئی استثنا نہیں سنت مرفوعہ صحیحہ میں اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ ائمہ ثلثہ بلکہ تمام ائمہ اہل دیہات پر جمعہ فرض سمجھتے ہیں۔ فقط فقہاء حنفیہ سے بھی عوام اور متاخرین ہی اس قسم کی بے دلیل باتوں پر زور دیتے ہیں۔ حضرت امام علیہ الرحمۃ اور ان اصحاب سے بھی اس تشدد کی کوئی سند نہیں ملتی۔

**شبہات** مناسب ہے ان شبہات کا بھی مختصر تذکرہ آجائے جن کی بنا پر متاخرین کو اس نامناسب تشدد کی جرأت ہوئی، انہوں نے دیہات کے اہل اسلام کو قرآن و سنت کے فیوض سے محروم رکھنے کی جرأت مندانہ کوشش کیوں کی!

**قباء میں جمعہ** سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ومن امثلتہ ایضاً آیۃ الجمعۃ فانہا مدنیۃ والجمعۃ فرضت بمکۃ (اتقان ص۳۹)

جن آیات کا حکم پہلے تھا سورۃ جمعہ کی آیت اس کے بعد نازل ہوئی۔ یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکا تھا۔ فقہاء حنفیہ کا خیال ہے کہ جمعہ جب مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکا تھا۔ تو آپ نے ہجرت کے بعد قبا میں خود جمعہ کیوں نہ پڑھا اور اہل قبا کو کیوں جمعہ کا حکم نہ فرمایا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قبا گاؤں تھا۔ وہاں جمعہ فرض ہی نہ تھا۔

جواباً گذارش ہے کہ آپ کی ارشاد فرمودہ تعریفات کے پیش نظر تو اس وقت مدینہ منورہ بھی دیہات ہی تھا اسے شہر کہنا مشکل ہے۔ آں حضرت کے منبر کے تذکرہ میں صراحتہً آیا ہے کہ جب آں حضرت کو منبر کی ضرورت محسوس ہوئی اس وقت مدینہ منورہ میں ایک ہی بڑھئی تھا عمارہ بن غزیہ فرماتے ہیں۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الی خشبۃ فلما اکثر الناس قیل لہ لو جعلت منبراً قال وکان بالمدینۃ نجارٌ واحد یقال لہ میمون (فتح الباری ص۳۹) ان دنوں مدینہ میں لکڑی کا کام کرنے والا ایک ہی آدمی تھا۔ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے اس وقت بھی اس گاؤں میں ایک ہی نجار تھا۔ اس سے اندازہ فرمائیے یہ کتنا بڑا شہر ہوگا۔ اس لیے قباؒ اور مدینہ منورہ کے متعلق قریہ یا شہر کی بحث قبا میں جمعہ نہ پڑھنے کی علت قریۃ کو قرار دینا اس میں کوئی استدلالی اہمیت معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ بحث کو لمبا کیا جا سکتا ہے۔

اس سے قبل ابن حزم نے وہاں کی قبائلی زندگی کا تفصیلی تجزیہ فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ چند قبائلی ڈیروں کے مجموعہ کا نام تھا جو الگ الگ اپنی اپنی زمینوں پر آباد تھے۔ یہ آبادی کا انداز پہاڑی علاقوں میں خاص دیہاتی قسم کا ہے۔ آج بھی آزاد کشمیر میں ایسے دیہات موجود ہیں جو میلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور وہ حقیقتاً گاؤں ہی کہلاتے ہیں۔

## قبا میں قیام

آں حضرت کے سفر ہجرت میں قیام قباء کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں بضع عشرۃ (دس سے اوپر) حضرت انس کی روایت میں چودہ دن مرقوم ہے۔ کلبی اور ابن حبان کی روایت میں جزماً چار دن فرمایا ہے۔ بعض روایات میں تین دن بھی آیا ہے۔ بنی عمرو بن عوف کے بعض بزرگ بائیس دن قیام کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ امام زہری سے تین دن کا قیام منقول ہے ابن اسحاق پانچ دن فرماتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ صہ ۴۵،۲۴۷)

ابن قیم فرماتے ہیں، ثم قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فاقام بقباء فی بنی عمرو بن عوف کما قالہ ابن اسحاق یوم الاثنین ویوم الثلاثاء ویوم الاربعاء ویوم الخمیس اسس مسجدھم ثم خرج یوم الجمعۃ فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعۃ صلاھا فی المدینۃ وذلک قبل تاسیس مسجدہ (زاد المعاد ج۱ ص۹۹) آں حضرت مدینہ منورہ میں حسب روایت ابن اسحاق بنو عمرو بن عوف کی بستی میں سوموار سے خمیس تک رہے اور مسجد قباء کا سنگ بنیاد رکھا۔ جمعہ کے دن وہاں سے رخصت ہوئے اور سب سے پہلا جمعہ بنو سالم بن عوف میں پڑھا۔ یہ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلا جمعہ تھا۔

ابن سعد فرماتے ہیں قالوا اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین عمرو بن عوف یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس وخرج یوم الجمعۃ فجمع فی بنی سالم ویقال اقام فی بنی عمرو بن عوف اربع عشرۃ لیلۃ (طبقات ابن سعد ص۲۳۶ جلد ۱) مطبوعہ بیروت جدید آں حضرت بنو عمرو بن عوف میں سوموار سے خمیس تک رہے۔ جمعہ کے دن نکلے، جمعہ بنو سالم میں پڑھا اور کہا گیا ہے کہ بنو عمرو بن عوف میں چودہ دن قیام فرمایا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی یہ تمام روایات ذکر فرمائی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص۱۹۵ ج ۳- ایضاً

ص۲۱۲ جلد۳ ابن کثیر نے جہاں آپ نے بنو سالم میں جمعہ ادا فرمایا تھا اس مقام کا نام وادی رانوناء لکھا ہے۔

مسعودی ۳۴۶ھ فرماتے ہیں وکان مقامہ بقباء یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس وسار یوم الجمعۃ ارتفاع النہار والی ان قال حتی ادرکتہ الصلوٰۃ فی بنی سالم فصلی بھم یوم الجمعۃ (مروج الذہب ص۳۸۲) مسعودی نے باقی روایات کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ ابوالقاسم سہیلی نے بھی قریباً سابقہ روایات کا ذکر فرمایا۔ اور خلاف عادت ان روایات میں تطبیق کی کوشش نہیں فرمائی (روض الانف جلد۲ ص۲۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان تواریخ کو مرتب کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ لیکن تطبیق دینے کی طرف توجہ نہیں دی۔ انہوں نے واقعات اس طرح مرتب فرمائے ہیں۔ آنحضرت کا مکہ مکرمہ سے نکلنا ۲۳ صفر، غار ثور سے نکلنا یکم ربیع الاول، قبا میں پہنچنا ۸ ربیع الاول، قبا میں قیام ۱۴ دن، مدینہ منورہ میں داخلہ ۲۲ ربیع الاول، حسب روایات کلبی مدینہ ۱۲ ربیع الاول (فتح الباری جلد۷)

اخباری نقطہ نظر سے کلبی کی روایت وزنی معلوم ہوتی ہے۔ آں حضرت جن مقاصد کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے تھے ان کی اہمیت کے پیش نظر بنو عمرو بن عوف میں دو ہفتے قیام کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دو چار دن ستانے کے بعد ممکن عجلت کے ساتھ حضرت کو منزل مقصود پر پہنچ کر کام شروع کرنا چاہیے، اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنی تبلیغی مساعی کو تیز تر کر دینا چاہیے۔ یہ مقصد ابن سعد کی روایت سے بہت حد تک مطابقت رکھتا ہے۔ اس روایت کے مطابق کوئی جمعہ ضائع نہیں ہوتا اور پہلا جمعہ پانچویں دن بنو سالم میں آیا۔ جو قریباً ایک سو صحابہ کی معیت میں ادا ہوا۔

محدثانہ نقطہ نظر سے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح ہونی چاہیے۔ رہا جمعہ کا سوال تو ظاہر ہے کہ آں حضرت مسافر تھے یثرب کی قبائلی آبادی ان کی تعداد، جنگی قوت، جرات اور حوصلہ مندی کا جائزہ لینا ضروری تھا، روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قبیلہ خواہشمند تھا کہ آں حضرت ان کے محلہ میں قیام فرمائیں، اس لیے یہ سوچنا بھی ضروری تھا کہ حضرت کا قیام کہیں قبائلی رقابت کو بیدار نہ کر دے۔ یہی رقابت باہمی عداوت کی آگ کے لیے ہوا کا کام نہ دینے لگے۔ یہ سوچنا از بس ضروری تھا کہ غلط مقام، غلط رفقاء کا انتخاب ساری عمر کے لیے مصیبت نہ بن جائے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہ ایام آں حضرت نے بطور مسافر تذبذب میں گذارے۔ جب اقامت ہی یقینی نہ ہو جمعہ کیسے فرض ہوا اور اس کی ادائیگی کیوں کر ضروری ہو

مشہور قول کے مطابق جمعہ مکہ میں فرض ہوا۔ لیکن ناہموار حالات کی وجہ سے ادا کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اہل قباء کو ممکن ہے ابھی فرضیت کا علم ہی نہ ہو اس لیے یہ خیال کہ دیہی آبادی کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھا گیا، بالکل بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے جبکہ اسعد بن زرارہ کے جمعہ کے متعلق اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ جمعہ فرضیت کی بنا پر نہیں پڑھا۔ بلکہ یہ کعب بن لوی کی سنت کے طور پر تھا جو عروبہ کے نام سے ہر ہفتہ میں ایک بار اجتماع قرار پاتا تھا۔

اس لیے اہل قباء یا آنحضرت اگر نہ پڑھیں تو اس کی وجہ سفر یا لاعلمی تو ہو سکتا ہے لیکن قرویت نہیں۔ اگر جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہو تو مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

ان روایات میں اخیاری نقطہ نظر ہو یا محدثین کا نقطہ نظر احناف کے مسلک کی تائید کے لیے اس میں کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

یہ بالکل ایسا ہے جیسے عرفات اور منیٰ میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا۔ نہ آں حضرت نے پڑھا نہ آپ کے رفقاء نے۔ اس لیے کہ حاجی مسافر ہوتے ہیں۔ ان مقامات میں سفر کے لیے جمع تقدیم کی بھی اجازت ہے۔ اور جمع تاخیر کی بھی ——— بعض حضرات نے عرفات اور منیٰ کو دیہات سمجھ کر عموم آیت ... یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ الآیۃ کے لیے مخصص قرار دیا ہے، اب تو عرفات اور منیٰ میں آبادی ہے۔ حجۃ الوداع میں ترک جمعہ کی وجہ یا تو شغل ہوگا یا سفر۔ دیہات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

غرض یہ ہے کہ آپ بنی عمرو بن عوف کے محلے ۲۲ دن قیام کو قبول فرمائیں یا ابن سعد کی روایت کو، احناف کے مسلک کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔

علامہ سمہودی ۱۱۰۱ھ نے وفاء الوفا باخبار المصطفیٰ جلد اوّل کے کئی اوراق میں ان اجتہادی اور محدثانہ روایات کو پھیلا دیا ہے جس سے اس مقدس سفر کے کئی گوشے جستجو کی دعوت دیتے ہیں آں حضرت کی دوراندیشی، معاملہ فہمی، علم تاویل الاحادیث میں اس کامل البشر علیہ الف تحیۃ وسلام کی مہارت تامہ معلوم ہوتی ہے۔ اور علوم نبوت کے عملی آثار و عواقب کا پتہ چلتا ہے۔ جس طرح مکہ مکرمہ سے ہجرت کا مرحلہ کئی سال کی سوچ و بچار کے بعد عمل میں آیا تھا۔ پوری عمر اقامت کے لیے جو مقام اختیار کیا جانے والا تھا اس کے نشیب و فراز پر غور بھی اسی طرح اور اسی قدر ضروری تھا۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ کی ابدی صداقت کے لیے جس قدر قدرتی ذرائع مہیا کیے جا سکتے تھے۔

آنحضرت فداہ ابی وامی نے اپنی خداداد صلاحیت کو اس کے لیے صرف فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَمَا اَغْبَرَّتِ الْغَبْرَاءُ۔ سمہودی نے زیادہ تر حافظ ابن حجر وغیرہ کا تتبع فرمایا ہے۔ کچھ نئے معلومات بھی فراہم کیے ہیں، ان سے ان مشکلات کا پتہ چلتا ہے کہ جن کے عبور میں اتنا وقت صرف ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔

سمہودی بحوالہ تاریخ صغیر بخاری حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں حتی اقبل ھو وصاحبہ فکمنا فی بعض جوانب المدینۃ و بعثا رجلا من اھل البادیۃ یوذن بھما۔ دوسری روایت میں ہے فکمنا فی خرب المدینۃ (وفاء الوفا جلد ۱ ص۱۸۳) یعنی آنحضرت مدینہ منورہ پہنچ کر مدینہ کے بعض ویرانوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ایک بدوی کو بھیجا کہ انصار کو آں حضرت کے آنے کی اطلاع دیدے (انصار نے تمام خطرات پر بقدرِ ضرورت قابو پالیا تھا اس لیے) قریباً پانچ سو آدمی آں حضرت کے استقبال کے لیے آگئے۔ اس کے باوجود آں حضرت نے مدینہ کی بجائے قباء میں بنو عمرو بن عوف کے پاس قیام فرمایا۔

سمہودی فرماتے ہیں جب آں حضرت کی ناقہ ابوایوب کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی (یہ مکان بالکل اسی جگہ کے سامنے تھا جہاں مسجد نبوی تعمیر ہوئی۔) تو جبار بن صخر خفیہ طور پر پاؤں سے ناقہ کو ٹھکور رہے تھے جنہیں حضرت ابوایوب نے تاڑلیا اور ترشی سے انہیں روک دیا اور فرمایا یا جبار لولا الاسلام لضربتک بالسیف۔ اور اگر اسلام کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں تمہیں تلوار سے درست کر دیتا۔ تم ناقہ کو اس لیے کچھتے ہو کہ آگے چل جائے۔

سمہودی نے ایک اور خطرہ کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ لما نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بنو عمرو بن عوف وکان بین الاوس والخزرج ما کان من العداوۃ وکانت الخزرج تخاف ان تدخل دار الاوس کانت الاوس تخاف ان تدخل دار الخزرج (وفاء الوفا ص۱۹۶)

آں حضرت بنو عمرو بن عوف کے ہاں تشریف فرما تھے اوس اور خزرج میں باہم عداوت تھی۔ خزرج کو خطرہ تھا کہیں اوس کے ہاں نہ اُتر جائیں۔ اوس ڈرتے تھے کہیں خزرج کے ہاں نزول نہ ہو جائے۔ آنحضرت کی توجہات سے ان کا دھڑا بھاری ہو جائے۔ ان قبائلی رقابتوں کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ آنیوالے مہمان کے لیے کس قدر دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے علاوہ نفسیاتی رجحانات کے متعلق سوچنے کی ضرورت ہے۔

اسعد بن زرارہ آنحضرت سے چند روز قبل مدینہ منورہ تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بعاث کے ہنگامہ میں نبیل بن حارث کو قتل کیا تھا آنحضرت نے دریافت فرمایا کہ اسعد بن زراہ کہاں ہے۔ سعد بن خیثمہ وغیرہ نے عرض کیا کہ حضرت اس نے ہمارا آدمی قتل کیا تھا حسب قاعدہ وہ ہمارا مفرور ہے۔ چنانچہ رات کے دھندلکے میں اسعد بن زرارہ تشریف لائے انہوں نے اپنا سر منہ لپیٹا ہوا تھا۔ حضرت نے فرمایا تم رات کو آئے ہو۔ حالانکہ اپنے ہمسائے قبیلہ کے ساتھ تمہارے تعلقات کافی ناخوشگوار ہیں۔ اسعد نے فرمایا حضرت! جناب کی آمد کی خبر پاکر صورت حال کچھ بھی ہو، مجھے خدمت گرامی میں پہنچنا تھا۔ چنانچہ حضرت اسعد بن زرارہ وہیں شب باش ہوئے۔ اور صبح واپس چلے گئے۔ آں حضرت نے سعد بن خیثمہ رفاعہ اور مبشر ابنائے منذر سے فرمایا کہ اسعد بن زرارہ کو پناہ دے دو۔ انہوں نے ازراہِ کرامت فرمایا کہ آپ ان کی پناہ کا اعلان فرمادیں ہماری طرف سے خود بخود پناہ ہو جائیگی۔ آں حضرت نے فرمایا، آپ ہی لوگوں کو پناہ کا اعلان کرنا چاہیے چنانچہ سعد بن خیثمہ نے پناہ کا اعلان کیا۔ اور صبح اسعد بن زرارہ کے گھر چلے گئے اور اُن کی کمر میں ہاتھ ڈالے ظہر کے وقت بنو عمرو بن عوف میں لے آئے۔ یہ دیکھ کر قبیلہ اوس نے ایک اجتماعی اعلان کیا قالوا یا رسول اللہ کلنا لہ جار (ہم سب نے اسعد کو پناہ دے دی)

اس صلح و سلام کے پیغامبر نے یہ پندرہ دن آئندہ کے لیے زمین ہموار کرنے میں صرف فرمائے فکان شغلہ صلی اللہ علیہ وسلم من عبادۃ فی عبادۃ۔ اتنے مقدس اوراہم التواء کو ٹھہراؤ کی بحث بنانا ان مقدس خدمات کو کوڑیوں کے نرخ بیچنے کے مترادف ہوگا۔

اور ابھی تک چونکہ جمعہ کی فرضیت کا اعلان بھی خاص اہمیت سے نہیں ہوا تھا، اس لیے اہلِ قباء نے اگر جمعہ نہ پڑھا ہو تو اسے جرم کیا فروگذاشت بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، گو سمہودی نے سرسری طور پر ایک روایت ذکر فرمائی ہے۔ قیل انہ کان یصلی الجمعۃ فی مسجد قباء فی اقامتہ ھناک واللہ اعلم ص؁۔ آں حضرت جب تک قباء میں رہے مسجد قباء ہی میں جمعہ ادا فرماتے رہے۔

بعض حضرات نے قباء میں اقامت کو دیہات میں عدم فرضیتِ جمعہ کے متعلق بڑی مستند دستاویز سمجھ کر ذکر فرمایا ہے۔ حضرات! اسلئے مجھے کسی قدر تفصیل سے ان کے متعلق تدابیر کا ذکر کرنا پڑا، ورنہ قبائی حالات کو دیکھیے۔ حضرات فقہاءِ عراق رحمہم اللہ کا یہ استدلال چنداں پختہ معلوم نہیں ہوتا۔

**حالات کی سازگاری**، آں حضرت نے جب یہاں کے حالات کو ہموار فرما کر اصل منزل کی طرف کوچ

فرمایا۔ اب چونکہ اقامت کا مسئلہ طے ہو چکا تھا کہ قباء کی بجائے مدینہ منورہ میں ہو گا۔ جمعہ کا وقت بنو سالم میں آیا۔ آں حضرت نے بلا توقف جمعہ ادا فرمایا۔ کیوں کہ اب یہ عظیم الشان مسافر اقامت کا فیصلہ فرما چکا تھا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بنو سالم سے چلنے کے بعد ناقہ نے بنی الحبل کا رُخ کیا۔ تو عبداللہ بن ابی نے بڑی ثقاہت سے کہا۔ اذھب الی الذین دعوک فانزل علیھم (وفاء ص۱۸۳) ان کے ہاں اترو، جن لوگوں نے تمہیں بلایا ہے۔ اس شریر النفس کے علاوہ زمین ہموار ہو چکی تھی۔ تمام قبائل نے اقامت کے لیے پیش کش فرمائی، ناقہ چلتی گئی، آنحضرت فرماتے رہے دعوھا فانھا ماموره۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ حسب الحکم جا رہی ہے۔ چنانچہ موجودہ مسجد نبوی کے پاس حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے بالمقابل ناقہ تھم گئی۔ آں حضرت اتر گئے۔ ابوایوب نے سامان اپنے مکان میں رکھ لیا۔ ......... یہ دو منزلہ مکان بقول بعض مؤرخین تبع الاول نے آنحضرت ہی کے لیے بنایا تھا۔ آں حضرت نے فرمایا الرجل مع رحلہ آدمی اپنے سامان کے ساتھ ہوتا ہے۔ ابوایوب کے گھر چلے گئے۔ اور یہ فقرہ ایک ضرب المثل بن گیا۔

### گذارش

فقہی اختلاف رہے ہیں۔ اور رہیں گے، افہام اور طبائع کے اختلاف کا یہ قدرتی نتیجہ ہے۔ ہر فریق کو حق ہے کہ اپنے مکتبِ فکر کے لیے حمایت حاصل کرے۔ لیکن اس کش مکش میں نبوت اور اس کے عالی قدر مقاصد کو اپنی پستیوں کے ساتھ ملانے کی سعی مناسب نہیں۔ قباء کی اقامت، اس کی مدت، مدینہ کے ماحول اور قبائلی زندگی ایسے مسائل ہیں۔ جو آں حضرت کی نبوت کے ساتھ حکمت کا پتہ دیتے ہیں۔ جو کتاب کے ساتھ آں حضرت کو عطا فرمائی گئی تھی۔ اسے فقہی موشگافیوں کی نذر کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

### لا جمعۃ ولا تشریق اور عدد کی تخصیص

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ احناف اور شوافع نے اس پر خوب خوب زور آزمائیاں فرمائی ہیں۔ احناف کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن اور سنت کی عام اور صریح نصوص کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے اثر کی روشنی میں کیا جائے۔ اس لیے کبھی وہ اسے حکماً مرفوع فرماتے ہیں کبھی قرآن وسنت کو مجمل قرار دے کر اثر علی کو بطور تفسیر ان پر مسلط فرمانا چاہتے ہیں۔ معلوم ہے یہ سب ہاتھ کی صفائی ہے۔ یا زبان کی ساحری اور اصطلاحات کی ہیرا پھیری۔ شوافع کا اعتراض واقعی وزنی تھا۔ کہ آپ حضرات قرآن کی تخصیص کے لیے خبر واحد صحیح کو بھی پسند نہیں فرماتے۔ ادھر اپنا کام آیا تو سارا کام حضرت

علیؓ کے اثر سے لے لیا۔ اس الزام سے بچنے کے لیے یہ تمام حیل تراشے گئے۔ والحقیقة وراء ذالك كما هي تنظرت أدمة خزياته۔

ادھر شوافع اسی اثر کو قطعی خارج البلد کرنا چاہتے ہیں اور اسی معاملہ میں ائمہ حدیث سے بھی انہیں خاصی مدد ملی ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ آثار سے تائید تو حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن مسائل کا ثبوت تو بہرکیف کتاب وسنت ہی کا مرہونِ منت ہونا چاہیے۔ اثر علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بصورت ثبوت بھی اس کی حیثیت صحابہ کے بعض تفردات کی ہوگی، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود کی تشبیک یا فاتحہ اور معوذتین کے متعلق قرآن سے علیحدگی کا خیال، ابن عباس کے نزدیک متعۃ النکاح کا جواز، حضرت عمر کی متعۃ الحج سے رکاوٹ، حضرت عثمان کا اتمام صلوٰۃ فی السفر، حضرت علیؓ کا مبتدعین کو جلانا۔ ابوذر کا اکتناز کے متعلق تشدد، ایسے تفردات کو اساس قرار دے کر ظواہر کتاب وسنت کی تاویل تحقیقی مشغلہ نہیں ہے۔ اس لیے شوافع حضرات یہاں تک تو حق بجانب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بعینہٖ اسی قسم کی جمعہ کے متعلق چالیس کے عدد کی پابندی خود حضرات شوافع کے ہاں موجود ہے۔ جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں دونوں طرف بزرگ ہیں، اہلِ علم ہیں ہم کیا عرض کر سکتے ہیں۔ اثر کی حقیقت صرف اس قدر ہے الحدیث الاول عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى الا في مصر جامع قلت غريب مرفوعاً۔ اس کے بعد اثر کی مختلف اسانید کا ذکر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں وهذا انما يروى عن على موقوفا فاما النبي صلى الله عليه وسلم فانه لا يروى عنه في ذالك شيء (زیلعی ص۹۹)

حدیث لا جمعة ولا تشريق اثر علیؓ مرفوعاً آں حضرت سے ثابت نہیں۔ آں حضرت سے اس مفہوم کی کوئی روایت ثابت نہیں۔ حضرت علیؓ سے موقوفاً یہ اثر ثابت ہے۔ حافظ عینی اور امام بیہقی اپنے اپنے مکاتب فکر کی تائید و حمایت میں جس قدر سرگرم ہیں وہ معلوم ہے، لیکن اس مسئلہ میں امام بیہقی نے حضرت علیؓ کے اثر کی جو توجیہ فرمائی ہے اس سے ان کی محتاط روش کا پتہ چلتا ہے۔ وہ حضرت علیؓ کے اثر کو باقی آثار کے ساتھ تطبیق دیتے وقت مصر جامع اور قریہ کے معنی میں توازن فرمانا چاہتے ہیں۔ قال الشيخ والاشبه باقاويل السلف وافعالهم في اقامة الجمعة في القرى التي اهلها اهل قرار ليسوا باهل عمود ينتقلون ان ذالك مراد علىّ بن ابى طالب۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا اثر مع سند نقل فرمایا ہے لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع (سنن بیہقی ص۱۷۹ ج۳) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے متعلق ائمہ اسلام کے

قول وفعل سے یہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ جمعہ اس قریہ میں ہونا چاہیے جہاں لوگ اقامت پذیر ہوں، خیموں کی طنابیں اکھیڑ کر جا بجا منتقل ہونے کے عادی نہ ہوں۔ حضرت علیؓ کے اثر لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع میں مصر جامع سے اسی نوعیت کے قریے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مقصد معلوم ہوتے ہیں۔ احناف رحمہم اللہ کے ملفوظات میں بھی تاحال نہ قریہ کی تعریف طے ہو سکی ہے نہ مصر جامع کی۔ اگر امام بیہقی کی تفسیر قبول کر لی جائے تو ممکن ہے کہ معاملہ ختم ہو جائے۔ میری ناقص رائے میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اصل مقصد یہ معلوم ہوتا ہے، کہ جمعہ میں اجتماعیت قائم رہے۔ اسی لیے بعض نے مصر جامع کا ذکر فرمایا۔ بعض نے چالیس کے عدد پر زور دیا۔ بعض نے ضروری سمجھا کہ مکانات کی دیواریں باہم ملی جلی ہوں۔ نقطہ نظر یہ ہے کہ اجتماع ہو سکے۔ اگر شرائط کا زور خطیب کی اہلیت اور طریق خطابت پر ہوتا تو یہ مقصد بہتر طور پر حاصل ہوتا۔ اچھا خطیب چھوٹی بستی میں اپنی جاذبیت سے اجتماع کی صورت بنا لیتا ہے۔ کم فہم خطیب مصر جامع میں بھی انتشار پیدا کر سکتا ہے۔ شرائط جمعہ میں خطیب کو بہت کم اہمیت دی گئی ہے۔ حالانکہ اچھا خطیب اجتماعیت کی روح ہوتا ہے۔

میں نے اثر حضرت علیؓ کے متعلق گذارشات کو طول نہیں دیا۔ امام احمد اسے ضعیف فرمائیں اور ابن حزم اسے صحیح فرمائیں۔ بہر حال وہ ایک صحابی کا فتوےٰ ہے اس سے ہو گا کیا؟ خود احناف کے نزدیک بھی ایسے آثار مذہب کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ خصوصاً جب باقی صحابہ سے اس کا خلاف بھی ثابت ہو۔ عموم قرآن اور سنت صحیحہ مرفوعہ سے بھی اس کی تائید نہ ہوتی ہو ایسے اثر کے متعلق طویل بحث سے کیا فائدہ؟

## جمعہ کے دن عوالی سے آنا

عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلہم العوالی فیاتون فی الغبار الخ (صحیح البخاری ص۱۲۴ مع الفتح مطبوعہ ہند، ابوداؤد مع عون ص۴۱۸)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، لوگ جمعہ کے دن اپنے گھروں اور قریبی گاؤں سے پے بہ پے آتے۔ ان کے پاؤں پر غبار جم جاتا۔ الخ بعض حضرات کو شبہ ہوا ینتابون کا معنی باری باری آنے کا ہو گا۔ اگر جمعہ دیہات پر فرض ہوتا تو سب آتے یا پھر سب وہاں جمعہ ادا فرماتے۔ بعض روایات میں یتناوبون کا لفظ بھی آیا ہے۔ نوبت بنوبت آنے کا مطلب یہ ہو گا کہ جمعہ ان پر فرض نہیں۔ کوئی آیا کوئی نہ آیا۔ مسئلہ کو ایک طالب علم کی طرح سوچا جائے تو زیادہ مشکل نہیں۔ حدیث میں منازل اور عوالی بواسطہ عطف ینتابون کا ظرف ہیں۔ عوالی وہ بستیاں ہیں جو تین سے آٹھ میل تک مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں تھیں۔ منازل سے مراد وہ مکان ہیں جو اہل مدینہ کے مہاجر

اور انصار بطور مسکن استعمال فرماتے تھے۔ اگر تناوب کا مفہوم وہی لیا جائے جو علمائے احناف مراد لیتے ہیں تو جمعہ مدینہ میں بھی فرض نہ ہوگا۔ کیوں کہ اپنے گھروں سے بھی لوگ باری باری آتے ہوں گے اور یہ فرضیت کے منافی ہے۔

لغت کی رو سے انتیاب کا معنی ہے پے بپے آنا یعنی عجلت کے ساتھ ہر آدمی ایک دوسرے کے پیچھے علی التوالی چلا جائے۔ انتابت السباع المنھل رجعت الیہ مرۃ بعد اخری۔ (مصباح المنیر) درندے گھاٹ پر یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہے۔ انتابھم انتیابا اتاھم مرۃ بعد اخری (اقرب الموارد جـ ۲) وہ ان کے پاس بار بار آیا۔

وانتابھم انتیابا اتاھم مرۃ بعد اخری (قاموس المحیط جـ ۱) تناوب میں تقسیم اور نوبتہ کا مفہوم غالب ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے وحدت ماخذ کی وجہ سے دونوں لفظ ایک دوسرے کے مفہوم میں مستعمل ہوں۔ لیکن اس حدیث میں دونوں کا معنی مرۃ بعد اخریٰ ہوگا۔ کیونکہ منازل سے آنے میں کسی کا نہ آنا سمجھ میں نہیں آسکتا۔

اس مفہوم کے مطابق یہ حدیث فرضیت جمعہ کی دلیل ہوگی۔ فرق محل کا ہوگا۔ عوالی اور قریہ پر جمعہ فرض ہوگا۔ جو لوگ مدینہ منورہ پہنچیں جو ایسا نہ کرسکیں انہیں لازماً اپنی جگہ پر فرض کو ادا کرنا ہوگا۔ یہ بحث کہ عوالی میں غیر مستطیع حضرات نے جمعہ ادا فرمایا یا نہیں اس پہ برائے بحث تو جھگڑا جاسکتا ہے لیکن معقولیت کا تقاضا نہیں بعض ائمہ نے قریب اور بعید عوالی میں بھی فرق فرمایا ہے یعنی قریب کے لوگ شہر پہنچنے کی کوشش کریں۔ دور کے لوگ اپنی اپنی جگہ جمعہ ادا فرمائیں۔ اس میں بھی معقولیت معلوم ہوتی ہے لیکن اہل قریہ کو صرف قریت کی وجہ سے محروم رکھنا اور فریضہ جمعہ میں انہیں نظر انداز کرنا کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ یقیناً جو لوگ مدینہ منورہ میں نہیں آسکے وہ گاؤں میں جمعہ ادا کریں گے۔

## مسئلہ جمعہ میں مد و جزر

ہمارے ملک میں ابتداء میں جمعہ سے اس لیے انکار کیا گیا۔ کہ اس میں حاکم مسلمان نہیں۔ جب ملک میں جمعہ شروع ہوگیا۔ تو یہ شرط بھی ڈھیلی کردی گئی۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ آنا و علاقہ میں چوں کہ کوئی مستند حکومت نہ تھی۔ مرحوم ملا مفیدی صاحب کو اس لیے وہاں فرمایا گیا کہ وہ جمعہ پڑھتے تھے اور تشہد میں رفع سبابہ فرماتے تھے۔

پھر زور دیا گیا کہ خطبہ عربی میں ہونا چاہئے۔ ترجمہ کرنا درست نہیں۔ مگر کچھ لوگ خطبہ عربی زبان میں دیتے رہے اس لیے ایک نئی بدعت ایجاد فرمالی گئی۔ یعنی تین خطبے دیے جانے لگے۔ ایک اردو میں

دو عربی میں۔ لیکن اس مدوجزر میں عورتوں کے لیے جمعہ اور عید کی حاضری بدستور شجر ممنوعہ رہی۔ لیکن بعض لوگوں نے حسب ارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو اجازت دی۔ اب مجبوراً یہ شرط بھی استرخا کی نذر ہو رہی ہے۔ بعض مساجد میں عورتیں آتی ہیں۔ بریلوی مساجد میں چونکہ وعظ میں موسیقی کی سی حالت پائی جاتی ہے۔ اس لیے وہاں کثرت سے عورتیں شریک ہوتی ہیں۔

اب بحمد اللہ دیہات میں اکثر جمعہ ہو رہا ہے۔ لیکن بحث کے لیے ابھی یہ موضوع شاید کچھ کارآمد ہو اسلیے بہرحال دیوبندی حلقوں میں اس کا خاصا چرچا ہے۔ ہندوستان میں سب سے قبل حضرت شیخ الکل امام المحدثین حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب نے فتویٰ دیا کہ دیہات میں جمعہ درست ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اوثق العرے لکھی اور حضرات احناف رحمہم اللہ کے متعارف مسلک کی تائید فرمائی اسکے جواب میں کسر العرے مولانا محمد سعید صاحب بنارسی نے لکھی اور مولانا ابوالمکارم مئوی نے ہدایت الوریٰ لب ارقام فرمائی۔ ان دونو کے جواب میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے احسن القرے کافی گرم کتاب لکھی۔ ادلہ سے زیادہ طعن و تشنیع پر زور دیا گیا یہ مولانا کا جوانی کا شاہکار ہے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد مولانا نے یہ مباحث بالکل ترک فرما دیے تھے۔ بلکہ حسب روایت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب قصوری ان مسائل پر تاسف فرماتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً، احسن القرے کا جواب مولانا عبدالرحمٰن صاحب بقا غازی پوری نے لکھا۔ اس کتاب کا نام، مسترمن رائ فی بحث الجمعۃ فی القرے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ عموماً کتاب کے انداز تحریر میں متانت ہے۔ کہیں معمولی تیزی آگئی ہے۔ ورنہ خوب کتاب ہے۔ اس کے بعد خاموشی ہو گئی کوئی قابل اعتنا اور علمی کتاب نہیں لکھی گئی۔ جس سے علمی حلقوں میں کچھ حرکت پیدا ہو۔ اب ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد گوڑگانواں اور علاقہ میوات کی تبلیغی جماعت کے مہاجر حضرات کہیں کہیں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ ورنہ جمعہ بتدریج اپنی رفتار سے بڑھ رہا ہے۔ لوگ اپنے حلقوں میں تبلیغ کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(الاعتصام لاہور شمارہ ۴۹، ۲۳/۳۰، ۱۲ جلد ۱۱)

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شیخ الحدیث گوجرانوالہ
المتوفی ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء مطابق ۱۳۸۷ھ

## شہروں اور دیہاتوں میں جمعہ کا پڑھنا

عن ابن عباسؓ قال اول جمعة جمعت بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللہ صلعم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین رواہ البخاری وابوداؤد وقال جواثی قریة من قری البحرین یعنی اول جمعہ جو پڑھا گیا مسجد نبوی کے جمعہ کے بعد مسجد جواثی میں تھا۔ جو بحرین کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے وعن طارق ابن شهاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجمعة حق واجب فی جماعة علی کل مسلم الا اربعة عبد مملوك او امراة او صبی او مریض رواہ ابوداؤد اگر گاؤں میں جمعہ کی فرضیت نہ ہوتی تو حدیث میں غلام وصبی وعورت ومریض کی طرح گاؤں کیوں مستثنیٰ نہ ہوا اور ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کتب الی اهل البحرین ان جمعوا حیث ما کنتم وهذا یشمل المدن والقری وصححه ابن خزیمة وروی البیهقی عن اللیث بن سعد ان اهل مصر وسواحلها کانوا یجمعون علی عهد عمر وعثمان بامرهما وفیها رجال من الصحابة واخرج عبد الرزاق عن ابن عمر باسناد صحیح انه کان یری اهل المیاہ بین مکة والمدینة یجمعون

---

لہ بخاری اور ابوداؤد میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں پڑھا گیا اور اس کے بعد پہلا جمعہ وہ ہے جو ایک بستی جواثی نام علاقہ بحرین کی مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے۔ کہ جواثی میں جو بحرین کے بستیوں میں ایک بستی ہے۔ ۱۲ ع

لہ اور ابوداؤد میں طارق بن شہاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا غلام اور عورت اور چھوٹے بچے اور بیماران چاروں کے سوا سب مسلمانوں پر جماعت کے ساتھ جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ ۱۲

لہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے بحرین والوں کی طرف لکھ بھیجا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو۔ وہاں نماز جمعہ پڑھ لیا کرو، اور حضرت عمرؓ کا یہ حکم بستیوں اور شہروں سب کو شامل ہے اور ابن خزیمہ نے اسکو صحیح کہا ہے۔ اور امام بیہقی نے لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ مصر اور اس کے گرد و نواح والے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آپکے حکم سے جمعہ پڑھتے تھے اور وہاں چند اصحابؓ بھی موجود تھے (لیکن کسی نے انکار نہ کیا) اور عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمرؓ سے صحیح سند سے روایت کی

فلا یعیب علیھم۔ دلائل مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ جیسا شہروں میں پڑھا جاتا ہے اسی طرح دیہات میں بھی پڑھا جاوے علمائے حنفیہؒ کا فتوٰی ہے۔ جو گاؤں کہ مسافت میں شہر سے ۴۸ میل سے کم ہو وہ بھی شہر کا حکم رکھتا ہے۔ مواہب الرحمٰن اور اس کی شرح برہان میں لکھا ہے ویوجبھا ابو یوسف[1] علی من کان داخل حد الاقامۃ الذی من فارقہ یصیر مسافرا ومن وصل الیہ یصیر مقیما وھو الاصح اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے۔ قال فی معراج الدرایۃ[2] انہ اصح ما قیل فیہ اور پنجاب میں کم ایسی بستی ہوگی کہ شہر سے اڑتالیس میل کے فاصلہ پر ہو۔ اور علمائے حنفیہ کے نزدیک شہر وہ موضع ہے کہ باشندہ اُس کے اس شہر کی بڑی مسجد میں نہ آسکیں درمختار میں ہے۔ المصر[3] ھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقھاء مجتبی اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے وفی الولوالجیۃ[4] للجمعۃ وھو الصحیح اور شرح وقایہ میں ہے وما[5] لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر فقط

حررہ عبد الجبار بن الشیخ العارف باللہ عبد اللہ الغزنوی رعفی اللہ عنہما)

فتاوٰی غزنویہ ص۵۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ جو قریہ حکم مصر کا رکھتا ہو یا متعلقات مصر سے ہو اس میں جمعہ واجب ہے علی القول الصحیح مصر کی تعریف بقول راجح یہ ہے کہ مسلمان مکلف اس موضع کے اس قدر ہوں جو مسجد جامع میں نہ آسکیں درمختار

---

ولقد حکا[؟]، ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والوں کو جمعہ پڑھتے ہوتے دیکھتے ان کو منع نہ فرماتے ۱۲ع

[1] اور ابو یوسفؒ اس شخص کے لیے (جمعہ) کو واجب کہتے ہیں جو شہر کے گرد نواح کی اس حد میں داخل ہو کہ جس سے گزرنے سے آدمی مسافر ہو جاوے اور اس میں آنے سے مقیم بن جاوے اور یہ بہت صحیح ہے۔ ۱۲ع

[2] اور معراج الدرایہ میں ہے کہ (ابو یوسفؒ) کا قول اس بارے میں سب قولوں سے بڑھ کر ہے۔ ۱۲ع

[3] مصر وہ ہے کہ جس کی سب مسجدوں سے بڑی مسجد میں اس شہر کے رہنے والے جن پر جمعہ واجب ہے نہ سما سکیں ۱۲ع

[4] اور ولوالجیہ میں ہے کہ یہی معنی صحیح ہیں ۱۲ع [5] جس جگہ کی سب مسجدوں سے بڑی مسجد میں اس جگہ کے رہنے والے نہ سما سکیں وہ مصر ہے ۱۲ع

میں ہے المصر[1] وھو مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء
مجتبی اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے وفی الولوالجیۃ[2] وھو الصحیح اور شرح وقایہ میں ہے،
[3] ومالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ اور سلطان کا ہونا شرط نہیں، عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں
ہے۔ [4] وھذا یرشدک الی ان اشتراط السلطان انما ھو علی سبیل الاولویۃ حیث
لا یتعدد الجمعۃ وحیث تعددت فلا حاجۃ الی ذلک اور جامع الرموز میں ہے [5] المراد
بالسلطان الوالی الذی لیس فوقہ وال عادلا کان او جائرا والاطلاق مشعر بان الاسلام
لیس بشرط وھذا اذا امکن استیذانہ والا فالسلطان لیس بشرط فلو اجتمعوا
علی رجل وصلوا جاز کما فی صلوۃ الجنازۃ وغیرہ شیخ[6] عبد الحق دہلوی نے فتح المنان میں لکھا ہے۔
[7] وظاہرہ یفید الاولویۃ والاحتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوۃ بدون
السلطان شرعا اور مولانا بحر العلوم لکھنوی حنفی نے رسائل الارکان میں لکھا ہے [8] لم اطلع علی دلیل یفید
اشتراط[9] امر السلطان وما فی الہدایۃ رای لا یثبت بہ الاشتراط لاطلاق نصوص الجمعۃ
اور فتاوے عالمگیریہ[10] میں ہے ناقلا عن التہذیب[11] ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع
الناس علی رجل یصلی بہم الجمعۃ جاز اور مجمع الفتاوے میں ہے [12] غلب علی المسلمین ولاۃ کفار
یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اور عمدہ

---

[1] مصر وہ ہے کہ جس کی سب مسجدوں سے بڑی مسجد میں اس جگہ کے رہنے والے جن پر جمعہ واجب ہے نہ سما سکیں اور اکثر فقہا کا فتوی اسی پر ہے۔ ۱۲ ع [2] اور ولوالجیہ میں ہے کہ (مصر کی) یہی تعریف صحیح ہے۔ ۱۲ ع [3] اور جس جگہ کے لوگ سب سے بڑی مسجدوں میں سما نہ سکیں وہ مصر ہے۔ [4] اور یہ تجھے اس بات کی طرف راہ دکھاتا ہے کہ سلطان کی شرط لگانا بطریق اولویت ہے۔ جہاں جمعہ متعدد جگہ نہیں ہوتا ہو۔ اور جہاں متعدد ہوں وہاں شرط لگانے کی حاجت ہی نہیں۔ ۱۲ ع

[5] سلطان سے مراد وہ حاکم ہے کہ جس کے اوپر کوئی اور حاکم نہ ہو خواہ وہ عادل ہو یا ظالم اور حکم کا مطلق بیان کرنا (کہ خواہ عادل ہو یا ظالم) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جمعہ کے واجب ہونے میں اسلام کی کوئی شرط نہیں اور یہ اس وقت ہے جب ممکن ہو ورنہ سلطان کا ہونا کوئی شرط نہیں پس اگر کسی ایک آدمی پر اتفاق کریں اور نماز پڑھ لیں تو یہ ان کے لئے جائز ہوگا جیسا کہ صلوۃ الجنازہ وغیرہ میں بھی ہے۔ ۱۲ ع [6] ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی شرط لگانے میں عقل کی رو سے بہتر اور احتیاط ہے نہ یہ کہ سلطان کی شرط لگانا اور نماز جمعہ کا بغیر سلطان کے جائز نہ ہونا امر شرعی ہے ۱۲ ع [7] میں نے ایسی کوئی دلیل نہیں دیکھی کہ جس (بقیہ ...)

[1] عمدۃ الرعایہ [illegible] ۱۲

حاشیہ شرح وقایہ میں ہے۔ لاشك فی وجوب الجمعة وصحة اداءها فی بلاد الهند التی غلبت علیه النصاری وجعلوا علیها ولاة كفارا وذلك باتفاق المسلمین وتراضیهم ومن افتی بسقوطها لفقد شرط السلطان فقد ضل واضل اور وہ موضع کہ مسافت میں شہر سے ۴۸ میل سے کم ہو، اگرچہ وہ قریہ چھوٹا ہی ہو وہ بھی مصر کا حکم رکھتا ہے۔ مواہب الرحمٰن اور اس کی شرح برہان میں لکھا ہے۔ ویوجبها ابو یوسف علی من كان داخل حد الاقامة الذی من فارقه یصیر مسافرا ومن وصل الیه یصیر مقیما وهو الاصح اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے، قال فی المعراج الدرایة انه اصح ماقیل فیه اور احتیاطی پڑھنا ظہر کا جمعہ کے بعد کچھ ضروری نہیں۔ اور نہ اس پہ کوئی دلیل شرعی ہے۔ درمختار میں ہے۔ وفی البحر وقد افتیت مرارا بعدم صلوٰة الاربع بعدها بنیة اخر الظهر خوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة وهو الاحتیاط فی زماننا۔

---

(بقیہ ص ۴۹) سے (نماز جمعہ کے وجوب کے لیے) سلطان کی شرط لگانا معلوم ہوا اور جو کچھ ہدایہ میں ہے وہ ایک ایسی رائے ہے کہ جس سے بوجہ مطلق ہونے نصوص کے جمعہ شرط لگانا ثابت نہیں ہوتا ۱۲ ع ؎ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں تہذیب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر امام سے اجازت لینی ناممکن ہو اور لوگ کسی ایسے آدمی پر اتفاق کریں جو ان کو نماز جمعہ پڑھا دے تو جائز ہے۔ ۱۲ ؎ مسلمانوں پر حکام کفار غالب ہوگئے مسلمانوں کے لیے جمعوں اور عیدوں کا قائم کرنا جائز ہے اور ان کی رضامندی سے جو قاضی مقرر ہو جاوے وہ قاضی ہے ۱۲ ۹؎ ملک ہند کے ان شہروں میں جن پر نصاریٰ نے غلبہ پایا اور ان پر کافر و نحو حاکم مقرر کیا جب مسلمانوں کے اتفاق اور تراضی سے ہو ان میں جمعہ کے وجوب اور ادا ہو میں کوئی شک نہیں۔ اور جس کسی نے بوجہ مفقود ہونے شرط سلطان کے جمعہ کے موقوف ہونے کا فتوےٰ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور اوروں کو بھی اس نے گمراہ کیا ہے۔ ۱۲۰ علوے

ؔ اور ابو یوسفؒ اس شخص کے لیے جمعہ کو واجب کہتے ہیں۔ (جو شہر کے گرد و نواح کی) اس حد میں داخل ہو کہ جس کے گزرنے سے آدمی مسافر ہو جائے۔ اور اس میں آنے سے مقیم بن جائے۔ اور یہ بہت صحیح ہے۔ ۱۲ علوے

ؔ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ (ابو یوسفؒ) کا قول اس بارے میں سب قولوں سے بڑھ کر صحیح ہے ۱۲ علوے

ؔ اور میں نے جمعہ کے بعد چار رکعت بنیت ظہر احتیاطی کے ناجائز ہونے میں بارہا فتوےٰ دیا ہے اس ڈر سے کہ (لوگ پھر) جمعہ کو فرض نہیں جانیں گے اور ہمارے زمانے میں اسی میں احتیاط ہے ۱۲

اور صاحب درمختار نے ان لوگوں کا قول جو قائل ہیں احتیاطی کے نقل کر کے لکھا ہے۔ وکل ذلک خلاف المذہب فلا یعول علیہ[1] محقق شامی نے ردالمحتار میں احتیاطی پڑھنے کے بارے میں کچھ اقوال اہل علموں کے ذکر کر کے اخیر پر لکھا ہے۔ قال المقدسی نحن لا نامر بذلک امثال ھذہ العوام بل ندل علیہ الخواص[2]۔ پس معلوم ہوا کہ جو علما کہ قائل ہیں احتیاطی پڑھنے کے ان کے نزدیک یہ حکم عوام کے واسطے نہیں بلکہ خواص کے واسطے ہے۔ ھذا او للتفصیل موضع اخر واللہ اعلم حررہ عبدالجبار ابن الشیخ العارف باللہ عبداللہ الغزنوی۔ فتاویٰ غزنویہ ص ۱۱

سوال: عید اور جمعہ دونوں جمع ہوں تو رخصت کس میں ہے اگر جمعہ میں رخصت ہے تو ظہر ادا نہ کرنے سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

جواب: عید وجمعہ کے مجتمع ہونے کے وقت ترک جمعہ کے لئے رخصت اور اجازت ہے اور ظہر کے لئے بھی یہی رخصت ہے۔ ابوداؤد وابن ماجہ میں زید بن ارقم سے مروی ہے۔ سالہ معاویۃ ھل شھدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتمعا قال نعم صلی العید اول النھار ثم رخص فی یوم الجمعۃ فقال من شاء ان یجمع فلیجمع یعنی زید سے معاویہ نے سوال کیا کہ تم کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی حالت میں حاضر ہوئے جب کہ عید اور جمعہ دونوں حاضر ہوئے ہوں انہوں نے اقرار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید شروع میں ادا فرمائی پھر جمعہ کے لئے رخصت فرمائی۔ اور ابوداؤد میں عطا سے مروی ہے قال اجتمع یوم الجمعۃ ویوم الفطر علی عھد ابن الزبیر فقال عیدان اجتمعا فی یوم واحد فصلی ھی رکعتین بکرۃ لم یزد علیھما حتی صلی العصر یعنی ابن زبیر کے زمانہ خلافت میں جمعہ وعید الفطر ایک روز جمع ہوئے انہوں نے کہا دو عیدیں ایک دن میں جمع ہو گئیں پس شروع دن میں دو رکعتیں پڑھیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں پڑھا یہاں تک کہ نماز عصر ادا فرمائی۔ ابن زبیر کے اس فعل پر کسی صحابی سے انکار نہیں پایا گیا۔ امام شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں قولہ لم یزد علیھما حتی صلی العصر ظاھرہ انہ لم یصل الظھر وفیہ ان الجمعۃ اذا سقطت بوجہ من الوجوہ لم یجب

[1] اور یہ سب مذہب حنفی کے خلاف ہے پس اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ ۱۲

[2] مقدسی نے کہا کہ ہم عوام کو احتیاطی کا حکم نہیں دیتے بلکہ خواص کو اس پر مطلع کرتے ہیں ۱۲ ع

علی من سقطت عنه ان یصلی الظهر یعنی ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن زبیر نے ظہر بھی ادا نہیں فرمائی اس سے معلوم ہوا جب کسی وجہ شرعی سے جمعہ ساقط ہو جائے تو ظہر بھی واجب نہیں ہوتی کیوں کہ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم (مولانا) عبد الجبار کھنڈیلوی (ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین ص)

توضیح الکلام: جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو جمعہ کی رخصت پر نص موجود ہے لیکن نماز ظہر کی رخصت پر کوئی نص نہیں۔ صرف عبد اللہ بن زبیر کے واقعہ میں عدم ظہر کا احتمال ہے اور احتمالات سے بلا تعیین حجت نہیں ہوتی۔ عون المعبود شرح ابو داؤد میں ہے۔

فالجزم بان مذهب ابن الزبير سقوط صلوٰة الظهر في يوم الجمعة يكون عيدًا على من صلى صلوٰة العيد لهذه الرواية غير صحيح لاحتمال انه صلى الظهر في منزله بل في قول عطاء انهم صلوا وحدانا اى الظهر ما يشعر بانه لا قائل بسقوطه ولا يقال ان مراده صلوٰة الجمعة وحدانا فانها لا تصح الا جماعة اجماعًا ثم القول بان الاصل في يوم الجمعة صلوٰة الجمعة والظهر بدل عنها قول مرجوح بل الظهر هو الفرض الاصلي المفروض ليلة الاسراء والجمعة متاخرة فرضها ثم اذا فاتت وجب الظهر اجماعًا فهي البدل عنه وقد حققناه في رسالة مستقلة انتهى كلام محمد بن اسماعيل الامير۔
عون المعبود ص ۴۱۷ ج ۱

اس عبادت سے معلوم ہوا کہ ظہر اصل ہے اور جمعہ بدل ہے۔ جمعہ کی رخصت سے ظہر کی رخصت نہیں مطابق قول عطاء کے، تمام صحابہ اور تابعین جو جمعہ کے لئے حاضر ہوئے تھے سب نے نماز ظہر الگ الگ پڑھی۔ هذا ما عندي واللہ اعلم بالصواب وعنده علم الكتاب
حررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال۔

---

سب نے نماز ظہر الگ الگ پڑھی۔ اس بارہ میں حافظ عبد اللہ صاحب مرحوم کا فتویٰ مدلل اور مکمل ہے۔ جو صفحہ ۱۹۲ پر منقول ہے۔ هذا ما عندي واللہ اعلم بالصواب وعنده علم الكتاب حررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

**سوال** : نماز جمعہ میں خطبہ سے پہلے تقریر کرنے کے بعد از سر نو خطبہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں، آج کل حنفیہ حضرات تقریر کے بعد خطبہ پڑھتے ہیں ان کا ایسا کرنا کہاں تک جائز ہے؟

**الجواب** : خطبہ جمعہ سے پہلے جو تقریر کا رواج ہے اس رواج کا کوئی ثبوت نہیں۔ (مولانا حافظ) محمد گوندلوی

(الاہلحدیث لاہور جلد ۲ ش ۳۶)

---

**سوال** : اگر جمعہ کا خطبہ ہوتا ہو ایسی حالت میں کوئی شخص مسجد میں آئے تو کیا وہ خطبہ سننے لگے یا سنت پڑھ کر بیٹھے؟

**جواب** : اگر خطبہ جمعہ ہوتے ہوئے کوئی شخص مسجد میں آئے تو پہلے دو رکعت پڑھ لینی ضروری ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین (بخاری شریف)

مفتی مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۵ ش ۱۲)

---

**سوال** : آج کل یہ خیال عام ہے کہ عید اور جمعہ ایک دن اکٹھے آجائیں تو اس کو بدشگونی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور عام لوگوں میں مشہور ہے کہ دو خطبوں کا ایک دن اکٹھے ہو جانا مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔ خصوصاً حکومت وقت پر اس کا بوجھ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ شرعی لحاظ سے یہ خیال کہاں تک صحیح ہے؟

**الجواب بعون الوہاب** : یہ خیال بالکل غلط بے اصل اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح خلاف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عید اور جمعۃ المبارک ایک ہی دن اکٹھے آگئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا اجتمع عیدان فی یومکم ھذا (ابن ماجہ) تمہارے لیے آج کے دن دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، عید خوشی کے دن کو کہتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ آج تمہارے لیے دو خوشیاں ہیں۔

عید اور جمعۃ المبارک :۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عید اور جمعۃ المبارک کا ایک دن میں جمع ہونا زیادہ خیر و برکت اور خوشی کا موجب ہے نہ کہ نحوست اور بے برکتی کا۔ اور اس زمانہ میں حاکم وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی تھی۔ تو کیا معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ چیز نحوست اور بے برکتی کا باعث ہو سکتی ہے۔ ایسا خیال غلط اور وہم فاسد ہے۔ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۳۶

**سوال:** ایک گاؤں میں صرف سات بالغ فروز رہتے ہیں۔ کیا ایسے گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنی جائز ہے۔ بعض لوگ جمعہ کی نماز کے بعد احتیاطاً ظہر پڑھ لیا کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ عبدالعزیز فریدپور پٹیالہ

**جواب:** جمعہ کی نماز کے لئے جماعت ضروری ہے اور جماعت صرف دو آدمیوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ الاثنان فما فوقہما جماعۃ اس لیے صورت مسؤلہ میں گاؤں والوں پر جمعہ کی نماز بلاشبہ فرض ہے۔ ان پر اس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا لازم ہے۔ جمعہ کی نماز کے لئے کسی معین تعداد چالیس یا پندرہ کا ضروری ہونا کسی معتبر حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھنی بدعت اور ضلالت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث اور عمل صحابہ سے نہیں۔ مولانا عبیداللہ رحمانی (محدث دہلی)

---

**سوال:** ایک اہل حدیث عالم ایک گاؤں میں جمعہ پڑھاتے تھے اور کئی گاؤں آس پاس والے میل دو میل نصف میل تک وہاں آتے تھے۔ مگر بہت لوگ بوجہ سستی حاضر جمعہ نہیں ہوتے تھے۔ اب بعض دوسرے گاؤں میں بھی جمعہ شروع کیا گیا ہے۔ اب پہلے جمعہ والے عالم نے فتوےٰ دیا ہے۔ کہ دوسرا جمعہ ان گاؤں میں حرام ہے۔ صرف اسی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔ جس میں پہلے شروع کیا گیا تھا۔ دلیل اس کی عوالی مدینہ والی حدیث ہے۔ جو بعض عوالی آٹھ میل تک تھے وہ سب مدینہ میں حاضر ہوتے تھے۔ کیا واقعی پہلے جمعہ کے بعد دوسرے گاؤں میں جو میل دو میل تک ہوں بلکہ آٹھ میل تک ہے۔ جمعہ حرام ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** قال اللہ تعالیٰ یَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین یسر یہ مولوی صاحب غالی ہیں اور ایسے جمعہ کو حرام کہنا فی الحقیقت جمعہ فی القریٰ کی حرمت ثابت کرنا ہے۔ جو آج تک اہلحدیث اور احناف کا موجب تنازعہ ہے۔

عوالی سے بطور فضیلت آپ کے عہد و خلفاء کے عہد میں حاضر ہوتے تھے۔ کیوں کہ خلیفۂ ثانی امیر المومنین عمر بن خطاب کا فرمان عام ہے کوئی استثنار نہیں ہے أن جمعوا حیث ما کنتم یعنی جہاں پر ہو جمعہ پڑھا کرو۔ یہ استثنا نہیں کہ صرف ایک ہی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔ دوسرے گاؤں میں جمعہ مت پڑھو۔ لہٰذا دوسرے گاؤں میں بھی جمعہ درست ہے۔ گو افضل یہی ہے کہ سب جمعہ ایک ہی جگہ ادا کریں۔

لوگوں کو فتووں سے اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش کرنا فضول ہے۔ قُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا پر عمل کرتے ہوئے اور پُر تاثیر خوش بیانی سے لوگ خود بخود گرویدہ ہو سکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے:

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا لوگوں کو خوشخبری سناؤ نفرت مت دلاؤ۔ کیا جمعہ کو حرام کہنے سے نفرت ہوگی یا بشارت۔ خصوصاً جب کہ اہل علم اسے جائز کہتے ہوں۔ محل مسائل میں ایسا تشدد درست نہیں ہے۔ وفی ھذا کفایۃ لمن لہ درایۃ واللہ اعلم۔ (از مولانا شیخ محمد صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ امرتسر　الاعتصام گوجرانوالہ ۹ ستمبر ۱۹۵۵ء)

---

**سوال:** سب سے پہلے جمعہ کی نماز کب اور کہاں پڑھی گئی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ کب اور کہاں فرمایا؟

**الجواب:** آپ سوموار سے جمعرات تک قبا میں بنی عمرو بن عوف کے پاس رہے۔ اور ورود مدینہ کے پانچویں دن بنی سالم بن عوف کی مسجد میں جو جبل غیر متصل وادی میں تھی وہاں نماز جمعہ ادا کی اور جمعہ کا پہلا خطبہ بھی وہیں ہوا۔
(شیخ الحدیث مولانا) ابو البرکات احمد گوجرانوالہ　　الحدیث لاہور جلد ۱ ش ۳۲

---

**سوال:** ظہر احتیاطی پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، خاص ایسے وقت جب اور جگہ جمعہ جماعت نہ ملے؟

**الجواب:** بوقت ضرورت اس کے پیچھے جمعہ جماعت درست ہے۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی (فتاوے غزنویہ ص ۳۴)

---

**سوال:** آیا جمعہ کی نماز فرض ہے اور منکر اس کا کافر اور کیا بعض جاہل حنفی کہتے ہیں کہ جمعہ فرض نہیں۔ اور آیا جمعہ بدل ظہر کا نہیں بلکہ جمعہ نماز مستقل ہے۔

**جواب:** ہاں درمختار ص ۵۳۲ میں ہے، اَلْجُمُعَۃُ فَرْضُ عَیْنٍ یَکْفُرُ جَاحِدُھَا لِثُبُوْتِھَا بِدَلِیْلٍ قَطْعِیٍّ (۱) ردالمختار ص ۵۳۲ میں ہے۔ وھو قولہ یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا (۲) اٰیۃ وَبِالسُّنَّۃِ وَالْاِجْمَاعِ (۳) اھ درمختار میں ہے وَھِیَ فَرْضٌ مُسْتَقِلٌّ آکَدُ مِنَ الظُّھْرِ لَیْسَتْ بَدْلًا عَنْہُ (۴) اھ ردالمختار میں ہے، لِاَنَّہٗ وَرَدَ فِیْھَا مِنَ التَّھْدِیْدِ مَالَمْ یَرِدْ فِی الظُّھْرِ مِنْ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ

---

(۱) جمعہ فرض ہے۔ قطعی دلیل کے ساتھ اس کا منکر کافر ہے۔ (۲) اے ایمان والو جب جمعہ کی اذان کہی جائے تو ذکر اللہ کی طرف جلدی آؤ۔ (۳) اور ثبوت جمعہ کے فرض ہونے کا سنت اور اجماع ہے ۱۲ (۴) اور جمعہ فرض مستقل ہے۔ مؤکد زیادہ ہے ظہر سے اور جمعہ بدل ظہر کا نہیں ہے ۱۲ (۵) اس لئے جمعہ میں جیسے تہدید وارد ہوئی ہے۔ ویسی ظہر میں نہیں اس تہدید سے ہے قول
بقیہ ص ۵۶

صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ طَبَعَ اللہُ عَلٰی قَلْبِهٖ رواه احمد والحاکم وصححه فيعاقب علی تَرْكِهَا أَشَدَّ مِنَ الظهر ويثاب عَلَيْهَا اَكْثَرَ اه وَإِنَّمَا اَكْثَرْنَا فِيهِ نَوْعًا مِنَ الْاِكْثَارِ لِمَا سَمِعْنَا عَنْ بَعْضِ الْجَهَلَةِ اَنَّهُمْ يَنْسِبُوْنَ اِلَى الْمَذْهَبِ الْحَنَفِيَّةِ عَدَمَ اِفْتِرَاضِهَا اه

————— فتاویٰ مفید الاحناف ص۱

**سوال:** کیا مصر کی تعریف اکثر قریہ پر صادق آتی ہے؟

**جواب:** ہاں آتی ہے در مختار صفحہ ۵۳۴ میں ہے، المصر وھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا ھذا المختار الشلجی وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء لظھور التوانی فی الاحکام وھو یصدق علی کثیر من القری مصر وہ ہے کہ جس کے بڑی مسجد میں وہاں کے مرد عاقل بالغ نہ سما سکیں۔ اس کو ثلجی نے اختیار کیا ہے اور اس پر بہت فقہا کا فتوے ہے۔ چونکہ احکام شرعیہ میں سستی آگئی اور یہ صادق آتا ہے بہتیرے دیہاتوں پر۔ مولانا عبد الغفور رمضان پوری بہاری (فتاویٰ مفید الاحناف ص۱)

**سوال:** کیا جو حدیث جمعۃ المبارک کے حق میں آئی ہے۔ اس کو عید الاضحیٰ پر چسپاں فرماتے ہیں۔ اور قربانی ایک انڈا۔ پاؤ بھر گوشت۔ ایک مرغ پر اکتفا کرتے ہیں۔

**جواب:** ہم انڈا وغیرہ دے کر قربانی سے سبکدوش نہیں ہوتے بلکہ دنبہ، بکرا، گائے، اونٹ وغیرہ حیوانات سے جو میسر ہو قربانی کرتے ہیں۔ مفلس نادار راغب طلب ثواب کے لیے مرغ کی قربانی جائز جانتے ہیں۔ (فتاوے ثنائیہ ج۱ ص۴۳۲) توضیح الکلام: کیا اچھا ہوتا کہ مفتی صاحب اس پر کوئی دلیل قرآن و حدیث سے دیتے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے گائے۔ اونٹ۔ بکری۔ بھیڑ اور گھوڑے کے علاوہ قربانی سنت اور ثابت نہیں۔ (تلخیص ص۳۸۲) سعیدی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس نے چھوڑ دیا جمعہ تین مرتبہ بغیر ضرورت کے مہر کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر ۱۲۔

ا پس زیادہ معذب ہوگا۔ جمعہ کے ترک پر ظہر کے ترک سے اور زیادہ ثواب پاویگا جمعہ کے پڑھنے پر ۱۲

ثہ جمعہ کے فرض عین ہونے میں ایک طرح سے زیادہ کیا کرتا ہوں، چونکہ میں نے سنا کرتا ہوں بعض جہلا حنفی سے کہ وہ مذہب حنفی کی طرف جمعہ کے فرض نہ ہونے کی نسبت کیا کرتے ہیں ۱۲ سعیدی

**سوال:** کیا جمعہ کا خطبہ منبر پر بیٹھ کر کہنا جائز ہے۔ ہمارے یہاں ایک مولانا اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

**الجواب:** جمعہ کے خطبہ میں قیام ضروری ہے۔ جس طرح فرض نماز کے لئے قیام ضروری ہے۔ بلا عذر شرعی کے قیام کا چھوڑنا جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر قیام ہی کے ساتھ جمعہ کا خطبہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا۔ اس آیت میں قائم کا لفظ ہے۔ جس سے محدثین نے جمعہ کے خطبہ میں قیام کو ضروری قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ وَهُوَ قَائِمٌ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجُلُوسٍ (بخاری و مسلم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر (جمعہ کے) دو خطبے دیتے تھے۔ اور جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے:۔ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّأَكَ أَنَّهُ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ (مسلم۔ ابوداؤد، نسائی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے اور پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے تھے۔ جو شخص تجھ سے یہ کہے کہ حضورؐ نے بیٹھ کر جمعہ کا خطبہ دیا ہے۔ اس نے جھوٹ بولا۔ علامہ نوویؒ[1] شرح مسلم میں ان دونوں حدیثوں کے تحت لکھتے ہیں:۔ فی هذه الرواية دليل لمذهب الشافعي والأكثرين إن خطبة الجمعة لا تصح من القادر على القيام إلا قائما في الخطبتين ولا تصح حتى يجلس بينهما وان الجمعة لا تصح إلا بخطبتين وقال القاضي

---

[1] یحییٰ بن شرف نووی الحزامی سنہ ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے بعد سنہ ۶۴۹ھ میں تشریف لے گئے اور مذہب شافعی پڑھا۔ دو برس تک وہیں قیام کیا۔ شب و روز تعلیم میں منہمک رہتے تھے۔ روزانہ مختلف علوم و فنون کے بارہ اسباق پڑھتے تھے۔ زیادہ تر استفادہ کمال الدین مغربی سے کیا۔ آپ نہایت دیندار متقی اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک ہی مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد کھانا تناول فرماتے۔ آپ کو شادی کرنے کا اتفاق بھی نہیں ہوا۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ سنہ ۶۶۵ھ میں دارالحدیث اشرفیہ کے متولی قرار پائے۔ آپ نے کبھی دارالحدیث کی خدمت پر معاوضہ وصول نہیں کیا تھا۔ نہایت پر وجاہت اور باوقار چہرہ تھا۔ سنہ ۶۷۶ھ میں اپنے والدین کی موجودگی میں بیمار ہوئے۔ اور ۲۴ رجب بروز بدھ کی رات وفات پا گئے۔ آپ نہایت منصف مزاج اور شستہ قلم مصنف تھے۔ اپنی تصانیف میں شافعی المسلک ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے اقوال نقل کرتے تھے۔ عبدالرشید اظہر مدرس جامعہ سعیدیہ خانیوال

ذَهَبَ عَامَّةُ الْعُلَمَاءِ إِلَى اشْتِرَاطِ الْخُطْبَتَيْنِ لِصِحَّةِ الْجُمُعَةِ وَحَكَى ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ إِجْمَاعَ الْعُلَمَاءِ عَلَى إِنَّ الْخُطْبَةَ "لَا يَكُوْنُ إِلَّا قَائِمًا لِمَنْ أَطَاقَهُ" ۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور دیگر اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔ کہ جو شخص قیام پہ قدرت رکھتا ہو اس کا خطبہ جمعہ بغیر قیام کے صحیح نہ ہوگا۔ دونوں خطبے کھڑے ہو کرے یہ دونوں خطبے اسی وقت ظہور میں آئیں گے جب کہ درمیان میں بیٹھا بھی جائے اگر بیٹھ کر خطبہ دیا جائے تو ایک ہی خطبہ شمار ہوگا۔ قاضی عیاض رحمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ عام علماء کے نزدیک جمعہ بغیر دو خطبوں کے صحیح نہ ہوگا۔ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص طاقت رکھتا ہو اس کو کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہیئے ۔

مسلم شریف میں کعب بن عجرہ سے یہ واقعہ مروی ہے دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوا إِلَى هٰذَا الْخَبِيثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا۔ یعنی کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمن بن ام الحکم کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر خطبہ دے رہے ہے تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اس خبیث کی طرف کہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے حالاں کہ اللہ تعالے نے نبی کے خطبے کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ جمعہ کا خطبہ دیتے وقت کھڑے رہتے ہیں پس ہمیں اپنے نبی کی اتباع کرنی چاہیے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ" اور فرمایا مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (كذا في النووي في شرح مسلم ص۲۸۴) یہ فتوے دینا کہ خطبہ جمعہ بیٹھ کر دینا جائز ہے یا بغیر خطبہ کے بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے سنت قدیمہ کے خلاف ہے۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی ریاض العلوم دہلی (ترجمان ۸ شوال ۱۳۸۳ھ)

---

**مسئلہ** برخوردار مولوی علی محمد سلمہ اللہ وعافاہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد ، خط با حال معلوم ہوا مسند امام احمد کی روایات جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ صحیح نہیں ، دو راوی ابراہیم بن عباس اور بقیہ بن ولید ضعیف ہیں۔ قابل احتجاج نہیں اور علی سبیل الفرض التسلیم توجیہ وہی ہے ، جو حافظ ابن قیمؒ نے کی ہے جمعہ کی دوسری رکعت کے تشہد میں ملنے سے جمعہ نہیں ہوتا ظہر پڑھنی ہوگی۔ قائل کی توجیہ غلط ہے۔ والتفصيل مقام آخر مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهُ الحديث کو غور سے پڑھو۔ باقی خیریت ہے۔ فقط والسلام الراقم ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی ۲۰ شعبان ۱۳۴۰ھ

(نقل از مکاتیب شریفیہ)

## جمعۃ المبارک کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور آنیوالوں کو درجہ بدرجہ لکھتے رہتے ہیں۔ سب سے اول آنیوالے کی مثال ایسے ہے۔ جیسے کسی نے اونٹ کی قربانی دی ہو۔ اور اس کے بعد آنیوالے علی الترتیب گائے، مینڈھا، مرغی اور انڈے کا ثواب پاتے ہیں جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے۔ تو وہ اپنے دفاتر بند کر کے ذکر اللہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

**تشریح:** اس تمثیل سے مراد یا تو یہ ہے کہ جیسے اونٹوں اور گائے کے چوپایوں میں مراتب کا فرق ہے۔ اسی طرح ان میں فرق ہے۔ یا یہ کہ اگر ثواب مجسم ہوں۔ (جیسے قیامت کو ہوں گے) تو پہلے کا اونٹ کا وزن اور دوسرے کا گائے کا ہے گا۔ علی ہذا القیاس۔ یہ فرشتے کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں۔ وگرنہ کراماً کاتبین کبھی دفتر بند نہیں کرتے۔ فقط عبدالرشید اظہر مدرس جامعہ سعیدیہ خانیوال

**سوال:** (۱) اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن جمع ہو جاویں تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں زید ایسے دنوں میں جمع نہیں ادا کرتا، اور کہتا ہے کہ میں ایک سنت مردہ کو زندہ کرتا ہوں، یہ کہنا اس کا کیسا ہے؟
(۲) خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟

**الجواب:** جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں، تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی چاہے نہ پڑھے، اور ایسے دنوں میں زید جو نماز جمعہ ادا نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔ منتقی میں ہے عن[1] زید بن ارقم رض سأله معاوية هل شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عيدين اجتمعا قال نعم صلى العيد اول النهار ثم رخص فى الجمعة فقال من شاء ان يجمع فليجمع رواه احمد و ابوداؤد و ابن ماجة وعن ابى هريرة رض عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال قد اجتمع فى يومكم هذا عيدان فمن شاء اجزاءه وانا مجمعون رواه ابوداؤد و ابن ماجة. وعن وهب بن كيسان رض قال اجتمع عيدان على عهد ابن الزبير رض

---

[1] زید بن ارقمؓ سے امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی ایسے موقع کی حاضری تم کو ملی ہے جب کہ جمعہ اور عید اکٹھے ہو گئے ہوں۔ زید نے کہا ہاں! آپ نے دن کے پہلے حصہ میں عید کی نماز پڑھی۔ پھر جمعہ کے متعلق رخصت دے دی کہ جو جمعہ پڑھنا چاہے، پڑھ لے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں۔ جو چاہے اس کے لئے عید کافی ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں عید اور جمعہ اکٹھے ہو گئے آپ جمعہ کے لئے دیر سے نکلے، خطبہ دیا اور نیچے اتر آئے عید کی

[illegible] جمعہ اور عید جمع ہو جائیں تو جمعہ [illegible] ابوہریرہ [illegible] وانا مجمعون [illegible]

فلم یخرج حتی تعالی النہار ثم خرج فخطب ثم نزل فصلی ولم یصل للناس یوم الجمعۃ فذکرت ذلک لابن عباس فقال اصاب السنۃ[1] رواہ النسائی وابوداؤد بنحوہ لکن من روایۃ عطاء انتہی

۲۔ خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری نہیں ہے بلکہ مندوب ومستحب ہے عن حکم بن الحزن شھدنا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکئا علی العصا او قوس رواہ ابوداؤد یعنی حکم بن حزن سے روایت ہے کہ ہم لوگ جمعہ میں حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو آپ عصا یا قوس پر ٹیک دے کر کھڑے ہوئے، روایت کیا اسکو ابوداؤد نے قال[2] فی سبل السلام تحت ھذا الحدیث وفی الحدیث دلیل انہ یندب للخطیب الاعتماد علی عصا او نحوہ وقت خطبتہ والحکمۃ ان فی ذلک ربط القلب ولتعتمد یدیہ علی العبث ومن لم یجد مایعتمد علیہ ارسل یدیہ او وضع الیمنی علی الیسری او علی جانب المنبر ویکرہ دق المنبر بالسیف اذا لم یؤثر وھو بدعۃ۔ واللہ اعلم　　(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۴۳)

**سوال**، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں اور اس کے تارک کو ملوم جانتے ہیں۔ اور یہاں تک پابندی اس کی ہو گئی کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں، آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے یا نہیں، اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو، مگر اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے یا نہیں اور اگر وہ پڑھے گا، انہی میں داخل ہو گا یا نہیں، اور بصورت عدم پابندی واصرار کا وجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے جس نے اس کو نکالا تھا کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھتا تھا اور اب کس درجہ میں پہنچا اور تعجب پر تعجب ہے کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا بعض علماء بھی پڑھتے ہیں، واللہ اعلم ان کے پاس کون سی دلیل کتاب وسنت وقیاس واجتہاد سے ہے۔ اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے، کہ اگر جمعہ نہ ہوا، تو ظہر ہو جائے گی، آیا قیاس اس کا صوم یوم شک پر ہو سکتا ہے یا نہیں اور من جملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے یا نہیں، بالکل جواب اس مسئلہ کا صاف صاف مدلل شرعیہ ومزین بمہر ودستخط خاص آنجناب عنایت فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**؛ مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر یعنی شہر اور ہونا امام یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں، لہذا چونکہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بہ سبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا، تو بنا ء مذہب حنفیہ جمعہ نہ ہوا،

[1] نماز پڑھی اور لوگوں کو جمعہ نہ پڑھایا ابن عباس سے اس کا تذکرہ ہوا، تو انہوں نے فرمایا اس نے سنت کے مطابق کیا۔ [2] اس حدیث میں دلیل ہے کہ خطیب کو عصا پر ٹیک لگانا مستحب ہے اور اس میں یہ حکمت ہے کہ اس سے دل جمعی رہتی ہے، جو عصا پر ٹیک نہ لگائے، وہ کبھی ہاتھوں کو

بقیہ ص۶۱

[1] رخصت قبول کرنے کو سنت کہا ہے۔ (سعیدی)

اور چونکہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی، تو ان کے مذہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے، مگر چونکہ دوسری خرابی یہ ہو گئی، کہ ایک شہر میں دو تین جگہ جمعہ کا پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں، جس کا جمعہ اول واقع ہوتا ہے اس کا جمعہ تو ادا ہوا اور جس کا بعد ہوا اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی اور یہ حال دریافت نہیں ہو سکتا، کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد ادائے جمعہ اور سقوط ظہر میں رہتا ہے۔ اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کی تھا کہ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا، تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط وادا ہو جاوے گی اور جو جمعہ ادا ہو گیا تو یہ رکعات نفل ہو جاویں گی۔ یہ اصل اس کی ہے، مگر احناف یعنی حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں، اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی اور یہ خود بدعت ہے، دوسرے بعضا اول التزاع یعنی آپس میں جھگڑا اٹھانے والے ہو گئے، اگر درجہ احتیاط واستحباب میں رہتے تو خیر سہل بات تھی، پھر یہ کہ جن علماء سے شرطیت وجود امام ونائب دریافت ہوئی ہے وہی علماء یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اگر امام و نائب سے تعذر ہو، تو مسلمین اپنا امام جمعہ مقرر کر کے ادا کریں، پس حسب اس روایت سب جگہ امام موجود ہوتا ہے، تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا ادا ہو گیا اور سقوط ظہر ذمہ سے ساقط ہو چکا، پس احتیاط ظہر لغو ہے اور جن لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں، تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے، چاہیے کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں، یہ کیا بے موقع بات ہے کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں اور فرض وقت کو فرادیٰ یعنی تنہا تنہا پڑھیں یہ سخت خرابی ہے، پس احناف کا احتیاط ظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں، خصوصاً اس صورت وجوب اور نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہو کہ اگر تردد درست نہیں، تو دیدہ و دانستہ اس حرکت لایعنی وبے فائدہ کو کیوں اختیار کیا، واجب ہے کہ سب جمع ہو کر ایک جمعہ کو ادا کریں، الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے اور موجب کمال غفلت اور بے پرواہی دین سے ہونے کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　[مہر: رشید احمد]

الجواب صحیح ۔ محمد امیر الدین پٹیالوی، واعظ جامع مسجد دہلی　[مہر: محمد امیر الدین ۱۳۰۱]

طلع الحق حق الطلوع وسطع الصدق حق السطوع فما قال ملك العلماء سلطان الاتقياء، زين المفسرين، رئيس المحدثين فهو ادا منا مجدد زماننا نائب رسول الله الصمد عليه صلوات من الله الاحد مولانا العالم العامل الحافظ الحاج رشيد احمد ادام الله ظلال فيوضه على رؤس العالمين اللهم امين فهو حق والحق احق بالاتباع واولى لان الحق يعلو ولا يعلى ۔ حرره

---

(بقیہ) چھوڑ دے گا کبھی اندھے گا۔ اور علامے منبر کو کھٹکتا نا مکروہ ہے ۱۲

اوّل تلامذۃ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ   فقیر محمد حسین ۱۲۵۸   قادر بخش عفی عنہ ۱۳۰۴ مدرس مدرسہ حسین بخش

جواب ہذا صحیح ہے، حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ محمد ساکن درگاہ سلطان نظام الدین اولیاء ضلع دہلی،

المجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی بقلم خود، اصاب من اجاب محمد حیات اللہ عفا اللہ عنہ،

جواب بہت صحیح اور ٹھیک ہے اور خلاف اس کا ضلالت و بدعت سیئہ ہے، کیونکہ اس فعل نامقبول کو کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے، کما فی البحر و تاتارخانی وغیرہما من کتب الفقہ اور اصل میں یہ یعنی نماز احتیاط الظہر بدعت ہے ایک بادشاہ عباسی معتزلی کہ عرب و عجم وغیرہ کا بادشاہ تھا اس کی نکالی ہوئی ہے، حنفی مذہب میں ہرگز یہ نماز درست نہیں ہے۔ جواب یہ کہ وہ نہ حنفی ہے نہ مالکی نہ شافعی نہ حنبلی بلکہ معتزلی مذہب ہے، اس ظالم نے یہ حکم دیا تھا کہ نماز احتیاط الظہر کل جگہ جاری کی جائے جو اس کو نہ کرے اسے تعزیر لگائی جائے جو مولوی اس وقت میں عبد الدینار و الدرہم تھے اس کو قبول کیا اور فتووں میں درج کر گئے اور حنفی مذہب بالائے طاق رکھا اس قصہ کو ایک عالم جید قصوری پنجابی حنفی المذہب نے خوب تحقیق کے ساتھ لکھا ہے، کذا فی تفسیر المحمدی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت یا چار رکعت بعد جمعہ کے پڑھتے تھے، فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز محمد عبد الوہاب پنجابی نزیل دہلی

خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰   لودیانوی   ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵   سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی   مسکین عبد الغنی ضلع کرنال

ہذا الجواب صحیح   سید محمد اسماعیل ۱۲۸۱   فریدآبادی   سید محمد نذیر حسین

جواب صحیح ہے محمد لقاء اللہ عثمانی ضلع شاہ پور۔ محمد اکرم ملک بنگالہ ضلع فرید پور۔ رضا الجواب محمد حمید ثابت ضلع اعظم گڑھ

---

**سوال:** جمعہ کے روز جب امام خطبہ پڑھتا ہو اور کوئی شخص باہر سے آکر السلام علیکم کہے، تو یہ السلام علیکم کہنا یا اس کا جواب دینا جائز ہے یا منع ہے؟

**الجواب:** جس وقت خطیب خطبہ دے رہا ہو اس وقت سلام نہیں کہنا چاہئے کیونکہ سلام کہنا سنت ہے اور خطبہ کا سننا فرض ہے، تو سلام کہنے والے نے فرض کو ترک کیا، لہٰذا خطبہ کے وقت سلام نہیں کہنا چاہیے۔ اور اگر کسی نے سلام کہا تو سننے والا چپکے سے جواب دے دے۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵   سید محمد عبد السلام غفرلہ   سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل صفحہ ۵۰۸

**سوال** ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ درست نہیں اس کی کیا تعریف ہے۔ اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے ، وہ کتنے آدمیوں کا ہوتا ہے اور اگر چھوٹے گاؤں میں پڑھیں تو پھر ظہر پڑھنا ضرور ہے یا نہیں اور بڑے گاؤں میں جمعہ کے بعد ظہر پڑھیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا

**الجواب** ، واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ، کیوں کہ یہ بات کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے ، خواہ شہر ہوں یا گاؤں اور خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں ، چنانچہ قرآن شریف میں ہے ، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ، یعنی اے ایمان والو ، جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو ، ظاہر ہے کہ اس آیت میں جناب باری تعالےٰ نے عام طور پر ہر مسلمان کو فرمایا کہ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہو ، تو لوگ فوراً حاضر ہوں ۔ لہٰذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے کسی قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ، ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لئے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں ، کہ جماعت ہو جاوے چنانچہ منتقی میں ہے ، عن طارق بن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک اوامرأۃ او صبی او مریض رواہ ابوداؤد انتہی ۔ مختصراً ، یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے ، کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے ، مگر چار شخص غلام ، مملوک ، عورت اور لڑکا ، اور مریض ، یعنی ان چار شخصوں پر نماز جمعہ فرض نہیں ، پس جمعہ کے لئے اتنے آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہو جاوے اور جماعت کے لئے کم از کم دو شخص ہونا چاہیے ، نیل الاوطار میں ہے ،۔ واما الاثنان فبانضمام احدھما الی الاخر یحصل الاجتماع وقد اطلق الشارع اسم الجماعۃ علیھما فقال الاثنان فما فوقھما جماعۃ کما تقدم فی ابواب الجماعۃ خلاصہ یہ کہ دو شخصوں سے جماعت ہو جاتی ہے ۔ اب آیت اور حدیث دونوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ، بلکہ بقدر جماعت آدمی ہونے چاہئیں جس کا کم سے کم درجہ دو عدد ہے ، لہٰذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو ان پر بھی جمعہ فرض ہے ۔ ہاں البتہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت علیؓ کے اس قول سے لاجمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لیکن واضح ہو کہ حضرت

---

لہ اور دو جب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تو اجتماع حاصل ہو جاتا ہے اور شارع نے اس پر جماعت کا اطلاق کیا ہے ، فرمایا دو اور اس سے اوپر جماعت ہے

علیؓ کے اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور خود حنفیہ کے اصول و قواعد کی رو سے بھی ثابت نہیں ہوتا، اس واسطے کہ آیت قرآن اور احادیث صحیحہ مرفوعہ اس قول کی صاف نفی کرتی ہیں، کیونکہ آیت و احادیث مرفوعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ صحیح و درست ہے، مصر ہو خواہ مصر نہ ہو، اور حنفیہ لکھتے ہیں کہ جب حدیث مرفوع صحابی کے کسی قول کی نفی کرے، یعنی صحابی کا قول حدیث مرفوع کے خلاف ہو، تو وہ قول حجت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں ہے قول[1] الصحابی حجة فیجب تقلیده عندنا اذا لم ینفه شیء آخر من السنة انتهی۔ بناء علیہ حضرت علیؓ کا قول مذکور حجت نہیں ہو سکتا، لہذا اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ٹھہرانا خود حنفیہ کے اصول سے بھی باطل ہے، اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ کسی دلیل شرعی سے جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ثابت نہیں اور جو لوگ جمعہ کے بعد ظہر پڑھنے کے قائل ہیں، وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتوں میں جمعہ کے فرض ہونے میں شک ہے اس وجہ سے احتیاطاً ظہر پڑھ لینا چاہیئے، سو یہ وجہ بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ قرآن و احادیث سے دیہات اور غیر دیہات میں جمعہ کا فرض ہونا نہایت صاف اور صراحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کا ذرا بھی شک و شبہ نہیں، پس جمعہ کے بعد ظہر کو جائز بتانا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ ۹ ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ

سید محمد نذیر حسین

**هو الموفق**: فی الواقع قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہے، کہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ درست ہے۔ چھوٹے اور بڑے گاؤں کی تفریق نہیں آئی ہے کہ بڑے گاؤں میں تو جمعہ درست ہو اور چھوٹے گاؤں میں نادرست بلکہ ہر جگہ اور ہر گاؤں میں خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اقامت جمعہ درست ہے، اور علمائے حنفیہ جمعہ کے درست ہونے کے لئے جو مصر کا ہونا شرط لکھتے ہیں سو ان کی یہ بات بالکل بے دلیل ہے اور ساتھ اس کے مصر کی تعریف میں انہوں نے بڑا ہی اختلاف کیا ہے، کوئی مصر کی تعریف کچھ لکھتا ہے اور کوئی کچھ اور ان کی تعریفات متخالفہ و متناقضہ میں سے کوئی تعریف بھی نہ لغت سے ثابت ہے اور نہ قرآن و حدیث سے بلکہ فقہائے حنفیہ نے محض اپنی اپنی رائے سے لکھی ہیں اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں نہ چھوٹے گاؤں میں اور نہ بڑے گاؤں میں اور نہ کسی اور مقام میں، رسالہ تحقیقات العلی میں مرقوم ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیت ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ صلوٰۃ جمعہ قائم مقام صلوٰۃ ظہر ہے پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کی اس نے ایک صلوٰۃ مفروضہ کو دوبارہ ایک دن،

[1] ہمارے نزدیک صحابیؓ کا قول حجت ہے۔ اور اس کی تقلید ضروری ہے جب کہ اس سے کسی حدیث کی نفی نہ ہوتی ہو۔

ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا اور یہ ممنوع ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین[1] رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی پس جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہوا تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہ ہوا اور کسی سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین اور محدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی منقول نہیں، نہ ان میں سے کسی نے پڑھا اور نہ پڑھنے کا حکم دیا، بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت و محدث فی الدین ہے۔ پڑھنے والا اس کا عاصی و آثم ہوگا، کیوں کہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے۔ دین میں بعض متاخرین حنفیہ نے اس کو نکالا ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے وقد افتیت مرارا[2] بعدم صلوٰۃ الاربع بعدھا بنیۃ ظہر خوف اعتقادھم عدم فرضیۃ الجمعۃ وھو الاحتیاط فی زماننا اور بھی بحر الرائق میں ہے[3] وقد اطال فی فتح القدیر فی بیان دلائلھا ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعا من الاکثار لما نسمع من بعض الجھلۃ انھم ینتسبون الی مذھب الحنفیۃ عدم افتراضھا الی قولہ اقول قد اکثر ذلک من جھلۃ زماننا ایضا ومنشاء جھلھم صلوٰۃ الاربع بعد الجمعۃ بنیۃ الظھر وانما وضعھا بعض المتأخرین عند الشک فی صحۃ الجمعۃ بسبب روایۃ عدم تعددھا فی مصر واحد ولیست ھذہ الروایۃ بالمختارۃ ولیس ھذا القول اعنی اختیار صلوٰۃ الاربع بعدھا مرویا عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ انتہیٰ کلامہ پس مرد متبع سنت وہ ہے جو کہ اس بدعت و محدث فی الدین کی بیخ کنی کرے اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے۔ انتہیٰ ما فی تحقیقات العلےٰ مختصراً۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمٰن[4] المبارکفوری عفا اللہ عنہ

(فتاوےٰ نذیریہ جلد اوّل صفحہ ۵۹۰)

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہی دن میں ایک ہی نماز کو دو مرتبہ مت پڑھو۔

[2] میں نے کتنی مرتبہ فتوےٰ دیا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے جائز نہیں جس کو ہمارے زمانہ میں احتیاطی کہا جاتا ہے۔

[3] فتح القدیر میں اس کے دلائل کو بسط سے بیان کیا ہے پھر کہا ہم نے اس بحث کو اس لئے طول دیا ہے کہ بعض جاہلوں سے سننے میں آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور جمعہ کو فرض نہیں سمجھتے، میں کہتا ہوں ہمارے زمانہ میں جاہلوں کی اکثریت ہے اور ان کی جہالت کی دلیل یہ ہے کہ وہ جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھتے ہیں، جس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے جاری کیا ہے اور شک اس بنا پر ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز نہیں اور یہ روایت صحیح نہیں اور نہ ہی چار رکعت کا ثبوت بعد جمعہ کے امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے مروی ہے۔

[4] متوفی ۱۳۵۳ھ

یہ فتوٰے گو ناتمام ہے اور سوال ہی مذکور نہیں، چوں کہ اس کا مضمون نہایت ہی مفید معلوم ہوتا ہے اس لئے بغرض حصول ثواب و افادہ عام و خاص ہر کہ دستیاب ہو سکا ہے، ذیل میں ہدیہ ناظرین ہے، وہو ہذا:۔

**سوال:۔** . . . . . . . . . . . .

**الجواب:** در ہدایہ مرقوم است لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القرٰی لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع۔ والمصر الجامع کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وھذا عن ابی یوسف وعنہ انھم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم یسعھم الاول اختیار الکرخی وھو الظاھر والثانی اختیار البلخی ولا تجوز اقامتہا الا للسلطان او لمن امرہ السلطان لانھا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدم والتقدیم وقد یقع فی غیرہ فلا بد منہ تتمیما لامرھا انتہی وشیخ عبدالحق محقق، محدث دہلوی در فتح المنان فی تائید مذہب النعمان می فرماید ھذا تقریر الھدایۃ وظاھرہ یفید الاولویۃ والاحتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوۃ بدونہ شرعا وقال الشیخ ابن الھمام حقیقۃ ھذا الوجہ لاشتراط السلطان لئلا یودی الی عدمھا کما یفیدہ قولہ تتمیما لامرھا انتہی

ودریں جا تقریر دلپذیر بحر العلوم مولانا عبدالعلی مرحوم کہ در ارکان اربعہ می فرماید ملاحظہ باید کرد، ومنھا السلطان او امرہ باقامۃ الجمعۃ عند الحنفیۃ خاصۃ لا عند الشافعیۃ فانھم یقولون اذا اجتمع مسلموا بلدۃ وقدموا اماما وصلوا الجمعۃ خلفہ جازت الجمعۃ والماموم من قبل السلطان افضل ولم اطلع علی دلیل یفید اشتراط امر السلطان وما فی الھدایۃ لانھا تقام بجماعۃ فنخشی ان تقع منازعۃ فی التقدم والتقدیم لان کل انسان یطلب لنفسہ رتبۃ فلا بد من امر السلطان

---

الجواب:۔ ہدایہ میں ہے جمعہ مصر جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں اور بستیوں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، آپ کا فرمان ہے، جمعہ تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ مصر جامع کے سوا جائز نہیں، مصر جامع ہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی امیر یا قاضی ہو، جو احکام کا نفاذ کرے، حدود قائم کرے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو اس میں سما نہ سکیں، امام کرخی نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ اور دوسرے قول کو بلخی نے پسند کیا ہے۔ نیز جمعہ بادشاہ قائم کرے یا اس کا نائب کیوں کہ اس وقت مجمع کثیر ہوتا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فتح المنان میں بیان کیا ہے کہ ہدایہ کی اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ بادشاہ حاضر ہو، لیکن شرعی طور پر اس کی عدم موجودگی جواز صلوٰۃ میں

لیدفع ہذہ المنازعۃ فھذا رأی لایثبت للاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ ثم ہذہ المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما ان نیبۃ السلطان یطلبھا کل احد من الناس فعسی ان تقع المنازعۃ فلایصح نصب السلطان لکن تندفع ہذہ المنازعۃ باجماع المسلمین علی تقدیم واحد فکذا ہذا وکما فی جماعۃ الصلوۃ عسی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المومنین عثمان وکان ہو اما ما حقا محصورا ولم یعلم انھم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاہر عدم الاذن لان ہولاء الاشقیاء من اصحاب الشر لم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروطۃ عندھم بالاذن لعل لہذہ الواقعۃ یرجع المشائخ عن ہذا الشرط فیما تقدم الاستیذان وافتوا بانعقادالاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم کذا فی العالمگیریۃ ناقلا عن التہذیب انتہی

ور اگر مخالفین استدلال نمودہ اند بحدیث لاجمعۃ ولاتشریق الحدیث بر شرطیۃ مصر آن قابل احتجاج واستدلال نمی تواند شد زیرا کہ ضعیف است باتفاق قال الامام النووی حدیث لاجمعۃ ولاتشریق الحدیث متفق علی ضعفہ وامام احمد نیز تضعیفش نمودہ و گفتہ رفع او صحیح نیست، وابن حزم جزم بوقف او نمودہ واجتہاد را دران دخل است، پس منتہض نمودہ گفتہ احتجاج نمی شود، حالاں کہ ذکر می شود ضعف حدیث لاجمعۃ ولا تشریق بتفصیل تام فاستمعوا نصف ولاتعصب اذاقک اللہ رحیق التحقیق باب صلوۃ الجمعۃ والحدیث الاول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاجمعۃ ولاتشریق ولافطر ولااضحی الا فی مصر جامع قلت غریب مرفوعا وانما وجدناہ موقوفا علی علیؓ رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ اخبرنا معمر عن

---

ملاحظہ ہو: مولانا عبدالعلی مرحوم ارکانِ اربعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک اقامت جمعہ میں سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی شہر کے لوگ جمع ہو جائیں اور ایک امام ان کو جمعہ پڑھا دے تو یہ جائز ہے۔ لیکن سلطان وقت کی طرف سے کسی کا مقرر ہونا افضل ہے مگر مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی اور ہدایہ میں جو مذکور ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو جھگڑے ہوں گے اور امامت جمعہ کے لئے تنازع پیدا ہوگا۔ اس لئے سلطانِ وقت کا ہونا ضروری ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں، کیوں کہ لوگ اجماع کے ساتھ کسی ایک کو جمعہ کے لئے مقرر کر لیں گے۔ اس طرح جماعت کی امامت میں بھی تنازع پڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ نمازیوں کے اجماع سے رفع ہو جاتا ہے اسی طرح جمعہ بھی ہو سکتا ہے اور حضور سلطان کی شرط کی ضرورت نہیں، صحابہ نے حضرت عثمان کے محاصرہ کے زمانہ میں جمعہ پڑھ لیا تھا۔ حالانکہ حضرت عثمان خلیفہ برحق تھے۔ اور کہیں یہ مروی نہیں کہ انہوں نے اقامتِ جمعہ کے لئے حضرت عثمانؓ سے اجازت طلب کی، بلکہ فتنہ پرداز

ابی اسحق عن الحارث عن علیؓ قال لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع انتہی ورواہ ابن ابی شیبة فی مصنفہ حدثنا عباد بن عوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال لاجمعة ولا تشریق ولا صلوٰة فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع اوفی مدینة عظیمة انتہی ورواہ عبدالرزاق ایضا انا الثوری عن زبید الایامی به عن سعد بن عبیدة عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علیؓ قال لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع واخرجه البیهقی فی المعرفة عن شعبة عن زبید الایامی به قال ولذلك رواہ الثوری عن زبید به وھذا انما یروی عن علیؓ موقوفا فاما النبی صلی الله علیه وسلم فانه لا یروی عنه فی ذلك شیٔ انتہی کلامه۔ تخریج هدایة للزیلعی۔

باید دانست کہ در روایت عبدالرزاق وابن ابی شیبہ حدیث لاجمعۃ ولا تشریق مروی است بروایت حارث از علی رضی اللہ عنہ امام مسلم در مقدمہ جامع صحیح خود صفحہ چہار دہم و پانزدہم نوشتہ حدثنا شیبة بن سعید قال

---

لوگ اس بات کی رخصت بھی کب دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یا سلطان کی شرط نہیں۔ لیکن یہ مشائخ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اس وقت استیلاء متفقہ تھا اور اس حالت میں انہوں نے اس بات کا فتویٰ دے دیا ہو کہ کوئی ایک شخص باتفاق تمام نمازیوں کی اجازت سے جمعہ پڑھا دے تو جائز ہے۔ کذا فی عالمگیریہ ناقلا عن التہذیب انتہی۔

نیز مخالفین نے جس حدیث لاجمعۃ ولا تشریق الخ سے استدلال کیا ہے، تو باتفاق محدثین ضعیف ہے امام نووی کہتے ہیں حدیث لاجمعۃ ولا تشریق کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام احمد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے کہ اس کا مرفوع کرنا صحیح نہیں، ابن حزم نے اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ اب اس کی صحت اور عدم کے متعلق تفصیل سے سنیئے، حدیث لاجمعۃ ولا تشریق الخ عبدالرزاق کہتے ہیں۔ کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور مرفوع صحیح نہیں ابن ابی شیبہ نے عباد بن عوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی کی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ بیہقی نے معرفت میں عن شعبہ عن زبید الیامی کے واسطے سے حضرت علیؓ سے موقوف روایت کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں۔ (تخریج الہدایہ)

عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں حدیث لاجمعۃ ولا تشریق حارث عن علیؓ کی روایت سے مروی ہے۔ لیکن امام مسلم رح نے اپنی جامع صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ کہ شعبی کہتے ہیں کہ حارث اعور بڑا کذاب تھا۔ نیز انہوں نے سند کے ساتھ مغیرہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے شعبہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ مجھ سے یہ حدیث اعور نے بیان کی، لیکن وہ ایک جھوٹا آدمی ہے۔ نیز

---

۱؎ قال ابوداؤد فی مقدمته واما ابواسحاق عن الحارث عن علی فلم یسمع ابواسحاق من الحارث الا اربعة احادیث لیس فیہا مسند واحد انتہی

حدثنا جریر عن مغیرۃ عن الشعبی قال حدثنی الحارث الاعور وکان کذابا، حدثنا ابو عامر عبداللہ بن براد الاشعری قال حدثنا ابو اسامۃ عن مفضل عن مغیرۃ قال سمعت الشعبی یقول حدثنی الاعور وھو یشھد انہ احد الکاذبین وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن مغیرۃ عن ابراھیم قال قال علقمۃ قرأت القرآن فی سنتین فقال الحارث القرآن ھین والوحی اشد وحدثنا حجاج بن الشاعر قال حدثنا احمد یعنی ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن الاعمش عن ابراھیم ان الحارث قال تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنین او قال الوحی ثلاث سنین والقرآن فی سنتین وحدثنی حجاج بن الشاعر قال حدثنی احمد وھو ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن منصور والمغیرۃ عن ابراھیم ان الحارث اتھم وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن حمزۃ الزیات قال سمع مرۃ الھمدانی من الحارث شیئا فقال اقعد بالباب قال فدخل مرۃ واخذ سیفہ وقال واحس الحارث من الشر فذھب انتھی ما فی مقدمۃ صحیح مسلم وقال الامام الحافظ الذھبی فی میزان الاعتدال روی مغیرۃ عن الشعبی حدثنا الحارث الاعور وکان کذابا وقال منصور عن ابراھیم ان الحارث اتھم وروی ابوبکر بن عیاش عن مغیرۃ قال لم یکن الحارث یصدق عن علی فی الحدیث وقال ابن المدینی کذاب وقال ابن معین ضعیف و قال الدارقطنی ضعیف قال ابن عدی عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ وعن الشعبی ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علی وقال ایوب کان ابن سیرین یری ان عامۃ ما یروی عن علی باطل وقال الاعمش عن ابراھیم عن الحارث قال تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنتین وقال مفضل بن مھلھل عن المغیرۃ سمع الشعبی یقول حدثنی الحارث واشھد انہ احد الکذابین وروی محمد بن شیبۃ الضبی عن ابی اسحاق قال زعم الحارث الاعور وکان کذابا

تیسرا بواسطہ مغیرہ ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ علقمہ کہنے لگے میں نے قرآن دو سال میں حفظ کیا، یہ سن کر حارث کہنے لگا کہ قرآن تو بہت آسان ہے اور وحی بہت سخت ہے۔ تیسرا اس روایت کو زائدہ نے اعمش سے اس نے ابراہیم سے بیان کیا ہے کہ حارث کہتا تھا کہ میں نے قرآن تین سال میں سیکھا اور وحی دو سال میں، ابراہیم کہتے ہیں کہ حارث متہم ہے۔ حمزۃ الزیات کہتے ہیں کہ　　　ہمدانی نے ایک مرتبہ حارث سے کچھ سنا اور کہا دروازہ کے باہر بیٹھو، وہ اندر گیا اور پیچھے سے اس کی تلوار پکڑلی۔ حافظ ذہبی نے شعبی سے ذکر کیا ہے کہ شعبی اسے کذاب کہا کرتے تھے، ابوبکر بن عیاش مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرنے میں سچا نہیں،

والآثار الواقعۃ فی الرافعی الکبیر للشیخ سراج الدین بن الملقن وفی تحریر شرح احادیث الوجیز للرافعی قال فی البدر لا یصلح الاحتجاج بہ للانقطاع وضعف اسنادہ۔ وروی البیہقی فی المعرفۃ عن معاذ بن موسیٰ بن عقبۃ ومحمد بن اسحاق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی ہجرتہ الی المدینۃ مر علی بنی سالم وہی قریۃ بین قباء والمدینۃ ادرکتہ الجمعۃ فصلی فیہم الجمعۃ وکانت اول جمعۃ صلاہا حین قدم ووصلہ ابن سعد من طریق الواقدی باسانید لہ فیہ انہم کانوا حینئذ مائۃ رجل وذکر عبد الرزاق فی مصنفہ عن ابن جریج انہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع فی سفر وخطب علی قوس وروی عبد الرزاق ایضاً ان عمر بن عبد العزیز کان متبدیا بالسویداء فی امارتہ علی الحجاز فحضرت الجمعۃ فہیئ لہ مجلسا من البطحاء ثم اذن بالصلوٰۃ فخرج وخطب وصلی رکعتین وجہر وقال ان الامام یجمع حیث کان وروی البیہقی فی المعرفۃ من طریق جعفر بن برقان ان عمر بن عبد العزیز کتب الی عدی بن عدی انظر کل قریۃ اہل قرار لیسوا ہم باہل عمود ینتقلون فامر علیہم امیرا ثم مرہ فلیجمع بہم وقال ابن المنذر فی الاوسط روینا عن ابن عمر انہ کان یری اہل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب ذلک علیہم ثم ساقہ موصولا وروی سعید بن منصور عن ابی ہریرۃ رضی ان عمر کتب الیہم ان جمعوا حیث ما کنتم وحدیث لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر ضعفہ احمد کذا فی تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر للحافظ ابن حجر العسقلانی وابن سعد احمد ثنا جریر عن منصور عن طلحۃ بن سعد عن عبیدۃ بن عبد الرحمن اگر صاحب شرح وقایہ آوردہ قابل احتجاج نمی شود چہ راوی این عبیدہ بن عبد الرحمن ضعیف است عبیدۃ بالفتح وقیل بالضم ہو عبیدۃ بن عبد الرحمن ابو عبد الجلیل ذکرہ ابن حبان بالوجہین فقال روی عن یحیی بن سعید الانصاری حدیث عن حرمی بن حفص یروی الموضوعات عن الثقات۔ میزان الاعتدال ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف

---

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل میاہ کو لکھا کہ جہاں بھی تم ہو جمعہ پڑھو۔ یہ اثر صحیح ہے اور لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں تصریح کی ہے۔ اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت میں محلہ بنی سالم بن عمرو بن عوف میں جمعہ ادا کیا اور یہ پہلا جمعہ ہے جو آپ نے ادا کیا۔

واسس مسجدهم ثم خرج من بعدهم فادركته الجمعة في بني سالم بن عوف فصلاها في المسجد الذي في بطن الوادي فكانت اول جمعة صلاها بالمدينة اقام يوم الاثنين والثلثاء والاربعاء والخميس في بني عمرو بن عوف ثم خرج من عندهم فادركته الجمعة في بني سالم بن عوف فصلاها في المسجد الذي في بطن الوادي وكانت اول جمعة صلاها النبي صلى الله عليه وسلم انتهى وروى عبد الرزاق باسناد صحيح عن ابن سيرين قال جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها النبي صلى الله عليه وسلم وقبل ان ينزل سورة الجمعة فقالت الانصار ان اليهود لهم يوم يجتمعون فيه بعد سبعة وللنصارى كذلك فلنجعل يوما لنا نذكر الله تعالى ونشكر ونصلي فيه فجعلوه يوم العروبة واجتمعوا الى اسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم فسموه يوم الجمعة وانزل الله تعالى بعد ذلك واذا نودي للصلوة من يوم الجمعة والحديث وان كان مرسلا فله شاهد حسن اخرجه ابوداود وعن كعب بن مالك وصححه ابن خزيمة وهو اول من صلى الجمعة بالمدينة قبل الهجرة اسعد بن زرارة قال الحافظ ابن حجر ولا يمنع ذلك انه صلى الله عليه وسلم علمه بالوحي وهو بمكة فلم يتمكن من اقامتها ثمه ولذلك جمع لهم اول ما قدم المدينة ويدل على ذلك ما اخرجه الدارقطني عن ابن عباس رضي الله عنه قال اذن النبي صلى الله عليه وسلم قبل ان يهاجر ولم يستطع ان يجمع بمكة فكتب الى مصعب بن عمير اما بعد فانظر اليوم الذي يجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساءكم وابناءكم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال فتقربوا الى الله بركعتين قال فهو اول من جمع حتى قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر انتهى ما في المحلى شرح الموطا للعلامة سلام الله من اولاد الشيخ عبد الحق محدث دهلوي وقال في تفسير النيشاپوري روى ان الانصار اجتمعوا الى اسعد بن زرارة وكنيته ابوامامة وقالوا هلموا نجعل لنا يوما نجتمع فيه فنذكر الله تعالى ونصلي فان لليهود السبت وللنصارى الاحد فاجعلوه يوم العروبة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم فسموه يوم الجمعة لاجتماعهم فيه وانزل الله اية الجمعة فهي اول جمعة كانت في الاسلام قبل مقدم النبي

---

ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت کے مدینہ پہنچنے سے پہلے اہل مدینہ نے جمعہ ادا کیا اور اسعد بن زرارہ نے ان کو جمعہ پڑھایا۔ آنحضرت نے مکہ میں جمعہ اس لئے نہیں پڑھا کہ مکہ کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور جمعہ ادا کیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم واما اول جمعۃ جمعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہی انہ لما قدم المدینۃ مہاجرا نزل قباء فی بنی عمرو بن عوف واقام بہا یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس واسس مسجدہ ثم خرج یوم الجمعۃ عامدا المدینۃ فادرکتہ صلوۃ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فی بطن واد لہم فخطب وصلی الجمعۃ انتہی ما فی النیشاپوری واول جمعۃ جمعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لما قدم المدینۃ نزل قباء واقام بہا الجمعۃ ثم دخل المدینۃ وصلی الجمعۃ فی دار لبنی سالم بن عوف انتہی ما فی البیضاوی۔ ویس ازیں قصہ جمعہ مذکورہ ہویدا شد کہ مدینہ منورہ در ابتدا نزول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوکت وغلبہ اہل اسلام ظہور ونفاذ حدود وقصاص نبود باوجود ایں جمعہ گذاردہ شد۔ پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق برتقدیر وفرض ثبوت از قبیل احاد است وخبر واحد معارض دلیل قطعی نمی تواند شد ونہ مخصص عام کما تقرر فی اصول الحنفیۃ من التوضیح والبزدوی ومسلم الثبوت والحسامی والمنار والشاشی وغیرہ ذلک پس تخصیص آیت مذکورہ بر مذہب مخالفین جائز نیست۔ چہ جائیکہ خبر واحد بثبوت نرسد۔ اما الحدیث الضعیف فکذب راویہ وفسقہ لایجبر بتعدد طرقہ کذا فی خلاصۃ الطیبی والسید وغیرہما من کتب الاصول پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق بسبب کذب وفسق راوی ضعیف شد ومعہذا موقوف است بر حضرت علیؓ والموقوف ہو مطلقا ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلا کان او منقطعا وہو لیس بحجۃ علی الاصح کذا قال السید جمال الدین وہو لیس بحجۃ کذا فی مجمع البحار۔ شیخ محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۵۸۱

---

**سوال**: اگر ایک گاؤں میں دو مسجدیں ہوں تو ان میں علیحدہ علیحدہ نماز جمعہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں، یا ایک ہی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

**الجواب**: جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے تاکہ جماعت بڑی ہو۔

واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہٗ۔ سید محمد نذیر حسین

(فتاوےٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۹۰)

---

معلوم ہوا کہ آنحضرت کے مدینہ پہنچتے ہی اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی حدود وقصاص کا اجراء کیا گیا تھا۔ لہٰذا حدیث لاجمعۃ ولاتشریق سے استدلال بے محل ہے۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور اخبار آحاد دلیل قطعی کے نہ معارض ہو سکتی ہے اور نہ مخصص ہو سکتی جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح کی گئی ہے۔

**سوال** : اگر عیدین کے روز جمعہ پڑھا جائے تو جمعہ کی نماز درجہ معافی میں ہے یا جمعہ کی نماز عیدین کی نماز کے بعد پڑھنا ہوگا۔

**جواب** : یہ حدیث واقعی ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم دیہاتیوں کے لئے ہے۔ شہریوں کے لئے جمعہ فرض ہے۔ محدثین کہتے ہیں جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے پڑھنا جائز ہے۔ میرا بھی یہی مسلک ہے۔

**شرفیہ** : یہ بعض محدثین کا مسلک ہے۔ مگر دلائل میں کلام ہے بعض دلائل یہ ہیں : اجتمع عیدان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی یوم واحد فصلی العید اول النهار فقال یا ایها الناس ان هذا یوم قد اجتمع لکم فیه عیدان فمن احب ان یشهد معنا الجمعة فلیفعل ومن احب ان ینصرف فلیفعل رواه ابوداود والنسائی وابن ماجة واحمد والحاکم من حدیث زید بن ارقم انه صلی الله علیه وسلم صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان یصلی فلیصل صححه علی بن المدینی ورواه ابوداود والنسائی والحاکم من حدیث عطاء ان الزبیر فعل ذالك وانه سأل ابن عباس فقال اصاب السنة وقال ابن المنذر هذا الحدیث لا یثبت وایاس بن ابی رملة راویه عن زید مجهول ورواه ابوداود وابن ماجة والحاکم من حدیث ابی صالح عن ابی هریرة انه قال قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شاء اجزاه عن الجمعة وانا مجمعون وفی اسناده بقیة رواه عن شعبة عن المغیرة الضبی* عن عبد العزیز بن رفیع عن ابی صالح وصحح الدارقطنی ارساله لروایة حماد عن عبد العزیز عن ابی صالح وکذا صحح ابن حنبل ارساله ورواه البیهقی من حدیث سفیان بن عیینة عن عبد العزیز موصولا مقیدا باهل العوالی واسناده ضعیف ووقع عند ابن ماجة عن ابی صالح عن ابن عباس بدل ابی هریرة وهو وهم نبه هو علیه ورواه البخاری من قول عثمان ورواه الحاکم من قول عمر بن الخطاب انتهی ما فی التلخیص الحبیر ص ۱۴۲ حاشیہ پر قول عثمان پر لکھا ہے مقید باهل العوالی یعنی اذن اہل عوالی کو دیا تھا نہ سب کو۔ اور قول عمر پر بدر کی تصحیح لکھی ہے مگر حاکم کی روایت کو ابن منذر نے تو کہا ہے لا یثبت فیہ راو مجہول زید بن ارقم کی روایت میں ایاس بن ابی رملہ ہے جو مجہول ہے اسی لئے ابن منذر نے اس کے بارے میں لایثبت کہا ہے اور عطا والی روایت میں اسباط بن نصر کو کثیر الخطا یغرب لکھا ہے۔ تقریب التہذیب نیز اسی میں سلیمان بن مہران اعمش مدلس ہے اور روایت عن سے ہے اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں کما فی اصول الحدیث اور عطا کی روایت ابن جریج سے بھی آئی ہے۔ اور ابن جریج بھی مدلس ہے اور روایت عن سے ہے لہذا غیر مقبول ہے" کان یدلس ویرسل " تقریب التہذیب

* عن ابی صالح به وتابعه زیاد بن عبد الله البکائی * ایضا من حدیث ابن عمر واسناده ضعیف ورواه الطبرانی من وجه [illegible]

ماور ابوہریرہ والی روایت میں بقیہ بن ولید کثیر التدلیس من الضعفاء ہے۔ اور مغیرۃ الضبی بھی مدلس ہے اور روایت بھی عن سے ہے۔ تحدیث نہیں۔ نیل الاوطار میں عطاء والی روایت کے بارے میں رجالہ رجال الصحیح لکھا ہے مگر اعمش اور جریج کی تدلیس اور عنعنہ کا جواب کچھ نہیں دیا۔ لہذا اعتراض بحال رہا اور فعل ابن زبیر اور قول ابن عباس والی روایت کو نیل میں رجالہ رجال الصحیح لکھا ہے، مگر تقریب میں اس کو بخاری کی معلق روایات میں لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے صدوق رمی بالقدر ربما وہم من السادسۃ انتہیٰ لفظ ربما وہم سے کثیر الوہم ثابت ہوتا ہے۔ رب للتکثیر کثیر وللتقلیل قلیل اور یہ مقام بھی اسی قسم کا ہے اس لئے کہ عبداللہ بن زبیر کے وقت صدہا صحابہ موجود تھے، پھر جب ابن زبیر نے جمعہ نہ پڑھا باہر نکلے اور لوگوں نے تنہا تنہا اپنی اپنی نماز پڑھی کما فی روایۃ ابی داؤد اور کسی نے بھی ان کو مکان پر جاکر مطلع نہ کیا، اور نہ آنے کی وجہ دریافت کی اور انہوں نے بھی عید کی نماز پڑھ کر لوگوں کو اس امر پر مطلع نہ کیا اور پھر عصر کے وقت بھی ان سے دریافت نہ کیا حتیٰ کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ طائف سے واپس آئے تب دریافت کرنے سے انہوں نے "اصاب السنۃ" کہا گویا سب کے سب صحابہ اور تابعین صدہا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں سب ہی بے خبر تھے صرف ابن الزبیر اور ابن عباس ہی اتنے بڑے واقعہ سے خبردار تھے۔ وہذا من العجائب اس لئے اس مسئلہ میں محدثین کا اختلاف ہے۔ امام شافعی وجماعۃ من المحدثین اس کے خلاف ہیں، قال فی سبل السلام وذہب الشافعی وجماعۃ الی انہا ای صلاۃ الجمعۃ لا تصیر رخصۃ مستدلین بالدلیل وجوبہا عام لجمیع الایام وما ذکر من الاحادیث والآثار لا یقوی علی تخصیصہا لما فی اسانیدہا من المقال ثم قال صاحب السبل قلت حدیث زید بن ارقم قد صححہ ابن خزیمۃ ولم یطعن غیرہ فیہ فہو یصلح للتخصیص انتہی اقول قد تقدم انہ ضعفہ ابن المنذر وقال لا یثبت وفی سندہ ایاس ابن ابی رملۃ مجہول کیف وقد نقل صاحب سبل ایضا قبلہ انہ قد ضعف الامام الشافعی وجماعۃ من المحدثین ہذہ الاحادیث والآثار کما فی اسانیدہا من المقال انتہی فکیف یقول صاحب السبل لم یطعن غیرہ فیہ وکیف یصلح للتخصیص کلا وحاشا وقد قال اللہ تعالیٰ لا تقف ما لیس لک بہ علم الخ ولا علم فیہ قطعا فلا یصلح للتخصیص اور جو فتاوے میں کہ حنفیہ کہتے ہیں یہ حکم دیہاتیوں کے لیے ہے الخ میں کہتا ہوں یہ حنفیہ ہی نہیں کہتے امام شافعی اور ایک جماعت محدثین بھی یہی کہتے ہیں اور خود صحیح بخاری میں حضرت عثمانؓ سے یہ امر مصرح ہے۔ صحیح بخاری کتاب الاضاحی باب ما یوکل من لحوم الاضاحی وما یتزود منہا میں ہے۔ فی اثناء حدیث فقال ابو عبید ثم شہدت مع عثمان

ابن عفان وکان یوم الجمعۃ فصلی قبل الخطبۃ ثم خطب فقال یا ایھا الناس ان ھذا یوم قد اجتمع لکم فیہ عیدان فمن احب ان ینتظر الجمعۃ من اھل العوالی فلینتظر ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ قال ابو عبید ثم شھدت مع علی بن ابی طالب فصلی قبل الخطبۃ ثم خطب الناس فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھاکم ان تاکلوا لحوم نسککم فوق ثلاث الحدیث قال فی فتح الباری تحت ھذا الحدیث قولہ ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ استدل بہ من قال بسقوط الجمعۃ عمن صلی العید اذا وافق العید یوم الجمعۃ وھو محکی عن احمد واجیب بان قولہ اذنت لہ لیس فیہ تصریح بعدم الاعادۃ وایضا فظاھر الحدیث فی کونھم من اھل العوالی انھم لم یکونوا ممن تجب علیھم الجمعۃ لبعد منازلھم المسجد وقد ورد فی اصل المسئلۃ حدیث مرفوع انتھی ج ۱۰ ص ۲۲۳ میں کہتا ہوں اس سے واضح ہوگیا کہ چونکہ یہ دن عید الاضحیٰ کا تھا اور اہل عوالی چار چار پانچ پانچ میل سے آٹھ آٹھ میل تک مدینہ منورہ آتے تھے اور جمعہ کی نماز بوقت ظہر مدینہ میں پڑھ کر آٹھ آٹھ میل تک جاکر قربانی کرنا اور پھر بطریق مسنون قربانی کے گوشت سے کھانا کھانا بہت ہی تکلیف دہ تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو اجازت دی کہ تم جاؤ جاکر قربانی کرکے نماز پڑھنا جیسے جمعہ کی نماز بھی بارہا وہیں پڑھا کرتے ہو پڑھنا اور پنج وقتہ جماعت بھی تو ہمیشہ وہیں کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ عوالی مدینہ سے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باری باری جایا کرتے تھے جمعہ ہو یا ویسے ہی اخبار وحی کے معلوم کرنے کے لئے روزانہ نہیں جایا کرتے تھے۔ باب التناوب فی العلم الخ عن عمر قال کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیۃ بن زید وھی من عوالی المدینۃ وکنا نتناوب النزول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھو ینزل یوما وانزل یوما فاذا نزلت جئتہ بخبر ذالک الیوم من الوحی وغیرھا واذا نزل فعل مثل ذلک الحدیث ج ۱ ص ۱۹ وایضاً فی ج ۱ ص ۳۳۴ و ص ۳۶۰ ج ۲

پس ثابت ہوا کہ چونکہ اہل عوالی سب ہی ہر جمعہ کو نہیں آیا کرتے تھے بعض آتے اور بعض اپنی اپنی بستیوں میں پانچ وقتی نماز اور جمعہ پڑھتے تھے۔ پس انہیں کو آپ نے حکم دیا تھا کہ جاؤ قربانی میں بہت تاخیر ہو جائے گی تم اپنے گھروں میں اپنی بستیوں میں جمعہ پڑھنا اور ہم یہاں پڑھیں گے اور روایات مذکورہ بالا مرفوعاً اگر صحیح تسلیم کی جائیں تو ان کا مطلب بھی یہی ہوگا پس اسقاط جمعہ غلط اور فرضیت پہلے ہی ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے پھر وہ ایسے مشکوک و بے ثبوت دلائل سے کیسے ساقط ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ لعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی کان اللہ لہٗ) فتاویٰ ثنائیہ ص۵۹۱

---

**سوال**: نماز جمعہ کے لئے خطیب دوسرا ہو سکتا ہے اور امام دوسرا۔

**جواب**: خطیب صاحب کو نماز جمعہ پڑھاتے میں کوئی عذر ہو تو دوسرا شخص اس کی اجازت سے نماز پڑھا سکتا ہے بحکم قرآن مجید لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل ص۵۹۶

---

**سوال**: جمعہ کے لئے امام خطبے پہ کھڑا ہو تو سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟

**جواب**: حدیث شریف میں آیا ہے جب تم خطبے کی حالت میں آؤ تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ (صحیح مسلم)

فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل ص۵۸۵

---

**سوال**: دیہات کی مساجد میں نماز جمعہ ہونی چاہیئے یا نہیں الخ

**جواب**: حنفی مذہب میں منع[1] ہے حدیث کی رو سے جائز ہے۔ فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل ص۵۹۶

---

**سوال**: آلۂ آواز جس کو انگریزی میں لاؤڈ سپیکر کہتے ہیں وعظ اور خطبہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**جواب**: لاؤڈ سپیکر رکھنا جائز ہے وہ انسانی آواز ہے جو بلند ہوا کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ علمائے کرام! امور مندرجہ ذیل کی اباحت وجواز یا حرمت کے متعلق تشریح فرماویں نیز ان مسائل کے بارے میں علمائے دین کا اگر کوئی فیصلہ ہو تو وہ بھی تحریر فرمادیں۔ جوابات مختصر نمبر وار ہوں۔ بینوا توجروا۔ ۱۔ موجودہ دور کی ایجادات جن کے استعمال سے ارکانِ اسلام کی ادائیگی میں خلل کا اندیشہ نہ ہو ان سے فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟

۲۔ بدعت اور سنت میں کیا فرق ہے اگر زمانہ نبوی کے بعد کی ہر نئی چیز یا نیا کام بدعت ہے تو مسلمانوں کو عہد نبوی کے بعد کی اشیاء کا استعمال کیسا ہے اور ہر چیز میں اصل اباحت ہے اس کی وضاحت فرمائیں۔

۳۔ مسلمانوں کو زمانہ نبوی سے مختلف زبان، لباس، خوراک، ذرائع تجارت وطریقہ معاشرت اختیار کرنے کے جواز پر کیا دلیل ہے؟

۴۔ دیگر قومیں اپنے خیالات وعقائد ومذاہب کی اشاعت کے لئے لاؤڈ سپیکر استعمال کرتی ہیں۔ تاکہ ان کی آواز

---

[1] ممانعت کی کوئی قطعی دلیل نہیں قرآن اور حدیث کے عمومات سے دیہات اور شہر سب مساوی ہیں جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب کے طویل مضمون میں گزر چکا ہے۔ الراقم علی محمد سعیدی

دُور تک زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کانوں میں پہنچ سکے اور کچھ عرصہ سے مسلمان بھی اپنے مذہبی جلسوں میں استعمال کرتے ہیں، اگر اسے جمعہ و عیدین کے خطبات میں بھی استعمال کیا جائے تاکہ خطبوں کی افادیت وسیع تر ہو سکے تو کیا یہ ناجائز ہے؟ اور کیا لوگوں کو ایسے جلسوں میں جانا بند کر دیا جائے جہاں علماء کے وعظ کے لئے لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہو۔

**جواب** : منجانب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مدرس و خطیب جامع مسجد اہل حدیث گوجرانوالہ

الجواب وباللہ التوفیق: ۔ ۱ ایجادات سے استفادہ بلا کراہت درست ہے۔ ریل، ہوائی جہاز، تار، ٹیلیفون، لاؤڈ سپیکر وغیرہ اسی نوعیت کی اشیاء ہیں۔ جہاں تک اسلام اور دین کی اشاعت میں استفادہ ممکن ہو ان کا استعمال بلا نکیر درست ہے۔

۲ سنت اور بدعت میں فرق ایک مبسوط بحث ہے جس کے لئے شاطبی کی الاعتصام اور سید اسماعیل شہید کے رسالہ متعلقہ احکام تجہیز و تکفین کی طرف رجوع فرمائیں۔ مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ بدعت کا تصور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد الحدیث یعنی جو شخص امور دین میں اضافہ کرے اور دین کی متعین مقداروں پر اضافہ کرے اسے بدعت فرمایا گیا ہے۔ ایجادات حالیہ عن راسہا دین ہی نہیں، اس لئے ان سے استفادہ قطعاً بدعت کی تعریف میں نہیں آ سکتا بلکہ ان کا تعلق انتم اعلم بامور دنیاکم سے ہے یہ دنیوی چیزیں ہم بطلب افادہ دینی امور میں استعمال کر سکتے ہیں۔ سامان حرب میں دنیا بدل چکی ہے آج پرانے ہتھیاروں سے لڑنا اپنی موت کے محضر پر تصدیق کے مرادف ہے۔

۳ زبان، لباس، خوراک، طریقہ تجارت میں اسلام کی اساسی ہدایات کو پیش نظر رکھ کر ساری چیزیں استعمال ہو سکتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل والبس ما شئت ما اخطاتک اثنتان سرف ومخیلۃ (بخاری) کبر و اسراف سے بچتے ہوئے ہر چیز استعمال فرما سکتے ہیں۔ الحلال بین والحرام بین وسکت عن اشیاء من غیر نسیان۔ البتہ طریقہ معاشرت ایک عام لفظ ہے معلوم نہیں آپ کی کیا مراد ہے ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس سے مراد ہندوانہ بود و باش ہے تو یہ درست نہیں۔ اوضاع و اطوار میں دینی اوضاع کی پابندی ضروری ہے۔ دوسرے اوضاع کی طرف رجحان ذہنی شکست کی دلیل ہے۔

۴ لاؤڈ سپیکر کا استعمال تقاریر اور خطبوں میں یقیناً درست ہے۔ ہم لوگ تو یہاں نماز میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ بظاہر اس کے خلاف موہوم خطرات کے علاوہ کوئی شرعی دلیل میری نظر سے نہیں گزری۔ سنا ہے بعض علمائے دیوبند نے نماز میں استعمال کی مخالفت کی ہے۔ میری نظر سے ان کے دلائل نہیں گزرے۔ والسلام

محمد اسماعیل مدرس و خطیب جامع مسجد اہل حدیث گوجرانوالہ

**جواب** از مولانا عبد الجبار صاحب کھنڈیلوی جے پوری شیخ الحدیث مدرسہ احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ

الجواب ۱: موجودہ دور کی ایجادات جن کا شرعاً استعمال کرنا درست نہ ہو وہ استعمال کر سکتے ہیں لقولہ تعالیٰ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا الآیۃ یعنی جو چیزیں زمین میں پیدا کی گئی ہیں وہ سب تمہارے فائدے کے لئے ہیں۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ الآیۃ یعنی اللہ تعالیٰ وہ وہ سواریاں اور چیزیں پیدا کرے گا جن کا تم کو علم نہیں ہے۔ اس آیت میں آئندہ کی ایجادات موٹر، ہوائی جہاز، ٹینک، ریڈیو وغیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۲: بدعت وہ عمل ہے جو دین میں ثواب سمجھ کر کیا جائے۔ ہر نئی ایجادات بدعت نہیں۔ لقولہ علیہ السلام من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد الحدیث رواہ البخاری۔ یعنی بدعت وہ امر ہے جو ہمارے دین میں نیا نکالا جائے جیسے بدعت عید میلاد و بدعات محرم و بدعت تقلید وغیرہ اور سنت وہ کام ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و عملاً کیا ہو اور اس کو امت کے لئے دین قرار دیا ہو۔ اور آپ کا اسوۂ حسنہ ہو۔ لہٰذا مطلق نئی چیز بعد نبوت بدعت نہیں۔

۳: ہر ایک لباس خوراک و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت جو شرعاً منع نہ ہوں اور ان سے تشبہ بکفار لازم نہ آئے درست ہے۔ لقولہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ یعنی اے ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ ہیں ان کو اپنے پر حرام مت کرو۔ اور حکم خدا سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے، کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ الآیۃ۔ اسلام کسی ہیئت لباس و خوراک و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت ملکی سے نہیں روکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعاً کسی صورت ممانعت خاص کے تحت نہ ہو، اسلام نے کسی خاص ہیئت لباس و خوراک خصوصی و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت کو محدود و متعین نہیں کیا ہے۔ ہاں تشبہ بالکفار و النسوان و اسبال وغیرہ سے منع کیا ہے۔ اس کا خیال رہے۔

۴: لاؤڈ سپیکر کو امتدادِ صوت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ جس جلسہ وعظ میں لاؤڈ سپیکر لگایا ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔ بیت اللہ میں بھی بلفتوے علماء لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ نماز و خطبہ ہوتا ہے۔ لاؤڈ سپیکر سے مقصود صرف آواز خطیب و واعظ پہنچانا ہے۔ یہ کوئی بے جا نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ ابومحمد عبدالجبار الکھنڈیلوی الجیفوری المدرس بدار العلوم الاحمدیۃ السلفیۃ لہریاسرائے بدربنجہ۔

**سوال**: لاؤڈ سپیکر پر خطبہ دینا اور امام کا قرأت نماز ادا کرنا جائز ہے یا ناجائز نیز اگر ایسا کرے تو اس کی اور جماعت کی نماز ہوسکتی ہے یا نہ ؟　(عبدالخالق سری نگر)

**جواب**: نیک نیتی سے جائز ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

**شرفیہ**: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے بڑا اجتماع حجۃ الوداع کا تھا اس میں آپ نے عید کے دن خطبہ فرمایا۔ تو آپ تقریر فرماتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ترجمان اور مبلغ تھے۔ عن رافع بن عمرو المزنی قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس بمنیٰ حین ارتفع الضحیٰ علی بغلۃ شہباء وعلی رضی اللہ عنہ یعبر والناس بین قائم وقاعد انتہی سنن ابی داؤد ص ۲۷۰ وقال فی التنقیح رجالہ موثقون واخرجہ ایضا النسائی ص ۱۳۵ سنت تو یہ تھی مگر چونکہ آج کل جدید لذیذ کی بلا عموم البلوٰی ہے اور بعض اصحاب نے جدل سے اباحت فرمائی ہے۔ خیر سنت نہ سہی اباحت ہی سہی مگر بیامرا امام کو نماز میں جائز نہیں اس لئے کہ خطبہ میں تو مقصود اسماع سامعین ہے یعنی سب کو سنانا مقصود ہے اور نماز میں قرأت یا تکبیر میں بعض کا اسماع کافی ہے۔ اس لئے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور کی علالت کے وقت آپ امام تھے اور صدیق اکبر مکبر تھے کیونکہ آپ کی آواز پست تھی تکبیر بھی سب کو نہ سنی جاتی تھی اور حجۃ الوداع میں تکبیر کا ثبوت نہیں، ثابت ہوا کہ امام کی قرأت و تکبیر کا سب کو سنانا ضروری نہیں لہٰذا بلا ضرورت ایک چیز کو مقصود بنانا نماز میں لاؤڈ سپیکر لگانا تشریع جدید ہے۔ نیز آگے چل کر خطرہ جدید ہے کہ لوگ مقتدی اور امام اپنے گھروں میں اس کی اقتداء کر کے مساجد کو معطل کردیں اور نماز کھیل بن جائے۔　(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

لاؤڈ سپیکر کے جواز پر علمائے کرام کا عام طور پر اتفاق ہوچکا ہے، عدم جواز کے قائلین اس کا ثبوت نہیں دے سکے اور نہ ہی اس کے عدم جواز پر ممانعت پر کوئی دلیل ملتی ہے۔ (مفتی اہلحدیث سوہدرہ پنجاب پاکستان ش ۴۴ ۱۹۵۲)

فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص ۵۹۰

---

**سوال**: ایک شخص جمعہ کے روز گھر سے مسجد میں آتے ہی چار رکعت صلوٰۃ التسبیح پڑھتا ہے اور دو رکعت سنت کو جمعہ سے پہلے نہیں پڑھتا آیا اس کو دو رکعت سنت پڑھنا ضروری ہے یا صلوٰۃ التسبیح ؟

**جواب**: صلوٰۃ التسبیح کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں اور دوگانہ مسجد کا ثبوت صحیح روایت سے ہے یہاں تک کہ خطبہ کی حالت میں بھی پڑھ لینے کا حکم ہے۔　(فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص ۵۹۱)

**سوال**: دیہات میں جمعہ پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟ (شبیر علی)

**جواب**: جمعہ دیہات میں وجوباً و فرضاً پڑھنا چاہیے۔ اس لئے کہ ادلہ مثبت وجوب جمعہ عام ہیں جیسے قولہ علیہ السلام الجمعۃ واجب علی کل مسلم الحدیث رواہ ابوداؤد والنسائی شروط جمعہ جن سے دیہات کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے ثابت نہیں ہیں۔

**شرفیہ**: جمعہ اہل دیہات پر بھی فرض ہے اس لئے کہ آیت شریفہ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ الآیۃ میں شہری اور دیہاتی سب ہی شامل ہیں ایسے ہی حدیث نبوی لینتہین اقوام عن ودعہم الجمعات ..... او لیختمن اللہ علی قلوبہم الحدیث (صحیح مسلم) اس میں سب لوگ شامل ہیں، دیہاتی بھی شہری بھی سوائے عورت بچے مریض غلام کے سب پر جمعہ واجب یعنی فرض ہے۔ ابوداؤد، مشکوٰۃ ص۱۲۱ ج۱ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا اور مدینہ کے درمیان ایک بستی رگاؤں میں جمعہ پڑھا۔ (سنن بیہقی وابن سعد) ایک مرسل میں ہے جمع فی سفر و خطب (مصنف عبدالرزاق) اور جواثی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا تھا بلکہ آپ کے زمانہ میں صحابہؓ نے پڑھا تھا۔ (صحیح بخاری ص۱۲۲ ج۱)

حضرت عمرؓ نے عمال کو خط لکھا ان جمعوا حیث ما کنتم اخرجہ سعید بن منصور انتہی روایات مذکورہ ملاحظہ ہوں۔ (التلخیص الحبیر ص۱۳۲ جلد اول و ص۱۳۳) ابوسعید شرف الدین دہلوی (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۱۳)

---

**سوال**: حالتِ خطبہ میں بوجہ گرمی کے پنکھا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید کا خیال ہے ایسا کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔

**جواب**: ایک حدیث میں آیا ہے بعض صحابہ گرمی میں مٹھی میں مٹی بھر لیتے اور سجدہ کرتے وقت ماتھے کے نیچے رکھ لیتے تاکہ ماتھے کو آرام پہنچے، اس حدیث سے اگر استنباط کیا جائے تو پنکھے سے آرام حاصل کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں ۱۹۳۲ء میں کتب خانہ مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی کے پاس جب میں ٹھہرا ہوا تھا کچھ آثار صحابہ یا تابعین میں نے قلمی کتابوں سے نقل کئے تھے جو اس وقت موجود تھیں۔ وہی کتب میں رہ گئے ان سے جواز ثابت ہوتا تھا۔ واللہ اعلم ابوسعید شرف الدین دہلوی (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۱۱)

---

**سوال**: جمعہ میں ایک شخص خطبہ پڑھ لے اور دوسرا شخص نماز پڑھا دے (اور ایسا کبھی کبھی کرتے ہیں) تو ایسا کر سکتے ہیں اس کے ثبوت میں کوئی صحیح حدیث ہے اگر نہیں ہے تو ایسا کرنا بدعت ہے یا نہیں؟

**جواب**: ضرورت ہو تو جائز ہے، منع پر کوئی دلیل نہیں نہ اس کی مثال ملتی ہے اس لئے معفو عنہ ہے۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۶۰۹)

**سوال**: خطبے میں بزبان دیسی وعظ کہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

**جواب**: ہے۔ حضور علیہ السلام خطبہ میں وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۶۰۹)

# خطبہ جمعہ بجواب "حمایت اسلام" لاہور

اخبار حمایت اسلام لاہور میں ایک سوال چھپا تھا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ علمائے کرام توجہ فرمائیں۔

"حمایتِ اسلام" کے کسی صفحہ پر یہ عنوان تھا "خطاب ترکی زبان میں" یہ خبر درج ہے کہ قسطنطنیہ کے پانچ علماء کی ایک جمعیت نے بزبان ترکی عیدین اور جمعہ کے ۵۰ خطبے تیار کئے ہیں جن کو آئندہ خطیب مساجد میں پڑھیں گے ان خطبات عالیات میں آیات و احادیث حمد و شکر کے بعد مسلمانوں کو شرعی احکام کی بنا پر اس امر کا جوش دلایا گیا ہے کہ وہ ہوائی کمیٹی یتیم خانوں، شہداء کے بچوں، جمعیت حمایت اطفال، اور جمعیت ہلال احمر وغیرہ نیک کاموں کی طرف متوجہ ہوں، کہا جاتا ہے کہ وزیر دینیات کی منظوری کے بعد عنقریب ہی سرکاری فرمان جاری کر دیئے جائیں گے کہ تمام قلمرو ئے ترکیہ میں متذکرہ خطبے پڑھے جائیں۔ اس خبر سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ (۱) علماء ترکیہ کے نزدیک خطبوں کا اس زبان میں ہونا لازمی اور لابدی ہے۔ جس کو سامعین سمجھ سکیں۔ (۲) خطبات میں ضروریات کا بیان ضروری جزو ہے۔ ہم اپنے علمائے کرام کی خدمت اقدس میں بصد آداب و نیاز گذارش کرتے ہیں کہ وہ اس امر پر غور فرمائیں کہ وہ ان دونوں باتوں میں سے ایک یا دونوں ہی اپنے ملک میں رائج کر سکتے ہیں یا نہیں یہ خیال ہے کہ یہاں خطبہ اردو زبان میں ہونا چاہیئے یا عربی میں۔ اس کا تعلق عالموں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان مادری زبان میں زیادہ سہولت سے سمجھ سکتا ہے۔ معاملہ بالکل صاف ہے۔ ہمارے دینی پیشوا اگر تھوڑی سی توجہ مبذول فرمائیں تو وہ چند ہفتوں میں ایسے خطبات تیار فرما سکتے ہیں جو قوم کو موجودہ مشکلات کے حل اور ضروریات کی تکمیل پر راغب و مائل کر سکتے ہیں۔ اُمید ہے کہ دیگر علمائے کرام بالعموم اور جمعیت علماء بالخصوص ہماری عاجزانہ اور عامیانہ درخواست کو اپنی توجہ مبارکہ سے مشرف فرمائیں" (حمایت اسلام ۱۳ر جنوری ۱۹۲۷ء ص ۵)

**اھلحدیث:** مسلمانوں کی خوش قسمتی سے خطبہ کے متعلق بھی اختلاف پیدا ہو چکا ہے کہ اس میں ولیسی زبان میں وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں، حالانکہ خطیب کی ہیئت کو قبلہ کی طرف پیٹھ اور سامعین کی طرف منہ، ہاتھ میں عصا، سر وقد کھڑے ہو کر ایہا الناس ایہا الناس کہنا۔ اس پر شریعت کا یہ حکم کہ اثنا خطبہ میں خاموش رہ کر سنتے رہو، جو بولے وہ سخت گنہگار ہوگا۔ قطع نظر اور دلیل کے یہ صورت کذائی ہی بتا رہی ہے کہ خطیب کا خطبہ بغرض تفہیم ہے۔ اس شہادت اور قرینہ حالیہ کے بعد ہم اسوۂ حسنہ و سنت نبویہ پر نظر کرتے ہیں تو وہاں ایک عجیب طریق خطبہ کا پاتے ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یقرأ القرآن ویذکر الناس (مشکوٰۃ باب الخطبہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے اُن میں آپ قرآن شریف پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرماتے تھے۔"

یہ حدیث اپنا مضمون بتانے میں صاف اور صریح ہے جو کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ صاف الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے کہ خطبہ میں حضور علیہ السلام قرآن مجید پڑھ کر وعظ فرماتے تھے۔

یہ تو ہر ایک واقف اور ماہر قرآن پر واضح ہے کہ قرآن مجید میں ہر ضرورت کو پورا کرنے اور ہر مرض کی دوا بتائی گئی ہے۔ پس خطیب کو چاہیے جیسا موسم اور جیسی ضرورت ہو اُسی کے مطابق قرآن مجید سے حکم اور حکمت کی آیات پڑھ کر خطبہ میں وعظ فرما دیں اور بس، چنانچہ اہل حدیث کی مساجد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہت سے علمائے کرام نے سال بھر کے خطبے بھی بنائے ہیں۔ لیکن جن خطیبوں نے قرآن شریف بامعنی پڑھا ہو ان کو کوئی ضرورت نہیں ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ؛ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ایڈیٹر صاحب "حمایت اسلام" سے امید ہے کہ اس جواب کو اپنے پرچہ میں نقل کریں گے۔ ۲۳ رجب ۱۳۳۳ھ

## مذاکرہ علمیہ بابت ترجمہ خطبہ

از مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری

مذاکرہ علمیہ بابت مسئلہ وعظ جمعہ مندرجہ اہلحدیث ۱۳ جلد ۹ مورخہ ۵ صفر ۱۳۳۰ھ۔ اس مسئلہ میں جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں قرآن مجید پڑھتے اور تذکیر فرماتے یعنی وعظ کہتے۔ جابر بن سمرہؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔ المحدیث اور میری نظر سے یہ کہیں نہیں گزرا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد وعظ کہتے اور لوگوں کو اس کے لیے ٹھہراتے اور صیغہ امر آیت کریمہ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا میں ویسا ہی

ہے جیسا کہ آیت کریمہ فاذا حللتم فاصطادوا میں ہے یعنی اباحت کے لیے۔ وجوب کے لیے نہیں ہے، پس بعد نماز جمعہ ہر شخص کو مباح ہے کہ چلا جائے یا ٹھہرا رہے نہ چلا جانا ہی واجب نہ ٹھہر جانا ہی واجب اور نہ کوئی ان میں سے ممنوع۔ وعظ و تذکیر بعد نماز جمعہ کا وہی حکم ہے جو اور وقتوں کا ہے تو جس طرح اور وقتوں میں وعظ و تذکیر جائز ہے اسی طرح بعد نماز جمعہ بھی جائز ہے۔ تو اگر کوئی شخص بعد نماز جمعہ محض جواز کے خیال سے وعظ کہے اور دوسرے لوگ وعظ سننے کے لیے ٹھہر جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن جو شخص اس وعظ میں شامل نہ ہو اور بعد نماز جمعہ چلا جاوے اس کو زجر کرنا البتہ بدعت اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبداللہ از دہلی فتاوٰی ثنائیہ جلد اول

---

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ خطبہ جمعہ وغیرہ میں واسطے سمجھانے عربی نہ جاننے والوں کے خطبہ عربی کا اردو و پنجابی یا فارسی میں حسب حاجت ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: اوّل واضح ہو کہ ماہران شریعت پر مخفی نہیں کہ خطبہ لغت عربیہ میں وعظ و نصیحت کو کہتے ہیں جیسا کہ عبارات کتب لغت سے ظاہر ہے۔ الخطب والمخاطبة والتخاطب المراجعة فی الکلام و منه الخطبة والخطبة لکن الخطبة تختص بالموعظة والخطبة للطلب المرأة انتهی ما فی مفردات القرآن للامام راغب بن الحسین مختصر خطبة بالضم، کلام کہ در ستائش خداوند و نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و موعظت خلق باشد و نثر مسجع انتہی ما فی منتہی الارب الوعظ والموعظة هو مقترن بتخويف وقال الخليل هو التذكير بالخير فيما يرق به القلب قال اللہ عزوجل یعظکم لعلکم تذکرون وقال قد جاءتکم موعظة من ربکم الی آخر ما فی مفردات القرآن۔ پس یہ بات ثابت ہوئی کہ خطبہ وعظ کو کہتے ہیں اور غرض و غایت درس و وعظ قرآن مجید و حدیث شریف سے یہ ہے کہ سامعین وعظ سن کر اس سے پند پذیر و عبرت گیر ہوں اور مطلب و معنی آیت وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه و معنی آیة وانزلناه الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور وغیرھا کے اسی پر دال ہیں کہ سامعین غیر عربی دان کو بدون سمجھانے معنی اور واقف کرانے اس کے عبارت درس و وعظ سے کچھ حاصل نہیں اسی لحاظ سے خدائے تعالےٰ نے فرمایا وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم الآیة وبیان مستلزم تفہیم و تفہم کو ہے اور بغیر قصد تفہیم و تفہم کے درس و وعظ معرٰی عن المقصود ہوگا۔ کما لا یخفی علی المتامل انما بالنسبة الی عامة الخلق فهو انه تعالیٰ ذکر انه ما بعث رسولا الی قومه الا بلسان اولئک القوم فانه متی کان الامر کذلک کان فهمهم لاسرار تلک الشریعة

ووقوفهم على حقائقها اسهل وعن الغلط والخطاء ابعد انتهى ما فى التفسير الكبير مختصرا قوله ليبين لهم ما امروا به فيتلقونه منه بيسر وسرعة انتهى ما فى تفسير ابى السعود (الى ان) ثم ينقلوه ويترجموه لغيرهم انتهى ما فى البيضاوى اور فرمایا سورہ نحل میں ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون قوله لعلكم تذكرون ليس المراد منه الترجى والتمنى فان ذلك محال على الله تعالى فوجب ان يكون معناه ان الله تعالى يعظكم لارادة ان تذكروا طاعة انتهى ما فى التفسير الكبير لعلكم تذكرون طلبا لان تتعظوا بذلك انتهى ما فى تفسير ابى السعود۔ پس ان تفاسیر سے صاف ظاہر و واضح ہوا کہ بدون سمجھے معنی کے تذکر و اتعاظ متعذر و دشوار ہے۔

بنا بر اس کے ترجمہ وعظ و درس و خطبہ کا غیر عربی دان کے واسطے ضرور چاہیے اور وعظ و خطبہ بدون ترجمہ کے واسطے سامعین غیر عربی دان کے برائے نام ناکام و غرض ناتمام ہوگا۔ کیوں کہ درس و وعظ خطبہ واسطے تفہیم و تفہم سامعین کے موضوع و مقرر ہوتا ہے کہ سامع بوجہ و سمجھ کر متنبہ ہو جاوے اور براہ راست آ جاوے اسی نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حج وجمعہ وغیرہ میں فرمایا فليبلغ الشاهد الغائب اور بے سمجھے کیا پہنچاوے گا۔ قاضی بیضاوی نے لیبین لهم کے تحت تصریحا لکھ دیا فيتفهموه ثم ينقلون ويترجموه لغيرهم محض اس لئے کہ جب تک واعظ و خطیب کا وعظ و بیان سامعین کے مرکوز خاطر نہ ہوگا۔ محض لغو و بیکار ہوگا کیوں کہ جو غرض شارع کی اس خطبہ و وعظ سے تھی، وہ فوت ہو گئی۔ کما لا يخفى على المتامل المتفطن اگر کوئی کہے کہ نماز میں بھی قاری کو چاہیے کہ مقتدی کے واسطے ترجمہ قراۃ کا کرے تاکہ وہ اس کے معنی سمجھ بوجھ لے۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ قرآن کا پڑھنا امام و مقتدی دونوں پر نماز میں واجب ہے۔ حسب ارشاد خدا وند کریم کے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ پس امر وجوبی صیغہ فاقرءوا سے واضح ہو کہ ہر نمازی کو خواہ امام ہو یا مقتدی نظم قرآن کو خاص عربی منظوم کا نام ہے جو بنقل و تواتر ہم تک پہنچا، پڑھنا ضرور و لابد ہے۔ اور زبان فارسی وغیرہ میں ترجمہ اس کا نماز میں کرے تو منقول خاص متواتر باقی نہ رہے گا۔ کیوں کہ اس پر اطلاق قرآن کا نہ ہوگا تو خلاف ماموربہ کا لازم ہوگا۔ پس اسی سبب سے ترجمہ قرآن کا نماز میں پڑھنا ممنوع و محظور ہوگا۔ کما لا يخفى على ماهرى الشريعة علاوہ ازیں نماز ذکر ہے اور خطبہ تذکیر و ذکر اور تذکیر کا حکم ایک کب ہو سکتا ہے احناف کرام نے بھی خطبہ کو بزبان عربی منحصر نہ رکھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اس پر متفق ہیں، و بعض حنفیہ نے لکھا ہے۔ کہ صاحبین نے وقت عجز جائز رکھا نہ بلا عجز۔ لیکن قول امام اعظم صاحب کا معتمد ہے۔

ثم لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما قدمه فى باب صفة الصلوة من انها غير شرط ولو

مع القدرة على العربية عندهما خلافا لهما الا على شرطها حيث منعا العجز انتهى ما في الشامي قوله وشرطا عجزه للمتن قول اى الامام ابى حنيفة انتهى ما فى الطحطاوى اور ہر گاہ نص مذکور مساعد ترجمہ کا واسطے غیر عربی دان کے ہو تو پھر لگے پیچھے سے ہم کو پاک نہیں۔ تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔ واللہ اعلم وہو الموفق للصواب فلیعتبروا اولوا النہی والالباب۔

سید محمد نذیر حسین　　سید عبد السلام　　سید محمد ابو الحسن

ھذا الجواب صواب لا مریة فیہ واما احتجاج المانعین للجواز بانه لم ينقل الينا عن احد من السلف انه ترجم بلسان الاعاجم فمنقوض بانه لا يلزم من عدم النقل عدم الثبوت على ان ما ورد في مسلم عن جابر بن سمرة من انه كانت للنبي صلعم خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن ويذكر الناس وفي رواية يعظهم صريح في الجواز فان اثر الوعظ والتذكير في بلاد العجم لا يمكن حصوله الا بالترجمة۔ عبد التواب

چونکہ خطبہ میں شارع کی طرف سے کوئی تعین کلمات کی وارد نہیں ہوئی بلکہ فقط حمد و ثنا، رہا ہو اعلیٰ اور تذکیر بالقرآن اور امر بالمعروف وارد ہوا ہے اور تذکیر عوام اہل ہند کو بغیر ترجمہ کے ممکن نہیں اس لئے بموجب دلائل فتوے بالا خطبہ میں ترجمہ قرآن کا کرنا اور وعظ کہنا اور امر بالمعروف کرنا زبان ہندی میں جائز ہے۔ فقط حررہ محمد تغمدہ اللہ الصمد بالرحمۃ والفضل المؤید　　خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب

مقصود شارع کا شریعت خطبہ سے صرف پند و موعظت ہی ہے پس جب خطبہ اس مقصود سے خالی ہوگا، تو حقیقت میں وہ خطبہ ہی نہیں یوں ہی برائے نام بطور رسم سمجھا جائے گا، بیشک خطبہ میں وعظ جس زبان میں حاجت پوری کر سکتے ہیں کریں۔ جو لوگ خطبہ میں وعظ بزبان عجمی کرنے کے باوجود دواعی شدیدہ کے منع کرتے ہیں وہ مقصود خطبہ سمجھے سے بے خبر ہیں۔ فقط حررہ محمد ابراہیم بن مولوی احمد ساکن جزیرہ حبشان۔ جواب بہت ہی صحیح ہے۔ عبد الرحمن بن عبد الکریم

جواب: خطبہ جمعہ کا ہو خواہ کسی اور محل کا مقصود صرف وعظ و تذکیر ہے۔ پس اگر یہ وعظ و تذکیر صرف عربی عبارت سے ہو سکے اور اس کو اکثر مخاطبین و حاضرین مجلس سمجھیں تو عربی پر اکتفا کرنا اولیٰ ہے۔ اور اگر اکثر مخاطب عربی نہ سمجھیں تو اس کا ترجمہ ہندی میں اور دوسری زبانوں میں جو مخاطب سمجھیں ضروری ہے۔ صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینهما یقرأ القرآن ویذکر الناس نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ فیہ دلیل للشافعی فی انه یشترط للخطبة الوعظ والقراءة جو لوگ ہندیوں میں عربی نہ سمجھتے ہوں، صرف عربی خطبہ کو اکتفا کرنے کو واجب جانتے ہوں اور ترجمہ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، وہ

خطبہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور مقصود شرع سے بے خبر ہیں۔ اس باب میں ایک مفصل اشاعۃ السنۃ شائع ہوگا۔ اس لئے اس مقام میں زیادہ تفصیل نہیں ہوئی۔ (ابو سعید محمد حسین)

ان الحکم الا للہ اگر کوئی شخص اس طور پر خطبہ پڑھے کہ اس میں عبارات عربی مثل آیات قرآنی اور احادیث اور ادعیہ ماثورہ کچھ نہیں ہوں تو یہ صورت جائز نہیں ہے۔ اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ عبارات عربیہ کو بھی پڑھے۔ اور اس کے بعد اس کا ترجمہ کر دے تاکہ عوام الناس کو اس سے فائدہ پہنچے یہ صورت جواز کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القران ویذکر الناس۔ جب تک ترجمہ نہیں کیا جائے گا۔ تو عوام الناس کیوں کر سمجھیں گے اور تذکیر کا اختصاص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مقام میں کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کافی ووافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابو الطیب محمد شمس الحق　　محمد اشرف عفی عنہ　　ابو عبد اللہ محمد ادریس

**تشریح**: خطبۂ جمعہ کا مقصد حاضرین نمازیوں کی زبان میں ان کو اللہ و رسول کی باتیں قرآن پاک و احادیث سے سنانا ہے جس پر یہ حدیث دال ہے۔ عن جابر بن سمرۃ قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القران ویذکر الناس رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۱۲۳ ج ۱) اور یہ بدیہی امر ہے کہ تذکیر بلا تفہیم سامعین نہیں ہو سکتی اس لئے جو لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں عربی سے ان کی تفہیم کا حق ادا کرنا ناممکن ہے۔ جب تک آیات قرآنی کا مطلب خود ان کی زبان میں ان کو نہ سمجھایا جائے لہٰذا ایسا خطبہ جس کو سامعین سمجھ ہی نہ سکیں فضول ہے اور خلاف شرع بھی کیوں کہ شارع علیہ السلام کا جو مقصد عظیم ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دیسی زبان میں سمجھانا لازم ہے اور خلاف اس کا باطل۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)　　فتاوے ثنائیہ جلد اول ص ۴۲۸

---

**سوال**: ظہر احتیاطی کیا ہے وہ کب پڑھنی چاہیے؟

**جواب**: ظہر احتیاطی یہ ہے کہ جمعہ کے دوگانہ کے بعد چار رکعتیں اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ جمعہ اگر جائز نہ ہو تو یہ چار رکعتیں ظہر کی ہو جاویں یہ بدعت ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہیں، فقہ کی معتبر کتاب درمختار میں منع لکھا ہے۔ (نوٹ) ۱۳ / مارچ ۱۹۲۵ء کے اہلحدیث میں حضرت مرحوم کے اس فتوے پر مولانا محمد شفیع صاحب نے ایک طویل تعاقب فرمایا اور آیات قرآنیہ کی روشنی میں اس پر عالمانہ تنقید فرمائی ہے۔ حضرت مرحوم نے مولانا

محمد شفیع صاحب کے تعاقب پر جو فاضلانہ نوٹ دیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

اتباع نبی ہر طرح سے فرض ہے اس میں کوئی کلام نہیں مراتب احکام کا لحاظ بھی اتباع میں داخل ہے۔ کیا مسواک اور فرض نماز دونوں باتباع نبی نہیں کئے جاتے لیکن ایک کا ترک جائز ہے بلکہ ہم روزانہ (فی وقت ما) کرتے ہیں مگر دوسرے (نماز) کا نہیں کرتے تو کیا اتباع سنت کے یہ معنی ہیں کہ مسواک کا ترک کسی حال میں جائز نہیں۔ اب سنئے میری دلیل۔ عن ابی ھریرۃ قال اتی اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل اذا عملتہ دخلت الجنۃ فقال تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ (متفق علیہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا اللہ کی عبادت کرنے سے تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ہذا ما ادعیت فالحمد للہ فافہم (۱۲ مارچ ۱۹۲۵ء) اسی فتوے پر دوسرا تعاقب از قلم مولانا عبید اللہ صاحب اہلحدیث ۲۶ جون ۱۹۲۵ء میں ملاحظہ فرمائیے۔ چونکہ حضرت الاستاذ مولانا شرف الدین صاحب نے حق تنقید ادا کر دیا ہے۔ اور حضرت مفتی مرحوم بھی بہترین فاضلانہ نوٹ ان تنقیدات پر حوالہ قلم فرما چکے ہیں اس لئے ان تنقیدی مضامین کو حسب ارشاد حضرت مولانا شرف الدین صاحب مدظلہٗ چھوڑ دیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد داؤد راز　　　فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صـ ۴۲۴



---

**سوال:** زید کہتا ہے جب امام خطبہ دے رہا ہو جمعہ کے دن اس وقت کوئی آجائے تو اُس کو چاہیئے بموجب حدیث شریف دو رکعت پڑھ کر بیٹھے۔ بکر کہتا ہے خطبہ کی حالت میں جمعہ کے دن نماز پڑھنی منع ہے۔

**جواب:** بکر کا قول غلط اور مخالف حدیث ہے۔ زید کا قول صحیح ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔ اِذَا جَاءَ اَحَدُکُم یَومَ الجُمُعَۃِ وَالاِمَامُ یَخطُبُ فَلیَرکَع رَکعَتَینِ وَلیَتَجَوَّز فِیھِمَا (مسلم صـ ۲۸۷ جلد اوّل) یعنی جو شخص تم میں سے مسجد میں جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ سنا رہا ہو تو دو رکعت ہلکی پڑھ کر بیٹھے۔ نسائی اور ترمذی میں ہے کہ نبی علیہ السلام جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص آیا اور ایسے ہی بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے دو رکعتیں پڑھ لیں؟ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لے۔ پھر خطبہ سننے کے لئے بیٹھ۔ ان تمام تصریحات کے بموجب بکر کا قول باطل اور زید کا قول صحیح ہے۔　　　(فتاویٰ ستاریہ جلد اوّل صـ ۳۹)

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یا صحابہ کرامؓ و تبع تابعینؒ و ائمہ دینؒ کے زمانے میں عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز پڑھا کرتی تھیں یا نہیں؟ اگر ان کی عید و جمعہ مردوں سے علیحدہ پڑھنا ثابت نہیں تو اب جو عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز مردوں کی طرح خطبہ پڑھ کر پڑھتی پڑھاتی ہیں کیا ان کا یہ کام سنت کے موافق ہے یا بدعت؟ اگر بدعت ہے تو بتلایئے اب عورتیں کس جگہ جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز پڑھا کریں؟

بینوا توجروا۔　(محمد داؤد و ونوٹیاں والی ضلع شیخوپورہ)

**الجواب بعون الوهاب**: جمعہ کی نماز چونکہ پانچ وقتی نمازوں میں داخل ہے اس لئے اس کا حکم پانچ نمازوں کا ہو گا سوا ان باتوں کے جن کی خصوصیت حدیث نے کر دی، جیسے جمعہ کے لئے جماعت ضروری ہے۔ پانچ وقتی نمازیں اگر جماعت نہ ملے تو اکیلا ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے جن جن باتوں کا ذکر احادیث میں آ گیا ہے ان میں نماز جمعہ باقی نمازوں سے ممتاز ہو گی۔ ان کے علاوہ سب باتوں میں نماز جمعہ کا حکم وہی ہو گا جو پانچ نمازوں کا ہے۔ اب پانچ نمازیں عورتوں کے لئے گھر میں بہتر ہے۔ اگر دوسری جگہ پڑھیں تو جائز ہیں خواہ کسی مرد کے ساتھ پڑھیں یا کسی عورت کے ساتھ کیونکہ عورتوں کی امامت آپس میں صحیح ہے۔

رہا عید کا حکم، تو اس کی تاکید حدیث میں بہت آئی ہے۔ اس لئے گھر میں نہیں پڑھنی چاہیے بلکہ جہاں سب جاتے ہیں وہاں چلے جانا ہی بہتر ہے۔ اور نماز عید وہاں ہی ادا کرنی چاہیے۔

حضرت العلام محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ　　　تنظیم اہلحدیث جلد نمبر ۲ ش ۳۲

## نماز جمعہ کی فضیلت

جمعہ کا دن نہایت بزرگ ہے۔ اور اس کی فضیلت بہت بلند ہے۔ اور مومنوں کے لیے عید ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ جس نے تین جمعہ بلا عذر ناغہ کیے اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اس کے دل کو زنگ لگ گیا۔　(کیمیائے سعادت صلا)

(مؤلف امام غزالی علیہ الرحمۃ)

**سوال**: زید کہتا ہے کہ آدمی جنگل میں یا کھیت میں سخت ضرورت کے سبب گاؤں میں حاضر نہ ہو سکتا ہو۔

تو اپنے کھیت میں اکیلا جمعہ پڑھے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔
**اول** ؛ عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ امام شوکانی کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا جمعہ ہو جاتا ہے۔
ابن عباس سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی اکیلا اپنے کھیت میں جمعہ پڑھے تو کیا حکم ہے آپ نے فرمایا
ادا ہو جائے۔ ابن زبیر کے زمانہ میں عید و جمعہ اکٹھے آ گئے تو ابن زبیر جمعہ کو نہ آئے اکیلے پڑھ لیا۔
ابوداؤد اور بخاری میں ہے کہ جمعہ کے دن بارش ہوئی تو ابن عباسؓ نے مؤذن کو کہا الصلوٰۃ فی بیوتکم
کہو۔ شاید انہوں نے اپنے گھروں میں ہی جمعہ پڑھا ہو۔
تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ بکریوں والا جو پہاڑی پر رہتا تھا، ہو سکتا ہے کہ وہ جمعہ اکیلا پڑھ لیتا ہو۔
واختلفوا فی مصداق لفظ الجماعۃ قال الحافظ فی فتح الباری شرح البخاری فیہ خمسۃ
عشر مذھبا احدھا تصح من الواحد نقلہ ابن حزم والیہ ذھب القاشانی والحسن بن صالح
الخ دلیل آیت شریفہ کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا
مجرمین۔ اس آیت میں ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے جماعت فرمایا ہے۔ زید یہ دلیل پیش کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص
اشد ضرورت والا اپنے کھیت میں یا اکیلا آدمی ہے۔ اس کے گاؤں میں بالکل جمعہ ہوتا ہی نہیں اور دوسری جگہ
جا نہیں سکتا تو ایسی ضرورت میں اکیلا جمعہ کی تکبیر بلند کہہ کر بطور جماعت کے پڑھ لے۔ تو جمعہ ادا ہو جائے گا۔
عمرو کہتا ہے کہ ایک آدمی کو مطلقاً ہرگز ہرگز جمعہ جائز نہیں۔ تمام اہل اسلام کے برخلاف ہے اجماع
کے برخلاف ہے۔ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی برخلاف ہے۔ کیوں کہ حدیث میں جماعت کا لفظ
آیا ہے۔ دو ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے۔ اکیلا ہرگز نہیں پڑھ سکتا۔ فقط
سوال یہ ہے کہ زید و عمرو دونوں میں سے حق پر کون ہے۔ اکیلا جمعہ پڑھے تو جمعہ ادا ہوتا ہے یا نہیں؟
**جواب** ؛ مشکوٰۃ میں ہے۔ عن طارق بن شہابؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ حق
واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا علی اربعۃ عبد مملوك او امرأۃ او صبی او مریض رواہ ابو داؤد
وفی شرح السنۃ بلفظ المصابیح عن رجل من بنی وائل (مشکوٰۃ باب وجوبھا)
یعنی نبی علیہ السلام نے فرمایا چار کے سوا ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ حق واجب ہے۔ صرف غلام
عورت، لڑکا۔ بیمار اس حکم سے خارج ہیں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت ضروری ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لا مستند لصحتها من الواحد المنفرد واما من قال انها تصح باثنين فاستدل بان العدد واجب بالحديث والاجماع ورأى انه لم يثبت دليل على اشتراط عدد مخصوص وقد صحت الجماعة في سائر الصلوات باثنين ولا فرق بينها وبين الجماعة ولم يأت نص من رسول الله صلى الله عليه وسلم بان الجمعة لا تنعقد الا بكذا وهذا القول هو الراجح عندي (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۱) یعنی اکیلے کے جمعہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اور جو کہتے ہیں کم از کم دو کے ساتھ جمعہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے (اوپر کی) حدیث اور اجماع سے استدلال کیا ہے۔ حدیث اور اجماع دونوں سے جماعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور کسی حدیث میں عدد کی تعیین نہیں آئی۔ اور باقی نمازوں میں دو کی جماعت ہو جاتی ہے تو جمعہ کی بھی ادنیٰ درجے سے جماعت ہو جائے گی۔ اور میرے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

نیز امام شوکانی دراری المضیہ شرح درالبہیہ میں اور نواب صدیق الحسن روضۃ الندیہ شرح درالبہیہ لکھتے ہیں:۔ لولا حديث طارق بن شهاب المذكور قريبا من تقييد الوجوب على كل مسلم بكونه في جماعة ومن عدم اقامتها صلى الله عليه وسلم في زمنه في غير جماعة لكان فعلها فرادى مجزيا كغيرها من الصواب (ص ۹۵)

یعنی اگر طارق بن شہاب کی حدیث نہ ہوتی جس نے جمعہ کو جماعت میں واجب کہا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ پڑھنے کا ذکر نہ ہوتا تو جیسے اور نمازیں اکیلے اکیلے ہو جاتی ہیں۔ جمعہ بھی اکیلے اکیلے جائز ہوتا مگر حدیث مذکور اور آپ کا ہمیشہ جماعت میں پڑھنا اکیلے کے جمعہ صحیح ہونے سے مانع ہے۔

زید نے اپنے دعوے کے جتنے بھی دلائل دیے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اس بارہ میں صریح نہیں کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے۔ عید جمعہ کے اکٹھا ہونے کے دن ابن زبیر رضؓ کے جمعہ پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں پھر صحابی کا قول فعل حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ اسی طرح بارش کی روایت میں اور پہاڑی پر رہنے والے کی حدیث میں جمعہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں پھر گھروں میں کئی آدمی ہوتے ہیں۔ اکیلے ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

رہا ابن عباس کا قول جو کشف الغمہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے امام شوکانی رح کے نزدیک صحت کو نہیں پہنچا۔ ورنہ نیل الاوطار کی عبارت میں جماعت کی شرط پر اجماع نقل نہ کرتے۔ پھر یہ حدیث کے خلاف ہے اسلئے بھی اس کا اعتبار نہیں۔ اس کے علاوہ کشف الغمہ میں جو ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکیلے کا حقیقت میں جمعہ نہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک جو جمعہ نہ پائے وہ دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور چار بھی پڑھ سکتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک جس کو جمعہ نہ ملے اس پر چار رکعت ضروری نہیں۔ چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔ سئل ابن عباس رجل صلی الجمعۃ فی بستان فرادی فقال لاحرج اذا قام شعار الجمعۃ بغیرہ (کشف الغمہ صفحہ ۱۳۳)

یعنی ابن عباسؓ سے ایک شخص کی بابت سوال ہوا جو اکیلا اپنے باغ میں جمعہ پڑھے تو فرمایا کوئی حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بغیر جمعہ کا شعار قائم ہو۔ جمعہ کا شعار قائم ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ با جماعت خطبہ کے ساتھ اس کے بغیر وہاں جمعہ ہوتا ہو تو اس صورت میں (بوجہ دوری کے) باغ میں اکیلا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

اس عبارت کا مطلب صاف ہے۔ کہ اس کی دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہیں۔ ورنہ اس کے بغیر جمعہ کے شعار قائم ہونے کی شرط قائم نہ کرتے۔ ابن عباسؓ نے یہ شرط اس لئے کی ہے کہ اس کے اکیلے خطبہ پڑھنے کا تو کچھ معنی ہی نہیں۔ کیوں کہ خطبہ خطاب سے ہے۔ جو مخاطب کو چاہتا ہے تو صرف دو رکعت بغیر جماعت کے ہوئیں، پس جب یہ دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہ ہوئیں تو یہ کہنا کہ ابن عباسؓ کا مذہب ہے۔ کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے یہ صحیح نہ ہوا بلکہ اس کا مآل اس طرف ہوا کہ جو جمعہ نہ پا سکے وہ جمعہ کے دن کتنی رکعت پڑھے۔ ابن عباسؓ کا مذہب ہے کہ دو رکعت پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور اکثر علماء کہتے ہیں۔ چار پڑھے اور حدیث کی رو سے یہی صحیح ہے ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ باب الخطبہ)

اور زید کا یہ کہنا کہ جماعت کا استعمال ایک میں بھی ہوتا ہے۔ یہ درست نہیں۔ جس کی کئی وجہیں ہیں ایک یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے، اثنان فما فوقہما جماعۃ یعنی دو۔ پس دو سے زیادہ جماعت ہیں اور بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے۔

دوم، جماعت کا لفظ اجتماع کو چاہتا ہے۔ ایک شے کے اجتماع کا کچھ معنی نہیں۔ اور آیات مذکورہ میں جو اللہ کا لفظ اجتماع کو نہیں چاہتا، اس لئے اس کا استعمال ایک میں بھی ہو سکتا ہے کیوں کہ اس کے اصل معنی متکبر کے ہیں۔ خواہ ایک شخص ہو یا زیادہ ہوں۔

سوم، طارق بن شہابؓ کی حدیث میں جماعت کی شرط کرنا فضول جاتا ہے۔ اگر ایک کا جمعہ ہو جاتا، تو جماعت کے لفظ کی ضرورت نہ تھی۔

چہارم، طارق بن شہاب کی حدیث میں کلمہ فی ہے۔ جس کے معنی اندر کے ہیں۔ اور اندر تبھی ہوگا،

جب کم سے کم دو ہوں۔ گویا ایک یہ ہوا اور ایک دوسرا ہو تو دونوں کے مجموعے سے جماعت بن گئی۔ اب ہر ایک کو اس جماعت کے اندر کہہ سکتے ہیں۔ جیسے نحوی کہتے ہیں "الکلام ما تضمن کلمتین" یعنی کلام وہ ہے جس کے اندر دو کلمے ہوں حالانکہ کلام اصل میں دو کلموں سے بنتی ہے۔ تو یہاں اندر کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اکیلا اکیلا کلمہ دو کے مجموعے کے اندر ہے۔ بس اسی طرح اس حدیث میں سمجھنا چاہیئے۔ اگر کوئی صاحب کہیں کہ فرشتے اور جن شریک ہو جاتے ہیں اس سے جماعت کا حکم ادا ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض روایتوں میں اس شخص کی نسبت اللہ کے لشکر فرشتوں، جنوں کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے جو جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے۔ ملاحظہ ہو ترغیب منذری (باب الصلوٰۃ فی الفلاۃ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ثواب جماعت ہے۔ جیسے حدیث میں آتا ہے۔ کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ یعنی حج کا ثواب مل جاتا ہے نہ یہ کہ حج کا فرض اس کے ذمہ سے اتر گیا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں کے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ نیز فرشتوں جنوں کا شریک ہونا ایک باطنی معاملہ ہے۔ ظاہری احکام کا تعلق اس سے نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک شخص ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ اس خیال سے پیچھے کھڑا نہیں ہو سکتا کہ فرشتے اور جن آ ملیں گے۔ اسی طرح کوئی شخص اکیلا صف کے پیچھے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں کوئی ہے۔ جو ثواب حاصل کرے۔ یعنی اس کے ساتھ شامل ہو کر جماعت کرا دے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر شامل ہو گئے۔ (منتقی مع نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۹)

اسی طرح اگر ہمارے احکام فرشتوں، جنوں سے تعلق رکھتے تو حضرت یا کسی اور کے ساتھ شامل ہونے کی ضرورت نہ ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شرط کی ہے کہ شعار جمعہ کسی اور سے قائم ہو۔ اگر فرشتوں اور جنوں سے جماعت کا حکم پورا ہو جاتا تو اس شرط کی کیا ضرورت تھی؟ اور حدیث میں بھی جماعت کے شرط کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیوں کہ جب جن فرشتے شامل ہو جاتے ہیں اور ان کے شامل ہونے سے جماعت کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ تو آپ کا یہ فرمانا فضول ہے۔ کہ ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ واجب ہے۔ غرض جنوں فرشتوں کا شامل ہونا ایک باطنی معاملہ ہے ظاہری احکام کی بنا اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے۔ کہ کوئی شخص جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے تو اس کی حرص کی وجہ سے فرشتوں، جنوں کا شامل ہونا اس کیلئے جماعت کے ثواب کا سبب بن جاتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں صبح کی نماز سے آفتاب نکلنے تک ذکر الٰہی کرنے والوں کے ساتھ بیٹھوں تو میرے نزدیک اولاد اسماعیل سے چار غلام آزاد کرنے

سے بہتر ہے۔ اسی طرح عصر سے مغرب تک فرمایا۔ (مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)
حالانکہ کسی کے ذمہ غلام کا کفارہ ہو تو وہ اس ذکر سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں جیسوں کے شریک ہونے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ جماعت کا حکم ادا نہیں ہوتا۔

(مولانا) عبید اللہ امرتسری (فتاویٰ اہلحدیث ج۱ ص۳۴۲)

---

**سوال** : قریہ واحد میں متعدد جگہ جمعہ پڑھنا اور خطبہ جمعہ میں تعیین تذکیر بالقرآن والحدیث محض سورۃ قرآنیہ واشعار پنجابیہ جن میں مسائل متعلقہ موضوعہ بطرز شاعرہوتے ہیں۔ پڑھکر اکتفا کرنا اور جامع مسجد جو اکبر المساجد ہے اس میں حاضر ہو کر ذکر اللہ نہ سننا یہ طریق جائز و درست ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مولوی عبدالقادر حصاری نے تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو دلیل بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ لہذا ایک شہر میں یا قریب قریب دیہات میں الگ الگ جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔ اس سے پہلے یہ لکھا ہے کہ تعامل قرون ثلاثہ کا اس امر کی تصریح ہے کہ جہاں اقامت جمعہ ہو وہاں سب کے سب مسلمانوں کی جماعت یکجا ہو کر جمعہ پڑھے جہاں دو ہوں وہاں دو پڑھیں کیونکہ "الاثنان فما فوقهما جماعة۔ یعنی دو یا دو سے زیادہ جماعت ہیں۔ جہاں دو سے زیادہ تین یا پانچ حتیٰ کہ پچاس یا سو یا دو سو یا ہزار تک ہوں گے۔ اس جماعت پر بحالت مجموعی جمعہ فرض ہوگا۔ فرداً فرداً گروہ ہو کر اپنے گھروں اور محلوں میں پڑھنا ناجائز ہوگا۔ بلکہ سب جماعت اسلامی کو جمعہ کی مسجد دوسری مسجدوں سے ممتاز اور ایک جدا معین کرنے پڑے گی جس میں مسلمانوں کو ایک نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا ثواب ہوگا۔ یہ نہیں کہ ہر محلہ میں جامع مسجد ہوگی کیونکہ جامع مسجد کا عطف عبارت حدیث میں محلہ کی مسجد پر ڈالا گیا ہے۔ جو غیریت کو چاہتا ہے اور مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ ایک جامعین ہونا مشروع ہے۔ اور جمعہ کے معنی بھی جمع ہونے کے ہیں۔ کہ اس روز اہل اسلام کا اجتماع خاص ہوتا ہے یعنی سب یکجا جمع ہوتے ہیں۔ نہ مثل پنجگانہ نماز کی کہ وہ اجتماع خاص نہیں ہے۔ (ملخص)

**جواب** : محدث روپڑی فرماتے ہیں کہ بڑی دلیل تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو آپ نے پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ سو یہ دلیل اس صورت میں مکمل ہو سکتی ہے۔ کہ فعل سے شرط ہونا ثابت ہو جائے گا مگر ظاہر ہے کہ فعل شرط

ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر شرط ہونے پر دلالت کرتا تو حضرت علیؓ کمزوروں کو مسجد میں الگ عید پڑھانے کے لئے کسی کو مقرر نہ کرتے کیوں کہ اس سے پہلے کمزوروں کی رعایت سے عید دو جگہ نہیں ہوتی مگر حضرت علیؓ نے دو جگہ کر دی۔ پس ثابت ہوا کہ ایک جگہ ہونا شرط نہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ فعل شرط پر دلالت نہیں کرتا۔ ذی الحلیفہ مدینہ منورہ سے سات میل ہے اور بعض عوالی آٹھ میل ہیں اور چار میل تک تو کثرت سے ہیں چنانچہ عون المعبود وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے۔ تو اب تین صورتیں ہیں کہ اتنی دور سے جمعہ کو آنا یا تو اس لئے ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یا اس لئے کہ آٹھ میل تک تعدد جمعہ جائز نہیں یا وہ لوگ جمعہ پڑھنے فضیلت کے لئے آتے تھے۔ پہلی صورت صحیح نہیں کیوں کہ گاؤں میں جمعہ صحیح ہے اور دوسری بھی صحیح نہیں کیوں کہ حدیث میں آیا ہے۔

الجمعۃ علی کل من سمع النداء (ابوداؤد) یعنی جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو اذان سُنے۔ اور قرآن مجید میں ہے۔ یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اس آیت سے جمعہ کو آنا اس وقت لازم ہے جب اذان ہو جائے۔ اگر سات آٹھ کوس سے جمعہ کو آنا ضروری ہو تو پھر صبح سے چلنا ہوگا۔ حالاں کہ یہ آیت کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۳ ص۱۱۵

پس جب پہلی دو صورتیں صحیح نہ ہوئیں تو تیسری صورت متعین ہوگی کہ فضیلت کے لئے آتے تھے پس ثابت ہوا کہ تعدد جمعہ جائز ہے۔ نیز مسلم میں حدیث ہے۔

کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم ومن العوالی (مسلم ص۲۸۰)

یعنی لوگ اپنے گھروں سے اور عوالی سے یکے بعد دیگرے جمعہ کو آتے تھے۔

اس حدیث میں عوالی سے آنے کا الگ ذکر ہے۔ اور گھروں سے آنے کا الگ ذکر ہے۔ گھروں سے آنے والوں میں اہل مدینہ بھی شامل ہیں جب اہل عوالی کا محض فضیلت کے لئے آنا ثابت ہوا تو تمام اہل مدینہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آ کر جمعہ پڑھنا بھی محض فضیلت کے لئے ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک شہر میں بھی تعدد جمعہ جائز ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہنا کہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں دو جگہ جمعہ نہیں ہوا یہ ٹھیک نہیں کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے تعدد جمعہ ثابت ہے۔

رسائل الارکان میں ہے۔

ولنا ما صح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر بتعدد الجمعۃ وھذا الاثر

صحیح صححہ ابن تیمیۃ فی منہاج السنۃ (رسائل الارکان ص۱۱)

یعنی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعدد جمعہ کا امر فرمایا۔ یہ روایت صحیح ہے۔ ابن تیمیہ نے اس کو منہاج السنۃ میں صحیح کہا ہے۔

نواب صاحب السراج الوہاج شرح مختصر صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

فاما تعدد الجمعات فی مصر واحد فہذہ المسئلۃ قد اشتہرت بین اہل المذاہب وتکلموا فیہا وصنف فیہا من صنف وہی مبنیۃ علی غیر اساس ولیس علیہا اثارۃ من علم قط وما ظنہ بعض المتکلمین فیہا من کونہ دلیلا علیہا ہو بمعزل عن الدلالۃ وما اوقعہم فی ہذہ الاقوال الفاسدۃ الا ما زعموہ من الشروط التی اشترطوہا بلا دلیل ولا شبہۃ دلیل فالحاصل ان صلوۃ الجماعۃ صلوۃ من الصلوات یجوز ان تقام فی وقت واحد جمع متعددۃ فی مصر واحد کما تقام جماعات سائر الصلوات فی المصر الواحد ولو کانت المساجد متلاصقۃ ومن زعم خلاف ہذا کان مستند زعمہ مجرد الرای فلیس ذالک حجۃ علی احد وان کان مستند زعمہ الروایۃ فلا روایۃ ہذا ما افاد العلامۃ الشوکانی فی کتاب السیل الجرار رحمۃ اللہ (السراج الوہاج ص۲۹۰) یعنی ایک شہر میں تعدد جمعہ کا مسئلہ اہل مذاہب میں بہت مشہور ہے اس لئے انہوں نے بحث کی ہے اور کتابیں لکھی ہیں اور یہ مسئلہ کسی بنیاد پر قائم نہیں ہوا نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور جس کو بعض نے دلیل خیال کیا ہے وہ دلیل ہونے سے دور ہے اور اس قسم کے فاسد اقوال کے وہ صرف اس لئے قائل ہوئے ہیں کہ انہوں نے حسب زعم جمعہ کو کئی شرطوں سے مشروط کر رکھا ہے۔ حالاں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل کا شائبہ بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جمعہ نمازوں سے ایک نماز ہے۔ اس کے جواز تعدد میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے باقی نمازوں کی متعدد جماعتیں جائز ہیں۔ اگرچہ مسجدیں قریب قریب ہوں اور جس نے اس کے خلاف خیال کیا۔ اگر اس کا اعتماد صرف رائے پر ہو تو کسی پر حجت نہیں۔ اور اگر کسی روایت پر اعتماد ہو تو ایسی کوئی روایت نہیں جو تعدد کو منع کرے۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے السیل الجرار میں اسی طرح لکھا ہے۔

نواب صاحب اور علامہ شوکانیؒ کے لکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ سب کا ایک جگہ جمعہ پڑھنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو اہل عوالی کو مدینہ اگر جمعہ پڑھنے کی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو کہہ سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے براہ راست وعظ سننے اور احکام سیکھنے کے لئے

آتے تھے۔ جمعہ کے زمانہ میں تو بڑی وجہ فضیلت ہی بنتی ہے پس نواب صاحب اور علامہ شوکانی فضیلت کی نفی نہیں کرسکتے بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھنا شرط نہیں۔ جیسے دوسری نمازوں میں یہ شرط نہیں اگر کہا جائے کہ پانچ نمازوں کا ایک جگہ ہونا یہ بھی فضیلت ہے۔ تو پھر اہل عوالی اور مدینہ کی دوسری مسجدوں والے پانچوں نمازیں ایک جگہ کیوں نہیں پڑھتے تھے ؟ تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دور دور سے ہفتہ میں ایک دفعہ اکٹھے ہونا تو معمولی بات ہے۔ روزمرہ اور پھر بھی پانچ وقت اکٹھے ہونا مشکل ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے اپنی نمازوں میں سے کچھ گھروں میں کرو۔ (مشکوٰۃ باب المساجد) یعنی فرض مسجدوں میں پڑھو اور نفل گھروں میں۔ اس طرح خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ محلہ محلہ میں اذان ہو۔ اور جماعتیں قائم ہوں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف وان یطیب (مشکوٰۃ باب المساجد) یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور ان کو صاف رکھنے اور خوشبو لگانے کا ارشاد فرمایا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جمعہ کا ایک ہونا اگرچہ شرط نہیں لیکن وعظ وغیرہ کے اہتمام کے لئے سب کا ایک جگہ جمعہ پڑھنا ایک اہم امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانچ وقتی نماز کی جماعت نہ ملے تو اکیلے کی بھی ہو جاتی ہے لیکن جمعہ اکیلے کا نہیں ہوتا۔ پس جب جمعہ میں وعظ وغیرہ کی خاطر جماعت کا اہتمام زیادہ ہو تو اس میں اکٹھ کی اہمیت زیادہ ہوتی اس لئے اہل عوالی اور مدینے والے دور دور سے آکر شریک ہوتے اور حضرت عمر رضؓ نے بھی اسی اہتمام کی وجہ سے ابو موسیٰ رضؓ وغیرہ کو لکھا کہ جمعہ کے دن اکٹھے ہو جایا کرو۔ اور اہل قباء کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد نبوی میں آنے کا ارشاد فرمانا اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اس کی وجہ بھی یہی زیادت اہتمام ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمعہ کا ایک جگہ ہونا ایک اہم امر ہے۔ اور اس کی فضیلت بڑی ہے۔ لیکن شرط نہیں۔ راجح مذہب یہی ہے ہاں کوئی احتیاط کرے تو الگ چیز ہے۔ واللہ الموفق عبداللہ امرتسری

فتاوےٰ اہل حدیث ص ۲۶۹

**سوال:** ایک صحابی جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہیں تو دوسرے صحابی فرماتے ہیں کہ آج کا تمہارا خطبہ نہایت فصیح و بلیغ تھا مگر مختصر۔ اگر میں ہوتا تو اس کو بہت طول کرتا۔ اس کے جواب میں خطیب صحابی نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ خطبہ جمعہ کو مختصر کرو اور نماز کو طول کرو۔ اور یہ کہ خطبہ کو مختصر کرنا خطیب کی دانائی کی علامت ہے۔ لہٰذا جواباً تحریر فرما دیں کہ مقدار و وقت کے لحاظ سے صحیح طور سے خطبہ کس قدر ہونا چاہیئے؟ اور

نماز جمعہ روزانہ ظہر کی نماز کے اوقات میں ہونی چاہیے یا اس سے پہلے یا اگر دیر میں ہو تو یہ سب سنت کے مطابق نماز ہوگی۔ اور خطبہ مختصر کے ساتھ ہی نماز کو طول کرنے کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اس سے یہ مطلب ہے کہ اگر نماز میں بیس منٹ کی ہو تو خطبہ اس سے دو چار منٹ چھوٹا ہونا چاہیے یا اس کے سوا کوئی مطلب ہو سکتا ہے۔ آج کل اکثر جگہ اہلحدیث میں یہ طریق رائج ہے۔ کہ جمعہ کا خطبہ قریب قریب ایک گھنٹہ کے ہوتا ہے۔ اور نماز تقریباً دس منٹ میں ہو جاتی ہے۔ کیا اس قسم کا خطبہ سنت کے مطابق ہوگا۔ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرمائیں؟ (جواب مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ)

**جواب**۔ احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ مختصر پڑھتے تھے اور کسی حدیث صحیح وصریح سے خطبہ جمعہ کا طویل پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔

عن جابر بن سمرة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان لا يطيل الموعظة يوم الجمعة انما هي كلمات يسيرات۔ یعنی جابر بن سمرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ کو طویل نہیں کرتے تھے۔ اور آپ کا خطبہ جمعہ صرف چند کلمات سہل اور آسان ہوتا تھا۔

صحیح مسلم ہے۔ قال ابو وائل خطبنا عمار فاوجز وابلغ فلما نزل قلنا يا ابا اليقظان لقد ابلغت واوجزت فلو كنت تنفست فقال اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فاطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة

یعنی ابو وائلؓ نے کہا کہ حضرت عمارؓ نے ہم کو خطبہ دیا جو مختصر اور بلیغ تھا۔ جب وہ ممبر سے اترے تو ہم نے کہا کہ اے ابو الیقظان آپ نے خطبہ نہایت بلیغ فرمایا۔ مگر مختصر، پس آپ اگر خطبہ کو طول کئے ہوتے تو خوب ہوتا۔ تو حضرت عمارؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے۔ کہ آدمی کا نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کی دانائی کی علامت ہے پس نماز کو طویل کیا کرو۔ اور خطبہ کو مختصر۔

یہ حدیث اگرچہ مطلق خطبہ کے بارے میں ہے اور اس میں جمعہ کے خطبہ کی قید نہیں ہے لیکن یہ حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی مختصر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور سائل نے جو اس حدیث کے ترجمہ میں خطبہ جمعہ کی قید لگائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور واضح ہے کہ حضرت عمارؓ کی اس حدیث مرفوع میں مطلق خطبہ اور وعظ کا مختصر کرنا اور مطلق نماز طویل کرنے کا ذکر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ خطیب کو مطلق خطبہ کا جمعہ ہو یا غیر جمعہ کا مختصر دینا

چاہیئے اور مطلق نماز جمعہ کی ہو یا غیر جمعہ کی، طویل کرنی چاہیئے۔ میرے نزدیک اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز جمعہ کو بہ نسبت خطبہ جمعہ کے طویل کرنا چاہیئے اور خطبہ جمعہ کو بہ نسبت نماز جمعہ کے مختصر کرنا چاہیئے۔ نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں اگرچہ مطلق خطبہ کے مختصر دینے کا حکم ہے مگر خاص ضرورت کے وقت طویل خطبہ دینا بھی غیر نماز جمعہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور جب جماعت میں بوڑھے، ضعیف۔ بیمار لوگ موجود ہوں تو امام کو نماز میں تخفیف کرنے کا حکم ہے۔ الحاصل خطبہ جمعہ کا طویل پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہے۔ ہاں جابر بن سمرہ کی حدیث سے مطلق خطبہ کا متوسط ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: عن جابر بن سمرة قال كنت اصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فكانت صلاته قصدا وخطبته قصدا۔

یعنی جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متوسط ہوتی تھی یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل آپ کا خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا۔ یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل۔

پس جابر بن سمرۃؓ کی اس حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی متوسط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو کچھ احادیث صحیحہ و صریحہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ زوال آفتاب کے بعد خطبہ شروع کرنا چاہیئے اور مختصر یا متوسط خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ پڑھنی چاہیئے۔

عبدالرحمٰن مبارکپوری (شارح ترمذی)

## محدث روپڑی

محدث روپڑیؒ نے فرمایا کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے جواب میں بہت تفصیل کی ہے اور بتلایا ہے۔ کہ خطبہ چھوٹا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عام وعظوں کی نسبت چھوٹا ہونا چاہیئے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کیوں کہ ہفتہ کے بعد ایک دن اسی خاطر مقرر کیا گیا ہے اگر آٹھ دس منٹ پر اکتفا کی جائے تو بہت لوگ خطبہ سے محروم رہ جائیں گے۔ کسی کے وضو کرتے کرتے خطبہ ہو جائے گا۔ کسی کے دو رکعت پڑھتے پڑھتے خطیب فارغ ہو جائے گا۔

مسلم میں حدیث ہے کہ جب خطبہ کی حالت میں کوئی آئے دو رکعت ہلکی پڑھ لے اگر خطبہ دو رکعت سے لمبا نہ ہو تو اس حکم کی تعمیل مشکل ہے۔ نیز خطبہ کے دو حصے کر کے درمیان میں بیٹھنا یہ بھی چاہتا ہے کہ خطبہ نماز سے چھوٹا مراد نہیں کیوں کہ یہ بیٹھنا راحت کا ہے۔

نیز مشکوٰۃ باب الخطبہ میں حدیث ہے کہ خطبہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آواز بلند ہوجاتی۔ اور بہت جوش میں آجاتے اور ظاہر ہے کہ ایسا جوش آٹھ دس منٹ میں پیدا ہونا مشکل ہے۔ نیز مسلم میں حدیث ہے ابورفاعہؓ کہتے ہیں۔ میں نے خطبہ میں سوال کیا کہ میں دین سے ناواقف ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے آپ کے لئے کرسی لائی گئی آپ نے اس پر بیٹھ کر مجھے کچھ باتیں سکھائیں جو خدا نے آپ کو سکھائی تھیں پھر واپس آکر خطبہ پورا کیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کچھ لمبا ہوتا ہے۔ اگر آٹھ دس منٹ ہوتا تو فارغ ہو کر ابورفاعہؓ کی حاجت روائی کرتے خطبہ توڑنے کی ضرورت نہ تھی۔[1]

نیز مشکوٰۃ باب التنظیف میں حدیث ہے۔ جب جمعہ کے دن نیند آئے تو اپنی جگہ بدل دے۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ میں کچھ طول دے کیوں کہ نیند عموماً زیادہ دیر تک بیٹھنے سے آتی ہے اس کے علاوہ اس کی مؤید دارمی کی حدیث اس بارہ میں صریح آئی ہے جو مع سند مندرج ذیل ہے۔

اخبرنا محمد بن حميد ثنا تميم بن عبد المؤمن ثنا صالح بن حيان حدثني ابن بريدة عن ابيه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب قام فاطال القيام فكان يشق عليه قيامه فاتى بجذع نخلة فحفر له واقيم الى جنبه قائما للنبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب فطال القيام عليه استند اليه فاتكأ عليه فبصر به رجل كان ورد المدينة فرآه قائما الى جنب ذلك الجذع فقال لمن يليه من الناس لو اعلم ان محمدا يحمدني في شيء يرفق به لصنعت له مجلسا يقوم عليه فان شاء جلس ما شاء وان شاء قام فبلغ ذالك النبي صلى الله عليه وسلم فقال ائتوني به فأتوه به فامر ان يصنع له هذه المراقي الثلث او الاربع هي الآن في منبر المدينة فوجد النبي صلى الله عليه وسلم في ذالك راحة فلما فارق النبي صلى الله عليه وسلم الجذع وعمد الى هذه التي صنعت له جزع الجذع فحنّ كما تحنّ الناقة حين فارق النبي صلى الله عليه وسلم بزعم ابن بريدة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم حين سمع حنين الجذع رجع اليه فوضع يده عليه وقال اختر ان اغرسك في المكان الذي كنت فيه فتكون كما كنت وان شئت ان اغرسك في الجنة فتشرب من انهارها وعيونها فيحسن نبتك وتثمر فيأكل اولياء الله من ثمرتك ونخلك فعلت فزعم انه سمع من النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول له نعم قد فعلت مرتين فسأل النبي صلى الله عليه وسلم فقال اختار ان اغرسه في الجنة۔ (باب اكرم النبي صلى الله عليه وسلم بحنين المنبر)

[1] یہ خطبہ مطلقاً ... خطبہ ... (حاشیہ جزوی طور پر ناخواندہ)

یعنی ابن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو بہت دیر کھڑے رہتے اور اس سے مشقت پاتے۔ آپ کے لئے ایک تنا کھجور کا لایا گیا اور گڑھا کھود کر ایک طرف کھڑا کیا گیا جب آپ خطبہ پڑھتے اور دیر تک کھڑے رہتے تو اس سے ٹیک لگا لیتے۔ ایک شخص مدینہ میں آیا۔ اس نے یہ حال دیکھ کر اپنے پاس کے لوگوں کو کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کی شے کو پسند کریں گے تو میں آپ کیلئے منبر تیار کر دوں۔ جتنی دیر چاہیں اس پر بیٹھیں اگر چاہیں کھڑے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو اس کو بلا کر منبر بنانے کو کہہ دیا۔ جب منبر تیار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دور ہو گئی اور آپ منبر پر بیٹھے تو تنہ آپ کی جدائی میں رو دیا۔ جیسے اونٹنی درد سے آواز نکالتی ہے۔ آپ منبر سے اتر کر تنہ کے پاس آئے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا دو باتوں سے ایک بات پسند کر لے۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے وہیں گاڑھ دوں گا جہاں پہلے تھا اور پہلے کی طرح کھجور کا درخت ہو جائے گا۔ اور اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں لگا دوں اور جنت کی نہروں اور چشموں سے پئے گا۔ اور بہت عمدہ اُگے گا۔ اور پھلدار ہو جائے گا۔ اور تیرے پھل اور کھجوریں اولیاء اللہ کھائیں گے راوی بریدہؓ کہتے ہیں تنے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن کر دو مرتبہ کہا مجھے منظور ہے۔ راوی نے حضورؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تنا نے اس بات کو پسند کیا کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ آپ بہت دیر تک قیام کرتے اور خطبہ میں طول دیتے پس خطبہ کے چھوٹا ہونے کا یہ معنی لینا کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو یہ کسی صورت صحیح نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام دعظوں کی نسبت خطبہ چھوٹا ہونا چاہیئے۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری فتاوٰی اہلحدیث ص۳۵۳

**سوال**۔ ایک مولوی صاحب سے سوال کیا گیا کہ اگر جمعہ فرض ہوتا تو اس کی عدم ادائیگی پر قضا لازم آتی۔ یعنی کسی آدمی کا جمعہ رہ جاتا تو وہ جمعہ کی قضا بھی کرتا۔ حالاں کہ ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ظہر پڑھتا ہے معلوم ہوا جمعہ فرض نہیں۔

میں نے جواب دیا کہ اس کی فرضیت کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و اجماع امت سے ہو چکی ہے جو تمہارے گھر کی ہی کتابیں ثابت کر رہی ہیں۔ دوسرا اس کی فرضیت کے لئے جماعت شرط ہے۔ جیسا کہ حدیث طارق بن شہابؓ الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة موجود ہے یعنی ہر مسلمان پر جماعت میں حق و واجب ہے۔ اور شرط و مشروط لازم و ملزوم ہوا کرتی ہیں۔ جہاں شرط وہاں مشروط۔ جیسا کہ وضو نماز کے واسطے

شرط ہے۔ بلا وضو نماز نہیں ہوتی اسی طرح ایک نفر کا جمعہ نہیں ہوتا کیوں کہ جماعت کی شرط موجود ہے۔ یہ جواب ٹھیک ہے یا نہیں؟

**جواب**: قضاء جمعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے فرمایا ہے نہایت معقول ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ قضا اس شئے کی ہوتی ہے جس کا بدل نہ ہو مثلاً ظہار میں روزے نہ رکھ سکے تو اس کے عوض ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم ہے۔ گویا کھانا روزوں کے قائم مقام ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس کا جمعہ رہ جائے اس کو ظہر کا حکم ہے۔ کیوں ظہر اس کا بدل ہے۔ اب قضاء کی ضرورت نہیں۔ دو اول میں بھی اگر ایک دو انسے تو بہت دفعہ اس کا بدل دوسری دوا کام دے جاتی ہے۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری فتاویٰ علمائے حدیث ص۳۵۸

**سوال**: جمعہ قبل از زوال درست ہے یا نہیں؟

**جواب**: اس مسئلہ میں ائمہ دین میں سے امام احمد اور امام اسحاق اور ان کے بعض اتباع بدلیل مفہوم احادیث صحیحہ و منطوق آثار صحابہ رضی اللہ عنہم جواز کی طرف گئے ہیں چنانچہ سید عبدالقادر جیلانی جمعہ کی نماز کا قبل از زوال صحیح یا درست ہونا بدیں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں:۔ ووقتها قبل الزوال في الوقت الذي تقام فيه صلوة العيد (غنیہ)

یعنی وقت جمعہ کا زوال سے پہلے وہی وقت ہے جس میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

علماء اہل حدیث میں سے شیخ محی الدین مولف البلاغ المبین بحوالہ دراری المضیہ مجتہد یمانی امام شوکانی ؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں اور تحقیق وارد ہوئی وہ چیز کہ دلالت کرتی ہے۔ اس بات پر کہ تحقیق جمعہ پڑھنا کفایت کرتا ہے قبل زوال کے جیسا کہ بخاری میں روایت ہے۔ انس بن مالک سے اور مثل اس کی حدیث سہل بن سعد کی ہے۔ صحیحین میں اور ثابت ہوا بیچ صحیح کے تشریح ہے۔ کہ تحقیق صحابہؓ نماز پڑھتے تھے جمعہ کی قبل ڈھلنے سورج کے۔ پس تحقیق گئے ہیں طرف اس بات کی احمد بن حنبل اور حق یہی ہے۔ (البلاغ المبین)

سید علامہ نواب صدیق حسن خان مسک الختام میں فرماتے ہیں کہ حدیث جابر بروایت مسلم دلیل واضح ہے۔ امام احمد کے مذہب پر اور مولانا وحید الزمان صاحب محدث حیدرآبادی شارح صحاح ستہ تیسیر الباری شرح صحیح بخاری میں حدیث انسؓ اور حدیث سہل بن سعدؓ کی دو توجیہیں بیان کرتے ہیں ایک موافق مذہب امام احمد کے دوسری موافق جمہور کے باب وقت الجمعہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول ہے کہ جمعہ زوال کے پہلے بھی درست ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ سلف سے

ایسا منقول ہے اور حدیث حین تمیل الشمس کی تشریح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت اکثر ایسا کیا کرتے مگر یہ نہیں ثابت ہوتا کہ زوال سے پہلے جمعہ درست نہیں۔

انوار اللغۃ حصہ دوم ص۳۲ میں لکھتے ہیں کہ حنابلہ اور بعض اہلحدیث کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال سے پہلے بھی درست ہے اور خلفاء راشدین سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور حصہ پنجم ص۸۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ محققین اہلحدیث نے اس کو جائز رکھا ہے۔ خصوصاً جب گرمی کی شدت ہو یا کوئی عذر ہو۔

زبدۃ المرام ترجمہ عمدۃ الاحکام میں جس کی تصدیق حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی نے فرمائی ہے۔ حدیث سلمہ بن الاکوع رضہ کی تحت میں لکھا ہے۔ کہ قبل از زوال جمعہ ادا کرنا بھی بعض کا مذہب ہے۔ امام احمد اور امام اسحاق بھی اس طرف گئے ہیں۔ الی قولہ حدیث میں غور کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض جمعہ مثلاً ہر دو خطبہ یا ایک یا بعض اس کا ضرور قبل زوال ہوتا تھا۔ (صفحہ ۲۰ کتاب مذکور)

مولوی سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم سرگروہ اہلحدیث کشمیر اپنی کتاب صلوٰۃ المحدثین میں لکھتے ہیں:۔

کہ اے نمازی تجھے اختیار ہے کہ جمعہ چاہے زوال سے پیچھے پڑھ لے یا پہلے اور نواب صاحب موعظۃ الحسنہ میں قبل از زوال نماز جمعہ کا ثبوت فرماتے ہیں اور شوکانی صاحب نیل الاوطار میں اور ابن قیمؒ ہدی میں خوب وضاحت فرماتے ہیں۔ پس انہی جیسے بزرگوں کی شہادت پر اعتماد کر کے میرے والد ماجد سلمہ اللہ نے اس کو جائز مان لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اب اتنے بزرگوں کو العیاذ باللہ بے عقل یا نادانی کی طرف منسوب کرنا اہل علم و عقل سے بمراحل بعید ہے اور خلاف جمہور کا الزام دینے والا مسئول ہونے کے وقت بیسیوں مسائل میں خود ملزم ثابت ہو جائے گا۔ (ابو البشیر عبدالغنی الشوپیانی)

## محدث روپڑی

مولوی عبدالغنی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے کہ امام احمدؒ وغیرہ قبل از زوال جمعہ کے قائل ہیں اور بعض اہلحدیث بھی اس طرف گئے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور دلیل ان کی وہی روایات ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اگر کوئی قبل از زوال جمعہ پڑھ لے تو اس پر طعن نہ کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ اختلاف سلف کی حدود میں ہے۔ ہاں احتیاط اسی میں ہے۔ کہ بعد از زوال پڑھا جائے کیوں کہ جمعہ فرض ہے اور فرض کا معاملہ نازک ہے اور جن احادیث سے امام احمدؒ وغیرہ استدلال کرتے ہیں ان میں بعد از زوال کا بھی احتمال ہے اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور امام احمدؒ وغیرہ اگرچہ قبل از زوال کے قائل ہیں لیکن بعد از زوال کے بھی قائل ہیں تو گویا بعد از زوال

متفقہ وقت ہے۔ اور قبل از زوال اختلافی ہے۔ اس لئے احتیاط بعد از زوال ہی میں ہے۔ تاکہ فرض کی ادائیگی میں کوئی کھٹکا نہ رہے۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری فتاوٰے اہلحدیث ص ۳۵۸

---

**سوال:** خطیب خطبہ کہہ رہا ہو۔ اس حالت میں السلام علیکم کہنا جائز ہے یا نہ؟

**جواب:** خطبہ میں السلام علیکم کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کے جواب سے خطبہ کا سماع فوت نہیں ہوتا۔ پھر اشارہ سے بھی جواب ہو سکتا ہے۔ حالتِ وضو میں بات چیت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ کسی حدیث میں ممانعت نہیں آئی۔ ہاں فضول باتوں سے پرہیز بہتر ہے۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری (فتاوٰے اہلحدیث ص ۳۶۵)

---

**سوال:** خطبہ جمعہ کی نسبت امام نووی اذکار ص۴۵ میں لکھتے ہیں:۔ ویشترط کونھا بالعربیۃ ھکذا فی منہاج الطالبین ص۱۹ اور شیخ الاسلام زکریا انصاری متن المنہج ص۱۹ میں لکھتے ہیں وشرط کونھما عربیین اور ان کے سوا اور علمائے شافعیہ فرماتے ہیں اور حنابلہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلی مصفی ص۱۵۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا رواج عربی میں ہمیشہ سے ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"عربی بودن نیز بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند"

اب سوال یہ ہے کہ ان عبارات سے غیر لسان عرب میں خطبہ جمعہ پڑھنا ایک فعل محدث ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ نمبر۲ بہتیرے امور محدثہ کہے جاتے ہیں وہ اسی وجہ سے کہ وہ از منہ مشہود لہا بالخیر سے متواتر نہیں۔ پس خطبہ جمعہ غیر لسان عرب میں جو از منہ مشہود لہا بالخیر سے متواتر ہے۔ اس کو کیوں محدث نہیں کہا جا سکتا؟ نمبر۳:۔ یہ اردو خطبہ کس وقت سے جاری ہوا؟

نمبر۴: یہ عربی خطبہ جو ہمیشہ سے جاری ہے جس کو عوام نہیں سمجھتے، شرعاً ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

نمبر۵:۔ نماز میں علاوہ دعا ماثورہ اگر کوئی شخص اپنی زبان اردو یا فارسی میں کوئی دعا پڑھے تو یہ جائز ہے یا نہیں، دونوں شقوں کا جواب مدلل مطلوب ہے؟

**جواب** : ہر محدث کام بدعت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دین میں داخل ہو۔ اگر دین میں داخل نہ ہو تو وہ بدعت نہیں۔ جیسے علم معانی۔ بیان، عروض وغیرہ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہو۔ اگر شریعت میں اس کا ثبوت ہو تو وہ بھی بدعت نہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی بابت فرمایا۔ نعمت البدعۃ ھذہ۔ یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز پڑھ کر فرضیت کے خوف سے ترک کر دی تھیں۔ اسی طرح تعدد جمعہ (یعنی شہر میں کئی جمعہ پڑھنے) کی بابت صحیح مسلک یہی ہے کہ درست ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک ہی جگہ ہوتا رہا متعدد جگہ نہیں ہوا۔ اسی طرح خطبہ جمعہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعدد جمعوں کی بابت مروی ہے کہ انہوں نے تعدد جمعہ کا حکم کیا۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں ذکر کیا ہے۔ اس لئے یہ محدث نہ رہا۔ بخلاف خطبہ کے غیر عربی ہونے کی کونسی روایت ہے کہ جواباً عرض ہے۔ کہ خطبہ جمعہ غیر عربی میں ہونے کی بابت ارشادِ نبویؐ موجود ہے۔ مسلم وغیرہ میں حدیث خطبہ جمعہ میں ہے۔

یقرأ القرآن ویذکر الناس (منتقیٰ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو وعظ کرتے۔

اور ظاہر ہے کہ افہام (سمجھانا) نہ ہو تو وعظ ہی نہیں۔

اس کے علاوہ مسلم اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ کرتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ غصہ سخت ہو جاتا اور آواز بلند ہو جاتی۔ گویا کہ آپ فوج دشمن سے ڈرانے والے ہیں۔ جو کہتا ہے صبح کو لوٹا تمہیں شام کو لوٹا تمہیں۔

اسی بنا پر نواب صاحب روضۃ الندیہ کے صفحہ ۹۰ میں لکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان الخطبۃ المشروعۃ ھی ما کان یعتادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترغیب الناس وترھیبھم فھذا فی الحقیقۃ روح الخطبۃ الذی لاجلہ شرعت واما اشتراط الحمد للہ او الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او قراءۃ شیء من القرآن فجمیعہ خارج من معظم المقصود من شرعیۃ الخطبۃ۔ انتھیٰ

یعنی مشروع خطبہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو رغبت دیتے اور ڈراتے۔ پس یہ درحقیقت خطبہ کی جان ہے جس کی خاطر خطبہ کا حکم ہوا۔ اور خدا کی تعریف کی شرط

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی شرط اور قرآن مجید پڑھنے کی شرط اصل مقصود خطبہ سے خارج ہے۔ جب اصل مقصد ہی لوگوں کو وعظ ہے تو مخاطب لوگوں کی زبان کا لحاظ ضروری ہوا۔ بلکہ خود خطبہ کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے کیوں کہ مخاطب سمجھتا نہ ہو تو اس کو مخاطب کرنے کے کچھ معنی ہی نہیں بعض لوگ جو خطبہ کو نماز پر قیاس کرتے ہیں اور دلیل اس کی حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو مصنف ابی ابن شیبہ میں ہے کہ انما جعل الخطبۃ مکان الرکعتین یعنی خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے تو یہ ان کی غلطی ہے کیوں کہ ایک شئے کا دوسرے کے قائم مقام ہونا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر طرح اس کے حکم میں ہو جائے۔ مثلاً بلوغ المرام میں حدیث ہے کہ نماز پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھی جب آپؐ نے ہجرت کی تو چار رکعت ہو گئی مگر سفر کی بدستور دو رکعت ہی رہی اور مغرب کی تین رکعت رہی کیوں کہ وہ دن کے وتر ہیں۔ اور فجر کی دو رکعت رہی کیوں کہ اس میں قرأت لمبی ہے۔ دیکھئے اس حدیث میں لمبی قرأۃ کو دو رکعت کے قائم مقام دیا قرار دیا ہے۔ حالانکہ دو رکعت جو زیادہ ہوئی ہیں وہ فرض ہیں اور فجر میں کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں بلکہ خود حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے ساتھ پڑھائی ہے ٹھیک اسی طرح خطبہ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر حکم میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں بلکہ بعض باتوں میں ہے۔ مثلاً ضروری ہونے میں نماز کی طرح ہے۔ یعنی خطبہ کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہو سکتی یا جیسے نماز میں دوسرے سے بات چیت منع ہے اور کوئی فضول حرکت جائز نہیں اسی طرح خطبہ کے سننے کے وقت کسی سے کوئی بات چیت نہیں کر سکتا نہ کوئی فضول حرکت کر سکتا ہے یا جیسے نماز میں وضو ضروری ہے اسی طرح خطبہ میں باوضو بیٹھنا چاہیئے تاکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد وضو کرتے کراتے جمعہ نہ رہ جائے یا یہ مطلب کہ دو رکعت سے لمبا نہ ہو یا یہ مطلب کہ ثواب میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے یعنی ظہر کی نسبت جو دو رکعت کی کمی ہو گئی ہے ان کا ثواب خطبہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ بغرض ساری باتوں میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام نہیں اگر ایسا ہوتا تو جو شخص خطبے میں شامل نہیں ہوا بلکہ نماز میں آکر ملا اس کا جمعہ نہ ہونا چاہیئے تھا چار پڑھے۔ کیوں کہ اس کا خطبہ جو دو رکعت کے قائم مقام ہے رہ گیا ہے حالاں کہ سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کی پہلی رکعت میں مل جائے اس کا جمعہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ دوسری رکعت پوری پالے تو بھی ایک ہی اٹھ کر پڑھے گا نہ تین۔ پس معلوم ہوا کہ خطبہ ساری باتوں میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو خطیب کے ساتھ کسی کو یا خطیب کو کسی کے ساتھ بات چیت جائز نہ ہوتی حالاں کہ یہ صریح حدیث کے خلاف ہے۔

رد، بخاری مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی

آیا اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قحط سالی سے مال ہلاک ہو گئے۔ رستے بند ہو گئے بارش کی دعا کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے ہاتھ اٹھائے اور بارش کی دعا کی۔ ایک ہفتہ تک برابر بارش ہوتی رہی دوسرے جمعہ پھر وہی یا دوسرا اعرابی آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کثرت بارش سے مال ہلاک ہو گئے اور رستے بند ہو گئے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ بارش بند کر دے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ اردگرد بارش برسا ہم پر نہ برسا اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرتے جدھر جدھر اشارہ کرتے بادل پھٹتا جاتا یہاں تک کہ مدینہ ایسا ہو گیا جیسے تاج میں ہوتا ہے یعنی مدینہ خالی تھا اور اردگرد بادل تھا۔

(ب) نیز بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے اس حال میں ایک صاحب (حضرت عثمان) آئے حضرت عمرؓ نے کہا یہ کونسی گھڑی ہے یعنی اتنی دیر کرکے کیوں آئے۔ عثمان نے کہا کہ میں ایک کام میں تھا اور اس سے فارغ ہو کر گھر میں نہیں پہنچا تھا کہ اذان سنی پس وضو کے سوا کوئی کام نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ دوسرا قصور ہے کہ وضو پر کفایت کی۔

(ج) ترمذی۔ نسائی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حسن حسین رضی اللہ عنہما آئے ان پر سرخ کرتے تھے۔ چلتے اور ٹھوکریں کھاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر ان کو اٹھا لیا۔ اپنے آگے رکھ لیا۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (ترجمہ) یعنی تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ میں ان دونوں کو ٹھوکریں کھاتا دیکھ کر صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات درمیان چھوڑ کر ان کو اٹھا لیا۔

(د) مسلم وغیرہ میں ہے ابورفاعہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص مسافر ہے اپنے دین کے متعلق سوال کرتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے۔ پھر ایک کرسی لائی گئی مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے آپ اس پر بیٹھ کر مجھے ان باتوں سے سکھاتے رہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھائی تھی۔ پھر مجھ سے فارغ ہو کر واپس آ کر خطبہ اپنا پورا کیا۔

تلخیص الحبیر کے ص۱۳۳ میں ہے:۔

البیہقی من طریق عبد الرحمٰن بن کعب ان الرھط الذین بعثھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الی ابن ابی الحقیق بخیبر لیقتلوہ فقتلوہ فقدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو قائم علی المنبر یوم الجمعۃ فقال لھم حین رآھم افلحت الوجوہ فقالوا افلح وجھک یا رسول اللہ قال اقتلتموہ قالوا نعم فدعا بالسیف الذی قتل بہ وھو قائم علی المنبر فسلہ فقال اجل ھذا طعامہ فی ذباب سیفہ الحدیث قال البیہقی مرسل جید وروی عن عروۃ نحوہ ثم رواہ من طریق ابن عبد اللہ ابن انیس عن ابیہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ابن ابی الحقیق نحوہ انتہی یعنی بیہقی نے عبدالرحمٰن بن کعب کے طریق سے روایت کیا ہے کہ جس جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ابن ابی الحقیق (یہودی) کے قتل کے لئے بھیجا تھا اس جماعت نے اس کو قتل کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ جمعہ کے دن منبر پر تھے جب آپ نے اُن کو دیکھا تو فرمایا چہرے کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا رسول آپ کا چہرہ کامیاب ہو۔ پس فرمایا کیا تم نے ان کو قتل کر دیا؟ کہا ہاں۔ پس منبر پر کھڑے ہوئے پھر تلوار میان سے نکال کر فرمایا ہاں تم نے اس کو قتل کر دیا، تلوار کی دھار پر اس کا کھانا لگا ہوا ہے۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے کھری ہے۔ اور عروہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ پھر عبداللہ بن انیس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا۔

(د) بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (سلیک غطفانی) جمعہ کے دن آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ وہ بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کھڑا ہو اور دو رکعت ہلکی پڑھ۔

(ح) ابوداؤد ونسائی۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنوں سے گذرتا ہوا آگے آرہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جا تو نے ایذا دی اور مسند احمد میں ہے۔ تو نے ایذا دی اور دیر کی۔ (منتقی)

(ز) بخاری مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ پر ہوتے۔ پس اُن کو وعظ کرتے اور وصیت کرتے اور حکم دیتے اگر کسی لشکر بھیجنے کا ارادہ کرتے یا کسی اور شے کا حکم دینا ہوتا تو فرما دیتے پھر لوٹ جاتے۔

یہ سات روایتیں ہیں اس قسم کی اور بھی بہت ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کا حکم نماز کا نہیں

بلکہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے۔ جو ہر زبان میں درست ہے۔ اس میں ہر قسم کی بات چیت درست ہے اس میں درمیان چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کر کے پورا کر سکتے ہیں ابو رفاعہ کو آپ نے خطبہ چھوڑ کر دین سکھایا۔ حسن حسین بچے تو آپ منبر سے اترے اور لا کر آگے بٹھا لیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ خطبہ جمعہ کی بابت تاکید بہت آئی ہے کہ سامعین توجہ سے سنیں اور فضول حرکت نہ کریں تاکہ کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ کان میں وعظ کی آواز پڑے جس سے دل نرم رہیں اگر ایسا نہ ہو تو دل مردہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ عیدین کے لئے اتنی تاکید نہیں آئی پس جب خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے۔ صرف خطبہ جمعہ میں ایک خاص وجہ سے سننے کی تاکید ہے اور خطبہ عیدین میں یہ بھی نہیں تو پھر اس کو نماز پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک بات ہے کہ جب لشکر وغیرہ بھیجنے کا کام خطبہ میں درست ہے تو یہ مخاطب لوگوں کی زبان میں ہی ہو سکتا ہے پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان کی پابندی ضروری ہے۔ غرض نماز پر خطبہ کا قیاس بالکل صحیح نہیں کیوں کہ خطبہ خطاب ہے۔ اور خطاب پر پابندی زبان کی اصل مقصود کو فوت کرتی ہے۔ جو خطاب سے مقصود ہوتا ہے یعنی سامعین کو اپنی بات پہنچانا۔ بر خلاف نماز کے کہ وہ خطاب نہیں۔ بلکہ مقصود اس سے خدا کا ذکر اور قراۃ قرآن پاک ہے چنانچہ مسلم وغیرہ میں حدیث ہے۔

ان هذه الصلوۃ لا یصلح فیها شئ من کلام الناس انما هی التسبیح والتکبیر وقراۃ القرآن۔

یعنی نماز میں بات چیت درست نہیں یہاں تک کہ چھینک لینے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی جائز نہیں کیوں کہ نماز صرف تسبیح تکبیر اور قراۃ قرآن ہے یعنی اصل مقصود یہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ تو اس حیثیت سے نہیں پڑھا جاتا کہ وہ مقتدیوں کو خطاب ہے بلکہ اس طرح سے پڑھا جاتا ہے کہ جیسے کسی کو محبوب کا کلام پیارا معلوم ہوتا ہے تو اس کا ورد کرتا ہے۔ یا جیسے پڑھنے والے سے خدا باتیں کرتا ہے۔ اور وہ اپنے کو اس کا مصداق سمجھتا ہے جس سے اس کے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں جو بعض نمازوں کی بابت خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ جیسے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دہر اور جمعہ کی نماز میں سورۃ هل اتاک یا سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون اور عیدین کی نماز میں سورۃ قٓ اور سورۃ اقتربت اور سورۃ اعلیٰ اور سورۃ هل اتاک اور جمعرات کو مغرب کی نماز میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد تو اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے پڑھنے سے پڑھنے والے کے اعتقاد کی اصلاح ہے۔ یا اس کو رقت اور نرمی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے دل پر ایک خاص اثر

ہوتا ہے اور اس سے مقتدیوں پر بھی خاص اثر پڑتا ہے ۔ اور نماز میں بھی خشوع خضوع بڑھتا ہے اور دل زیادہ لگتا ہے ۔ بلکہ اگر کوئی شخص نماز سے باہر امام کی قرأۃ سن لے تو اس کی بھی یہی حالت ہوگی ۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نماز سے اصل مقصود کیا ہے دوسرے کو وعظ ہے یا اپنی حالت کی اصلاح ، ظاہر ہے کہ اپنی حالت کی اصلاح ہے برخلاف خطبہ کے کہ اس میں دوسرے کو وعظ خطاب مقصود ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں بعض سری نمازوں کی بابت اور بعض نوافل کی بابت بھی خاص سورتوں آیتوں کا ذکر آیا ہے ۔ حالاں کہ وہاں دوسرے سے تعلق نہیں ، جیسے مشکوۃ باب القرأۃ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں سورۃ واللیل اذا یغشی پڑھا کرتے تھے اور ایک روایت میں سورۃ سبح اسم ربک الاعلے آئی ہے اور فجر کی سنتوں میں آیت قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا اور آیت قل یا اہل الکتاب تعالوا پڑھا کرتے تھے تو گویا یہ ایسا ہو گیا جیسے نماز کے علاوہ خاص خاص وقتوں میں اپنی اصلاح کے لئے خاص خاص آیتوں اور خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے ۔ جیسے سوتے وقت آیۃ الکرسی اور سورۃ سجدہ ، سورۃ ملک اور وہ سورتیں جن کے شروع میں سبح یا یسبح ہے اور جمعہ کے دن سورۃ کہف سورۃ ہود اور سورۃ آل عمران وغیرہ اور ہر روز شروع دن میں سورۃ یٰسین اور ہر رات آخر رکوع آل عمران اور سورۃ واقعہ وغیرہ وغیرہ ۔ پس نماز اور خطبہ کی اصل غرض دیکھتے ہوئے کوئی شخص خطبے کو نماز کا حکم نہیں دے سکتا اور نہ نماز کو خطبے کا حکم دے سکتا ہے ۔ بلکہ نماز کی ہیئت ہی وعظ کی ہیئت کے خلاف ہے ۔ چنانچہ گذر چکا ہے کہ خطبہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور بہت جوش اور بہت غصہ میں آجاتے اور آواز بلند ہو جاتی جیسے کوئی دشمن کی فوج سے ڈراتا ہے تمہیں صبح کو لوٹ لیا یا شام کو لوٹ لیا ۔ نماز کی حالت ایسی نہیں بلکہ وہ عاجزی اور انکساری کی حالت ہے ۔ چنانچہ مشکوۃ میں عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا ۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کے پیٹ میں ہنڈیا کے پکنے کی آواز تھی اور ایک روایت میں ہے میں نے آپکو نماز پڑھتے دیکھا آپ کی سینہ کی آواز چکی کی آواز تھی ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ادھر ادھر گردن موڑنا اور دیکھنا منع ہے نیز نماز کی ہیئت قیام اور نیچے اوپر ہونا اور مقتدیوں کا اس میں امام کی تابعداری کرنا یہ بھی وعظ کے خلاف ہے ۔ کیوں کہ خطبہ اور دیگر وعظ کلام میں سامعین کی ایسی حالت ہوتی ہے ۔ جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے ۔ اور وہ اس کو پکڑنا چاہتا ہو ۔ جیسے مشکوۃ میں براء بن عازب سے روایت ہے ۔

جلسنا حولہ کان علی رؤسنا الطیر

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سر پر پرندے ہیں ۔ پھر عذاب

قبر کا حال سنایا۔

خلاصہ یہ کہ خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے خواہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا ہو خطیب کو اس میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ زبان کی پابندی اس میں ضروری نہیں۔ کیوں کہ خطبہ کی غرض کے خلاف بلکہ خطبہ کے لفظ کے خلاف ہے۔ کیوں خطبہ خطاب ہے جو سامعین کی زبان میں ہوتا ہے۔ نماز پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ نماز مناجات ہے۔ خطبہ مناجات نہیں خطبہ کی ہیئت عام وعظوں کی ہے۔ نماز کی اس طرح نہیں خطبہ میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ نماز میں جائز نہیں۔ صرف خطبہ جمعہ کے سننے کی تاکید آئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی کھیتی کو پانی ملتا ہے تاکہ خشک نہ ہو جائے۔

## اعتراض

اگر کہا جاوے کہ غیر عربی میں خطبہ پڑھنا خیر قرون کے خلاف ہے۔ چنانچہ سائل نے شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سب جگہ خطبہ عربی میں ہوتا رہا اور جو بات خیر قرون کے خلاف ہو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ خیر قرون کے خلاف اس وقت ہوتا جب خیر قرون سے کسی کا اس پر فتوٰے نہ ہوتا جب خیر قرون سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ خطبہ غیر عربی درست ہے چنانچہ امام ابو حنیفہؒ صاحب کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ کے مذہب میں دو وجہیں ہیں۔ ایک جائز ہونے کی اور ایک ناجائز ہونے کی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو خیر قرون کے اختلافی مسائل سمجھ کر دلائل سے راجح مرجوح کا فیصلہ کریں گے سو دلائل کی رُو سے راجح یہی ہے کہ غیر عربی میں درست ہے۔ علامہ زبیدی شرح احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:۔

وهل يشترط ان تكون الخطبة كلها بالعربية وجهان الصحيح اشتراطه فان لم يكن فيهم من يحسن العربية خطب بغيرها و يجب عليهم التعليم والا عصوا ولا جمعة۔

(شرح احياء العلوم ص ۲۳۶ ج ۳)

یعنی خطبہ کے عربی ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ عربی میں ہونا چاہیے دوسری یہ کہ شرط نہیں صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی اچھی طرح عربی نہ جانے تو غیر عربی میں خطبہ پڑھے اور لوگوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ گنہگار ہو جائیں گے۔ اور ان کا جمعہ نہیں۔

شرح احیاء العلوم کے دوسرے مقام میں ہے:۔

قال الرافعی وھل یشترط ان تکون الخطبۃ کلھا بالعربیۃ وجھان صحیح اشتراطہ فان لم یکن فیھم من یحسن العربیۃ خطب بغیرھا وقال اصحابنا ان الخطبۃ بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ لا یجزیہ (شرح احیاء العلوم ج ۳)

یعنی رافعی کہتے ہیں کہ خطبہ کے عربی ہونے کی دو وجہیں ہیں (ایک یہ کہ عربی میں شرط ہے۔ دوسری یہ کہ شرط نہیں) صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی ٹھیک عربی نہ جانتا ہوں اس کو کافی نہیں ہوگا۔

ان دونوں عبارتوں میں امام شافعیؒ کے مذہب میں دو وجہیں بتلائی ہیں (ایک عربی میں ضروری ہونے کی اور ایک غیر ضروری ہونے کی) مذہب میں وجہ سے مراد فقہاء کی یہ ہوتی ہے کہ صریح قول امام کا اس بارے میں کوئی نہیں۔ امام کے اقوال سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کبھی امام کے اقوال سے دو باتیں سمجھی جاتی ہیں تو وہ مذہب میں دو وجہیں ہو جاتی ہیں۔ جیسے خطبہ کے عربی ہونے اور نہ ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں۔ شرح احیاء العلوم میں اگرچہ عربی میں ضروری ہونے کی وجہ کو صحیح کہا ہے لیکن درحقیقت صحیح دوسری ہے چنانچہ اوپر دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے پس جب امام شافعی کے مذہب میں ایک وجہ ہوئی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ امام شافعی تبع تابعین سے ہیں اور تبع تابعین خیر قرون سے ہیں۔

رد المحتار میں ہے:

لم یقید الخطبۃ بکونھا بالعربیۃ اکتفاء بما قدمہ فی باب صفۃ الصلوٰۃ من انھا غیر شرط ولو مع القدرۃ علی العربیۃ عندہ خلافا لھما حیث شرطاھا الا عند العجز کالخلاف فی الشروع فی الصلوٰۃ (رد المحتار جلد اول ص ۵۹۰)

یعنی مصنف نے خطبہ کے عربی میں ہونے کی قید نہیں لگائی کیوں کہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں گذر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں خواہ عربی پر قادر ہی ہو۔ برخلاف صاحبین کے کیوں کہ اُن کے نزدیک عربی میں ہونا شرط ہے مگر عربی سے عاجز ہو تو پھر صاحبین کے نزدیک بھی غیر عربی میں جائز ہے۔ جیسے شروع نماز (تکبیر تحریمہ) میں امام ابوحنیفہؒ صاحب اور ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے کہ عربی میں جائز ہے یا نہیں (ایسے ہی یہ اختلاف ہے)

امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی بابت بعض کا خیال تو تابعی ہونے کا ہے لیکن تبع تابعین سے ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تو جب ان کا فتوےٰ خطبہ کے غیر عربی ہونے کی بابت موجود ہے تو اس کو خیر قرون کے خلاف کس طرح

کہہ سکتے ہیں پس یہ سلف کے اختلافی مسائل سے ہوا۔ جس کا فیصلہ دلائل کے رُو سے یہی ہے کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست تو ہے لیکن مکروہ ہے تو یہ غلط ہے کیوں کہ وہ صرف اس بات پر کہتے ہیں کہ خیر قرون میں سے کسی نے غیر عربی میں نہیں پڑھا۔ ورنہ امام ابوحنیفہؒ سے کراہت کی تصریح موجود نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ خیر قرون میں غیر عربی میں کسی نے پڑھا نہیں اس میں بھی شبہ ہے۔ کیوں کہ جب فتوٰے دیا گیا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ کسی نے عمل کے لئے سوال کیا ہوگا کیونکہ خیر قرون میں تکلف نہیں تھا کہ فرضی صورتیں گھڑا کریں اور نہ ان کی یہ شان تھی بلکہ واقعات پیش آنے کی صورت میں بھی بہت ان سے ایسے تھے کہ احتیاط کرتے اور مسئلہ نہ بتاتے اور ایک دوسرے کا سہارا لیتے۔ یعنی یہ چاہتے کہ کوئی دوسرا مسئلہ بتلا دے چنانچہ اعلام الموقعین وغیرہ میں اس قسم کی روایتیں بہت موجود ہیں پس صرف صراحۃً نقل نہ ہونے سے عمل کی نفی سمجھ لینا اور جو بات قرین قیاس ہو اس کو نظر انداز کر دینا یہ مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ جب ایک بات کی بابت خیر قرون میں فتوٰے ہو گیا اور فتوٰے میں کراہت کا ذکر نہ آیا تو صرف عمل نہ ہونے سے کراہت سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ دیکھئے تراویح باجماعت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عمل نہ ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ کی شروع خلافت میں بھی عمل نہیں ہوا اس کے بعد ہوا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت کہا۔ چنانچہ گذر چکا ہے۔ اور تعدد جمعہ پر حضرت علیؓ کی خلافت تک عمل رہا ہوا۔ چنانچہ یہ بھی گذر چکا ہے۔ اور علاوہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عیدین کے بھی غیر عربی میں وعظ پر عمل خیر قرون میں صحیح سند سے مروی نہیں ہوا۔ اسی طرح خیر قرون میں کسی نے کوئی تصنیف غیر عربی میں نہیں کی۔ نہ کسی نے تفسیر غیر عربی میں لکھی نہ کوئی اور دینیات کی کتاب غیر عربی میں لکھی بلکہ خیر قرون کے بعد میں مدت تک غیر عربی میں تصنیف کرنے کا ثبوت نہیں ملتا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی کا اس وقت زور تھا کیوں کہ سلطنت اسلامی تھی۔ دین و دنیا سب کچھ عربی میں تھا۔ دوسرا کثرت میل جول سے آشنا اثر ضرور ہو گیا تھا کہ اگر غیر عرب عربی بولنے پر قادر نہ تھے تو اکثر کچھ کچھ سمجھ لیا کرتے۔ اس لئے غیر عربی میں تصنیف کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ پس یہی وجہ بعینہٖ خطبہ وغیرہ کی ہو سکتی ہے اور ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ امام جمعہ اور عیدین عموماً اس وقت امیر ہوتے تھے تو ان کے خیال میں خطبہ عربی میں بہتر یا ضروری ہو تو اس وجہ سے وہ عربی میں پڑھتے رہتے۔ اور جن کے نزدیک مخاطب کا لحاظ رکھنا مناسب تھا ان کو امیر بننے کا اتفاق نہ ہوا۔ یا یہ وجہ ہو کہ عربی زبان کی اس وقت ابھی پوری حفاظت نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حتی الوسع وہ غیر عربی سے دور رہتے تھے تاکہ عربی کا زور ہو کر اس کی پوری حفاظت

ہوجانے اور اس کے ہر قسم کے قواعد بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر ان کو توجہ تنگ زبانوں کی طرف رہتی تو آج ہمیں عربی زبان کے قواعد اور اس کی حفاظت کا یہ نظارہ نصیب نہ ہوتا جو دیکھ رہے ہیں۔ کہ خدا کے فضل سے کوئی زبان قواعد میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ جو کچھ تھوڑے بہت قواعد دوسری زبان کے تیار ہوئے اس کی خوشہ چینی میں ہوئے غرض اس قسم کے بہتیرے وجوہ اس وقت خطبہ کے عربی میں پڑھنے کے ہو سکتے ہیں جو اس وقت نہیں پس غیر عربی میں اس وقت کسی نے خطبہ نہیں پڑھا تو کوئی حرج نہیں۔ عمل کا اصل جو ہمارے ہاتھ میں موجود ہے یعنی فتوے اس سے سب عقدے حل ہو سکتے ہیں۔

## دوسرا ثبوت یا تائید

جو لوگ خطبہ کے غیر عربی میں ہونے کے قائل نہیں عاجز ہونے کے وقت وہ بھی قائل ہیں یعنی اگر عربی میں قائل نہ ہو تو غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ کچھ عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں کچھ اور ملاحظہ ہوں۔

کشاف القناع میں ہے:۔

(ولا تصح الخطبة بغير العربية مع القدرة) عليها بالعربية (كقرأة) فانها لا تجزئ بغير العربية (وتصح) الخطبة بغير العربية (مع العجز) عنها بالعربية لان المقصود بها الوعظ والتذكير وحمد الله والصلوٰة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بخلاف لفظ القرآن فانه دليل النبوة وعلامة الرسالة ولا يحصل بالعجمية (غير القرأة) فلا تجزئ بغير العربية لما تقدم (فان عجز عنها) اى عن قرأة (وجب بدلها) ذكر انتهى (كشاف القناع عن متن الاقناع للشيخ منصور بن ادريس الحنبلي جلد اول ص۳۴۴)

یعنی باوجود قدرت کے خطبہ غیر عربی میں صحیح نہیں جیسے قرأۃ القرآن (خطبہ میں) غیر عربی میں صحیح نہیں۔ اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں صحیح ہے کیونکہ خطبہ سے مقصود وعظ و نصیحت کرنا ہے اللہ کی تعریف کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ بخلاف قرآن کے کہ وہ غیر عربی میں درست نہیں کیونکہ لفظ قرآن کے نبوت کی دلیل ہیں اور رسالت کی علامت ہیں اور عربی زبان سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی پس قرأۃ غیر عربی میں کفایت نہیں کرے گی۔ پس اگر قرأۃ سے عاجز ہو جائے تو اسکے عوض ذکر واجب ہوگا جیسے نماز میں قرأۃ سے عاجز ہو جائے تو اس کے عوض میں ذکر واجب ہوتا ہے۔

شرح منتہی الارادات میں ہے۔

(وھی) ای الخطبۃ (بغیر العربیۃ) مع القدرۃ (کقراءۃ) فلا یجوز وتصح مع العجز غیر القراءۃ فان عجز عنھا وجب بدلھا ذکر (شرح منتہی الارادات ص ۲۹۳ للشیخ منصور بن یونس بہوتی الحنبلی جلد اوّل)

یعنی عربی میں قدرت ہونے کی صورت میں غیر عربی میں خطبہ جائز نہیں جیسے قرأت جائز نہیں اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں جائز ہے۔ قرأت جائز نہیں۔ قرأت کے عوض ذکر واجب ہوگا۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خطیب جب عربی پر قادر نہ ہو تو خطبہ غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ آج کل عموماً خطیبوں کو اتنی لیاقت نہیں کہ عربی میں تقریر یا تحریر کر سکیں پس غیر عربی میں جائز ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ کسی کا بنا ہوا خطبہ یاد کر لیں یا دیکھ کر پڑھ لیں تو اس کی بابت عرض ہے کہ اگر کسی کا بنا ہوا یاد کر کے پڑھ لینا یا دیکھ کر پڑھ لینا درست ہے تو غیر عربی میں بطریق اولیٰ درست ہے کیوں کہ دوسرے کا یاد کر کے سنانا یا دیکھ کر سنانا اس کی بابت تو خیر قرون میں نہ کسی کا عمل ثابت ہے نہ فتوے اور غیر عربی میں پڑھنے کی بابت اگر عمل صراحۃً منقول نہیں ہوا تو فتوے تو ہے اس کے علاوہ یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید کافی وعظ ہے لیکن اوپر کی عبارتیں دلالت کرتی ہیں کہ عربی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ باقی خطبہ غیر عربی میں جائز ہے۔ تو اس باقی خطبہ سے عام وعظ مراد نہیں ہو سکتا کیوں کہ قرآن خود عام وعظ ہے۔ تو قرآن کے علاوہ غیر عربی میں جائز کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی پس اس سے مراد خاص ہوگا یعنی جہاں کوئی رہتا ہے ان لوگوں میں جیسی کوئی خرابی دیکھتا ہے اس کے موافق خطبہ کرتا ہے تاکہ ان کی اصلاح ہو کہ وہ خرابی دور ہو جائے اور ایسی خرابیاں بے شمار ہوتی ہیں اور حسب موقعہ ان کی اصلاح کے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں اس کے لئے لوگوں کے بارہ بارہ کے بنے ہوئے خطبے یا صرف قرآن پڑھنا کافی نہیں ہو سکتا پس جب قرآن کے علاوہ خطبہ میں خاص وعظ مراد ہے تو عموماً خطیب ملکی زبان ہی میں کر سکتے ہیں تو غیر عربی میں خطبے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں حدیث یقرأ القرآن ویذکر الناس میں لکھتے ہیں:۔

فیہ دلیل للشافعی فی انہ یشترط فی الخطبۃ الوعظ والقراءۃ قال الشافعی لا یصح الخطبتان الا بحمد اللہ تعالیٰ والصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والوعظ وھذہ الثلاثۃ واجبات فی الخطبتین وتجب قراءۃ اٰیۃ من القرآن فی

احدیھما علی الاصح و یجب الدعاء للمؤمنین فی الثانیۃ علی الاصح (نووی شرح مسلم طبع مصر جلد ۳ ص)

یعنی اس حدیث میں امام شافعی کی دلیل ہے کہ خطبہ میں وعظ اور قرأۃ قرآن شرط ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں خطبے الحمد للہ اور درود اور وعظ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے اور یہ تینوں اشیاء دونوں خطبوں میں واجب ہیں اور ایک آیت دونوں خطبوں سے ایک میں واجب ہے۔ (خواہ پہلے خطبہ میں پڑھے یعنی بیٹھنے سے پہلے یا دوسرے میں یعنی بیٹھ کر کھڑا ہونے کے بعد) امام شافعی کے قول سے بھی اس بات کی تائید ہوگئی کہ خطبہ میں وعظ الگ ہے قرآن مجید الگ ہے پس جب ہر قدر وعظ مراد ہوگا جو ملکی زبان ہی میں ہوسکتا ہے۔

## تیسرا ثبوت یا تائید

یہ بات ظاہر ہے کہ خطبہ کا تعلق جیسے خطیب سے ہے ویسے ہی سامعین سے ہے اگر بالفرض کوئی سننے والا نہ ہو تو خطبہ نہیں ہوگا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کسی کو اس پر اختلاف نہیں جو عربی پڑھنے کے قائل ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے جن کی عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں تمثیلاً ہم نے ایک دو کتابوں کی عبارت حاشیہ میں نقل کر دی ہے پس جب خطیب عربی نہ جاننے کی صورت میں غیر عربی پڑھ سکتا ہے تو سامعین کے ناواقف ہونے کی صورت میں بھی غیر عربی میں جائز ہونا چاہیے۔ مثلاً دو چار پائے سامنے بٹھا کر کوئی شخص خطبہ پڑھے تو یہ خطبہ نہیں کیوں کہ چارپاؤں کے کانوں تک صرف آواز پہنچتی ہے۔ سمجھتے نہیں۔ ٹھیک اسی طرح اس خطبہ کو سمجھ لینا چاہیے۔ جو بالکل عربی سے ناواقف لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری روپڑی

## دو سوال اور اُن کا جواب

مولوی محمد علی صاحب ابوالمکارم ساکن متو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ نے دو شبہ اور پیش کئے ہیں ایک

لے کشاف القناع میں تیسری شرط جمعہ میں ہے۔ الثالث حضور اربعین فاکثر من اهل القریۃ بالامام ولو کان بعضهم خرسا او صما لا نهم من اهل الوجوب (ولا) تصح (ان کان الکل کذالک) ای خرسا او صما اذا کانوا کلهم خرسا مع الخطیب فلفوات الخطبۃ صورۃ و معنی فیصلون ظهرا وان کانوا صما فلفوات المقصود من سماع الخطبۃ و علم من ذلك انهم ان کانوا خرسا الا الخطیب او کانوا صما الا واحدا یسمع صحت جمعتهم (کشاف القناع) شرح منتهی الارادات میں ہے۔ (الثالث حضورهم) ای الاربعین من اهل وجوبها ...

شبہ یہ ہے انہوں نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا فتوے سے میری تشفی نہیں ہوئی۔ میری تشفی کی صورت یہ ہے کہ جو فتوی خود میں نے لکھ کر بذریعہ رجسٹری آپ کے پاس بھیجا ہے اس پر بحث کر کے بھیج دیں اور ایک صورت تشفی کی یہ ہے کہ آپ سابقین اہل حدیث سے اردو خطبہ کا جواز ثابت کریں۔ آخر جماعت اہلحدیث تو ایک زمانہ سے چلی آتی ہے۔ لہٰذا آپ اس جماعت کے چند اشخاص کے نام تحریر فرما دیں اور ان سے اس مسئلہ کو ثابت فرمائیں۔ اگر سابقین اہل حدیث سے غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں تو کیوں ان کا قول قابل عمل نہیں۔ کیا اتباع سلف خلاف کوئی چیز نہیں۔

خاکسار ۱۲۹۸ھ سے لے کر ۱۲۹۹ھ تک کامل ڈیڑھ برس تک جناب میاں صاحب کی خدمت میں رہا۔ آپ کے صاحبزادے مولوی شریف حسین ہمیشہ خطبہ عربی میں پڑھا کرتے تھے اور اس وقت تک کوئی جھگڑا اور اختلاف اس مسئلہ میں نہ تھا۔ خدا جانے کون اس کا موجد ہے۔ دہلی کے بزرگان دین جیسے جناب شاہ ولی اللہ و مولانا عبد العزیز، مولانا اسماعیل وغیرہم سے بھی غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں بلکہ مصفی میں تو شاہ صاحب نے صاف تحریر فرما دیا ہے۔ کہ اس کا پڑھنا عربی میں ہمیشہ سے مروج ہے۔ اور ایسا ہی جناب نواب سید محمد صدیق نے بدور الاہلہ میں تحریر فرمایا ہے۔

## سوال دوم

امام نووی اذکار ص۲۲ میں لکھتے ہیں:۔ باب نھی العالم وغیرہ ان یحدث الناس بما لا یفھمونہ قال اللہ تعالیٰ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم۔

اور خطبہ جمعہ کی نسبت کتاب مذکور کے ص۸ پر لکھتے ہیں:۔

ویشترط کونھا بالعربیۃ

امام نووی کے ان قولوں میں مطابقت کی کیا صورت ہے۔

(بقیہ ص) الخطبۃ والصلوٰۃ (ولو کان فیھم عربیا) والخطیب ناطق (او) کان فیھم (صم) لوجود الشرط ولا کلام ای ان کانوا کلھم خرسا حتی الخطیب اوکانوا کلھم صما لم تصح جمعتھم لفوات الخطبۃ صورۃ فی الاولیٰ وفوات المقصود منھا فی الثانیۃ (شرح منتھی الارادات ص)

## جواب نمبر اوّل

عالمانہ اور منصفانہ بات تو یہ ہے کہ جس بات کی بابت سلف میں اختلاف ہو اُس کی بابت دلیل سے فیصلہ کیا جائے جو جانب دلیل کی رو سے راجح وہ پہلے خواہ ائمہ مجتہدین سے کسی کا مذہب اس مسئلہ کی نسبت معلوم ہو یا نہ ہو اہلحدیث کا اصل مذہب یہی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں جمع فی القرأۃ کی بابت لکھتے ہیں۔

فلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع الی المرفوع

یعنی جب صحابہ کا اختلاف ہوا تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوا۔

مگر آپ باوجود اس کے مصر ہیں کہ کسی اہل حدیث کا مذہب بتلائیں۔ سو لیجئے امام شافعیؒ سرگروہ اہلحدیث ہیں ان کے مذہب میں ایک وجہ جواز غیر عربی کی بھی ہے اور میں نے اس فتوے میں لکھا تھا کہ دلیل کی رو سے راجح یہی ہے تو سامعین اہلحدیث سے بھی ثبوت ہو گیا پھر تردد کے کیا معنی؟

رہے امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور دیگر محدثین تو ان سے نہ جواز کا قول منقول ہے نہ عدم جواز کا بلکہ سکوت محض ہے۔ پس غیر عربی میں پڑھنے کو اُن کے مخالفین کہہ سکتے ہیں یہ تو متقدمین اہل حدیث کا ذکر ہوا اب متاخرین اہل حدیث جن کا زمانہ ہم سے زیادہ قریب ہے۔ امام شوکانی پھر نواب صدیق حسنؒ یہ دونوں بزرگ خطبہ ہی کو جمعہ کے لئے شرط نہیں مانتے چہ جائیکہ عربی ہونا شرط ہو ملاحظہ ہو دراری المضیۃ اور روضۃ الندیہ حضرت مولانا نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا اُن کی زندگی میں خطبہ عربی میں پڑھنا تو اُس وقت ذکر کرتے جب کوئی یہ کہتا کہ کسی نے عربی میں پڑھا ہی نہیں۔ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے جو آپ نے عمل مستمر نقل کیا ہے اوّل تو اس کی بابت اطمینان نہیں کیونکہ سلف میں جب اس کی بابت فتوے ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ کسی نے عمل کی غرض سے فتوے پوچھا ہے چنانچہ اس کی تفصیل ہم نے کر دی ہے۔ دوسرے اگر عمل نہ ہوا ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے نظائر موجود ہیں اور اس کے وجوہات بھی منقول ہیں چنانچہ اس کا ذکر بھی فتوے میں کر دیا ہے۔

## جواب نمبر دوم

اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر سماع نہ ہو تو خطبہ نہیں مثلاً سامعے بہرے ہوں تو اُس کو خطبہ نہیں کہہ سکتے جو عربی ہونے کی شرط کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ بعض عبارتیں ہم فتوی

میں نقل کر چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ سماع سے مقصود فہم ہے اگر فہم نہ ہو تو بھی خطبہ نہیں کہہ سکتے چنانچہ اس کا بیان بھی فتویٰ میں ہو چکا ہے پس اب تو یہ بعید ہے کہ امام نوویؒ کے نزدیک خطبہ جمعہ میں فہم شرط نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امام نوویؒ کے خیال میں ایک دو کا فہم کافی ہو اور عموماً ایسے مجمع ایک آدھ سے خالی نہیں ہوتے خاص کر امام نوویؒ کے زمانہ میں کیوں کہ اس وقت علم کا زور تھا۔ اس بنا پر امام نوویؒ نے خیر قرون کی عمل حالت سے متاثر ہوتے ہوئے خطبہ جمعہ کے عربی ہونے کی شرط کر دی لیکن ہم نے فتوے میں لکھ دیا ہے کہ خیر قرون کی عمل حالت میں شبہ ہو کیوں کہ جب فتویٰ ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ فتوے عمل کی غرض سے پوچھا گیا ہے۔ چنانچہ فتوے میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے دوسرے اس عمل کے کئی ایک وجوہات بھی ہیں اور اس کے نظائر بھی ہیں۔ پس ایسی حالت میں عمل سے شرطیت پر استدلال صحیح نہیں۔ اس کی بھی بقدر ضرورت فتوے میں تفصیل ہو چکی ہے۔

(مولانا) عبد اللہ امرتسری روپڑی فتاوٰے اہلحدیث ص ۳۷۱

---

**سوال**: عید کی نماز تاخیر سے پڑھی گئی۔ عید گاہ ہی میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اگر جامع مسجد پہنچ کر جمعہ پڑھیں تو وقت نہیں رہے گا۔ کیا عید گاہ میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

**جواب**: حدیث میں ہے:۔ جعلت لی الارض کلها مسجدا الحدیث

اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ جہاں وقت ہو جائے نماز پڑھ لی جائے۔ مسجد میں پہنچنے کی خاطر قضا نہ کی جائے۔ نہ اول وقت ضائع کیا جائے۔ جس میں خدا کی رضا ہے۔

(مولانا) عبد اللہ امرتسری روپڑی فتاوٰے اہلحدیث ص ۳۲۸

---

**سوال**: عورتیں علیحدہ کسی کے گھر کسی عورت کی امامت میں جمعہ پڑھ سکتی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ کے زمانہ میں یا بعد کسی زمانہ میں عورتوں کی امامت میں الگ جمعہ پڑھا ہو؟

**جواب**: جمعہ کے متعلق خاص واقعہ تو ملنا بہت مشکل ہے۔ ہاں پنجوقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے کیوں کہ جب ایک نماز میں ایک چیز ثابت ہو جائے تو سب نمازیں اس میں یکساں ہوتی ہیں جب تک کوئی مانع نہ ہو۔ مثلاً پنجوقتی نماز جوتے کے ساتھ پڑھنے کا ذکر آ جائے تو یہی جمعہ۔ عیدین۔ نماز کسوف وغیرہ کے لئے کافی ہے۔ اس کے لئے الگ واقعہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے اگر ایسا نہ ہو تو بہت

گزشتہ ہوگی۔ مثلاً رفع یدین آمین وغیرہ۔ ایک نماز میں ثابت ہوجائے تو یہ سب میں جاری ہوگا۔ نماز جمعہ وغیرہ میں الگ جیں دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کم علم لوگوں کا کام ہے۔ کہ بحثوں میں پڑ جاتے ہیں۔ خاص کر جمعہ تو پانچوقتی نماز میں شامل ہے کیوں کہ ظہر کے قائم مقام ہے تو اس میں عورت کی امامت بدعت نہیں ہوسکتی۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری روپڑی　　فتاوے اہلحدیث ص۴۱۳

---

**سوال:** جس وقت امام خطبہ پڑھے اُس وقت منبر کو کونسی جگہ پر رکھا جائے۔ محراب کے عین درمیان میں یا دائیں جانب؟

**جواب:** مسجد نبوی میں منبر کی جگہ دائیں طرف ہے اور منبر سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنا سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھتے تھے جس کا مقام قریباً محراب کے قریب پڑھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ حسب ضرورت اِدھر اُدھر ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری روپڑ　　فتاوے اہلحدیث ص۳۹۶

---

**سوال:** ایک گاؤں میں تین جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

**جواب:** گاؤں اگر اچھا قصبہ ہے اور مساجد فاصلہ پر ہیں تو تعدد کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اگر گاؤں چھوٹا ہے تو پھر ضد لگانے، نفسانیت کا معاملہ ہے۔ ضد سے تعدد ٹھیک نہیں بلکہ تعدد کی رخصت ضرورت کی بناء پر ہے۔ مثلاً مساجد ذرا فاصلہ پر ہوں۔ ایک مسجد میں سب کی گنجائش نہ ہو، کمزوروں کو وہاں پہنچنا تکلیف دہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ویسے تعدد اور نفسانیت کی وجہ سے اچھا نہیں۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری　　فتاوے اہلحدیث ص۳۹۶

---

**سوال:** عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقوم یتخلفون عن الجمعۃ لقد ھممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتھم (رواہ مسلم) یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لیے حکم کروں اور خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگادوں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اس طرح کی حدیث جماعت کے بارہ میں بھی آئی ہے، وہاں کہہ دیتے کہ جماعت فرض نہیں، اب حدیث سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جمعہ فرض نہیں۔ اس کا جواب تسلی بخش لکھیں؟

**جواب**: یتخلفون عن الجمعۃ والی حدیث مسلم باب فضل الجماعۃ میں موجود ہے اور ہمارے نزدیک جمعہ جماعت دونوں فرض ہیں مگر اہم کام کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز ہے۔ خاص کر جب اس سے مقصود اسی فرض کی تکمیل ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پہرے پر مقرر کیا۔ وہ صرف پہرے کی وجہ سے فجر کی نماز میں شامل نہیں ہوا بلکہ بغیر سخت مجبوری کے گھوڑے کی پیٹھ پر سے نہیں اترا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خوشخبری دی کہ اس کے بعد اگر تو عمل نہ کرے تو ضرر نہیں۔ اس طرح نماز میں سکون فرض ہے۔ لیکن بچے کے رونے سے تشویش قلب کا خطرہ ہو تو بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی امامہ کو لے کر امامت کرائی۔ اس طرح تعلیم کے لئے آپ نے ممبر پر نماز پڑھائی اور سجدہ ممبر سے نیچے اتر کر کیا۔ اسی طرح ایک صحابی کے ہاتھ میں گھوڑا تھا مگر نماز پڑھی۔ حالانکہ گھوڑا ان کو کھینچے لے جا رہا تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوٰے اہلحدیث ص۳۹۵)

---

**سوال**: مفتی خیر المدارس ملتان کی طرف سے ایک فتوے موصول ہوا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ گاؤں قریہ کبیرہ یا شہر نہیں،، نماز با جماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ جائز نہیں، تبلیغ کی یہ صورت کی جائے لیکن نماز دو رکعت جمعہ کی بجائے چار رکعت ظہر ادا کی جائے یا روزانہ صبح کو درس قرآن شریف کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بندہ عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان مہر مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

یہ فتوے آپ کی خدمت میں ارسال ہے مکمل حوالجات سے جواب تحریر فرمائیں۔

**جواب**: گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے متعلق اس قسم کا ایک سوال موضع کنگنی تحصیل قصور ضلع لاہور کی طرف سے بھی آیا ہے۔ افسوس ہے کہ دیوبندی حضرات نے دیہات میں جمعہ بند کرنے کی مہم چلا رکھی ہے۔ ہمارے مقلد بھائیوں پر تقلید کا اثر غالب ہے۔ اس لئے مفتی خیر المدارس نے بلا دلیل ہی جواب لکھ دیا ہے۔ تاکہ لوگ تقلید پر ہی جمے رہیں نیز ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ روشنی کا زمانہ ہے۔ اور ہر زمانہ کم و بیش روشنی کا ہوتا ہے۔ اس لئے بغیر

دلیل کے جواب لکھنا علماء کی شان کے خلاف ہے۔ ساتھ ہی ایک اور بدعت کا اضافہ کر دیا کہ ظہر بھی پڑھی جائے اور خطبہ بھی ہو، جیسے آج کل شہروں میں یہ بدعت جاری ہے۔ کہ دو خطبے پڑھتے ہیں، ایک پہلی اذان کے بعد اردو دوسرا دوسری اذان کے بعد عربی میں۔

اللہ تعالےٰ بدعات سے بچائے اور سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اب گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے جواز کے دلائل ذیل میں پڑھیے:۔

**دلیل اوّل**، سورہ جمعہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے۔ تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ (سورہ جمعہ پارہ ۲۸)

یہ آیتہ ہر ایمان والے کو شامل ہے، خواہ وہ شہر میں ہو یا گاؤں میں اور خرید و فروخت سے مراد ہر قسم کا کاروبار ہے۔ کیونکہ اگر خاص خرید و فروخت ہی مراد ہو تو لازم آئے گا کہ جمعہ صرف خرید و فروخت کرنے والوں پر ہو، اور باقی کاروبار کرنے والے خواہ شہر میں ہوں یا گاؤں میں، جیسے لوہار، بڑھئی، راج، مزدور کپڑا وغیرہ بننے والے، کھیتی باڑی کرنے والے۔ باغات کے مالی وغیرہ یہ سب جمعہ سے سبکدوش ہوں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع گیارہ میں پانچ نمازوں اور زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ تجارت اور فروخت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ

یعنی اللہ تعالےٰ کے بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

اب غور فرمائیے۔ کیا باقی نمازیں اور زکوٰۃ وغیرہ صرف شہر والوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ہر گز نہیں۔ بس اسی طرح نماز جمعہ کو سمجھ لیں۔

**دلیل دوم**، ابوداؤد میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة الا على اربعة عبد مملوك او امرأة او صبي او مريض۔ یعنی ہر مسلمان پر (خواہ وہ شہر میں ہو یا قریہ میں) جمعہ واجب ہے، جماعت میں، مگر چار پر واجب نہیں، ۱۔ غلام ۲۔ عورت ۳۔ لڑکا ۴۔ بیمار

دوسری حدیث میں مسافر کا بھی ذکر ہے کہ اس پر بھی جمعہ نہیں۔

**دلیل سوم**: سائی شریف ہے رواح الجمعة واجب على كل محتلم۔

یعنی ہر بالغ پر جمعہ کے لیۓ جانا واجب ہے۔

**دلیل چہارم**: بخاری اور ابوداؤد میں ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ پہلا جمعہ مسجد نبوی کے بعد جواثی میں پڑھا گیا ہے جو بحرین کے دیہات سے ایک گاؤں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابن تین نے ابوالحسن اللخمی سے روایت کیا ہے کہ جواثی شہر ہے۔ مگر جو نص حدیث میں آگیا ہے وہ مقدم ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جواثا گاؤں ہو۔ اور ابوالحسن لخمی کے زمانہ میں اس کی آبادی بڑھ جانے سے یہ شہر ہو گیا ہو۔

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ جوہریؒ، زمخشریؒ اور ابن اثیرؒ نے نقل کیا ہے۔ کہ جواثا قلعہ کا نام ہے۔ لیکن یہ گاؤں ہونے کے منافی نہیں (کیوں کہ عرب میں اُس وقت کوئی مستقل حکومت تو تھی ہی نہیں۔ جو لوگ زیادہ محفوظ تھے ان کے گاؤں بھی قلعوں کی شکل کے تھے۔

**دلیل پنجم**، بخاری شریف میں ہے کہ زریقؒ اپنی زمین میں رہتے تھے اور وہاں حبشیوں وغیرہ کی ایک جماعت بھی رہتی تھی۔ زریقؒ نے جو شہر ایلہ کے حاکم تھے ابن شہاب زہریؒ کو جو اس وقت وادی القریٰ میں تھے۔ لکھ کر مسئلہ دریافت کیا کہ میں اپنی زمین میں جمعہ پڑھوں۔ ابن شہاب زہریؒ نے اُن کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ حدیث لکھی۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ یعنی تم سب راعی ہو اور اپنی اپنی رعیت سے پوچھے جاؤ گے۔

مطلب ابن شہابؒ کا یہ تھا کہ تو اس وقت امیر ہے۔ رعیت کی ہر قسم کی دینی و دنیوی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ جس سے جمعہ بھی ہے۔ پس جمعہ پڑھنا چاہیۓ۔

**دلیل ششم**

فتح الباری شرح بخاری میں ہے عبدالرزاق نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مکہ مدینہ کے درمیان پانی پر اُترتے ہوئے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے اور ان پر اعتراض نہ کرتے۔

**دلیل ہفتم**

حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ ابو رافع سے روایت ہے۔ ابوہریرہ رضؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور وہ بحرین میں تھے پس حضرت عمر رضؓ نے جواب دیا کہ جَمِّعُوْا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ۔ یعنی جہاں ہو، جمعہ پڑھو۔ یعنی جمعہ کی کسی جگہ کے

کے ساتھ خصوصیت نہیں، شہر ہو یا گاؤں سب جگہ جمعہ پڑھو۔ جیسے قرآن مجید میں ہے ۔

حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہٗ

یعنی تم جہاں ہو نماز کے وقت ، قبلہ رُخ منہ کرو ۔

ابن خزیمہؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے کہ یہ روایت اچھی سند والی ہے ۔

## دلیل ہشتم

بیہقی میں ہے ۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں ۔ میں نے لیث بن سعدؒ سے (گاؤں میں جمعہ کی بابت) سوال کیا تو فرمایا ہر شہر یا گاؤں میں جس جگہ جماعت ہو، جمعہ پڑھنے کا حکم دیے گئے ہیں۔ کیوں کہ اہل مصر اور گرد و نواح کے لوگ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمعہ پڑھتے تھے ۔ اور ان میں کئی صحابہ بھی تھے ۔ لیث بن سعدؒ نے اگرچہ صحابہ کا زمانہ نہیں پایا۔ کیوں تبع تابعی ہیں، مگر جن لوگوں میں جمعہ ہوتا تھا ، ان کے پاس ہیں ۔ مصر کے رہنے والے ہیں نیز حنفیہ کے نزدیک مرسل تبع تابعی (جس میں تابعی اور صحابی کا ذکر نہ ہو) معتبر ہے۔ (نور الانوار وغیرہ) اور اس میں صرف تابعیؒ کا ذکر نہیں۔ پس یہ بطریق اولیٰ معتبر ہوگی۔ اس کے علاوہ رد المختار وغیرہ میں ہے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ حدیث کی تصحیح ہے۔ پس لیث بن سعدؒ کے استدلال کرنے سے اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی۔ نیز یہ روایت باقی دلائل کی تائید ہے اور تائید میں تو تبع تابعی کا اپنا قول بھی معتبر ہے چہ جائیکہ اس کو صحابہ کی طرف نسبت کرے ۔

## دلیل نہم

گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے دلائل کتب حنفیہ میں بھی بہت ہیں۔ بطور نمونہ ایک حوالہ پڑھیے۔ کبیری شرح منیہ میں ہے۔ کہ یہ بات صحت کو پہنچ گئی ہے کہ ربذہ میں (جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) حضرت عثمانؓ کے ایک غلام امیر تھے ان کے پیچھے دس صحابہؓ نے جمعہ وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ابن حزم نے محلی میں اس کا ذکر کیا ہے ۔

اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے انہی دلائل پر اکتفا کی ہے۔ ورنہ دلائل اور بھی بہت ہیں۔ جیسے بنی سالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ پڑھنا ۔ اور حرہ بنی بیاضہ میں صحابہؓ کا جمعہ پڑھنا اور یہ دونوں گاؤں مدینہ سے ایک ایک کوس (سوا میل) کے فاصلہ پر ہیں۔ پہلی روایت مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے احسن القریٰ صفحہ ۳ میں بحوالہ اہل سیر ذکر کی ہے۔ اور دوسری روایت مولوی عبد الرشید صاحب گنگوہی نے اوثق القریٰ کے صفحہ ۸ میں بحوالہ ابوداؤد اور مولوی ظہیر احسن نیموی نے جامع الآثار کے صفحہ ۹۲ میں بحوالہ ابن ماجہ ذکر کی ہے ۔

اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جنگل میں جمعہ پڑھا ہے۔ اور انس نے زاویہ میں نماز عید پڑھی اور زاویہ بصرہ سے چھ میل دور ہے۔ اور عید وجمعہ کا حنفیہ کے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔

غرض اس قسم کے دلائل بہت سے ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب اظفار الشمعہ میں ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(مولانا) عبداللہ روپڑی　　فتاویٰ اہلحدیث ص۳۳۵

---

**سوال،** کیا فرماتے ہیں علمائے دین غیر مقلدین و مانع ظہر بعد الجمعہ اس مسئلہ میں کہ:۔

۱۔ نماز جمعہ عین ظہر ہے یا غیر ظہر، اگر عین ظہر ہے تو اس میں تخالف کیوں ہے مثلاً

(۱) غلام، مسافر، قیدی عورت، نابینا، لنگڑا، بیمار، بیمار کی خدمت کرنے والا، جنازہ کرنے والا، بوقت بارش دیہاتی صحرائی پر جمعہ فرض نہیں مگر ظہر ان سب پر فرض ہے۔

(۲) جمعہ بلا شرط خطبہ ادا نہیں ہوتا مگر ظہر بلا خطبہ ادا ہوتی ہے۔

(۳) جمعہ بلا جماعت نہیں مگر ظہر اکیلے بھی درست ہے۔

(۴) جمعہ بلا شاہ اسلام نہیں مگر ظہر بغیر اس کے فرض ہے۔

(۵) جمعہ اپنے وقت سے باہر فرض نہیں مگر ظہر اپنے وقت اور خارج از وقت برابر فرض ہے۔

(۶) جمعہ بغیر عذر کے ترک ہو جائے تو ایک دینار دینے سے معاف ہو جاتا ہے۔ مگر ظہر کے لئے یہ شرط نہیں۔

(۷) جمعہ دو رکعت اور ظہر چار رکعت، ظہر میں قرأۃ آہستہ اور جمعہ میں بلند پھر اس پر حکم ظہر!

(۸) نماز پنجگانہ روزانہ اور ہر مومن و مومنات پر فرض ہے یا نہیں، اگر فرض ہے تو کتنی رکعت؟

(۹) پانچ نمازیں پہلے فرض ہوئیں یا جمعہ؟ اگر پنجگانہ پہلے فرض ہوئیں تو بروز جمعہ ترک ظہر کے لئے کونسی دلیل ہے؟

(۱۰) اگر جمعہ پہلے فرض ہوا ہے تو قبل از فرضیت صلوٰۃ خمسہ حضور علیہ السلام کہاں پر جمعہ ادا فرماتے تھے، اکیلے اکیلے یا جماعت کے ساتھ۔

(۱۱) بروز جمعہ ظہر فرض ہے یا جمعہ۔ اگر ظہر فرض ہے تو کتنی رکعت اگر جمعہ فرض ہے تو کتنے رکعت۔ اگر جمعہ فرض ہے۔ تو جس کو جمعہ نہ ملے، تو وہ جمعہ پڑھے یا ظہر اگر جمعہ پڑھے تو اس کی دلیل تحریر ہو۔ اگر ظہر پڑھے تو کیوں؟ اس روز تو بقول آپ کے اس پر جمعہ ہی فرض نہ تھا، نہ ظہر فرض تھی؟

(۱۲) ہر نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔ اگر بقول آپ کے خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے تو اس میں تو جہ قبلہ کیوں نہیں اگر نماز مشرق کی طرف منہ کرکے پڑھیں تو کیا نماز ادا ہو جائے گی۔

(۱۳) اگر کسی کا نصف خطبہ تمرک ہو جائے تو بعد سلام امام یا مقتدی ایک رکعت اٹھ کر ادا کرے یا نہیں۔

(۱۴) جمعہ کی ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے یا نہیں۔

(۱۵) جماعت ظہر میں ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے گا یا نہیں۔

(۱۶) جمعہ مشروط با شرائط ادا ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ایک شرط کے فوت ہونے سے جمعہ ادا ہو جائے گا۔ یعنی فرض وقتی سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر مشروط نہیں تو ایک جہاں چاہے آبادی ہو یا جنگل سواری ریل ہو یا کشتی جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

(۱۷) جس مسجد میں جمعہ ہو چکا ہو، وہاں ایک دو نمازی بعد میں آئیں تو ظہر پڑھیں یا جمعہ، اگر جمعہ پڑھیں تو اذان و اقامت سے ادا کریں یا نہیں۔

یہ تمام سوالات ایک حنفی مقلد نے کیے ہیں۔ (راقم محمد از کھیانوالی ڈاکخانہ مکتسر ضلع فیروزپور) ۲ رشوال ۱۳۵۳ھ

**جواب** ؛ جمعہ کے عین ظہر ہونے سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ احکام میں فرق نہیں تو اس معنی سے عین ظہر نہیں بلکہ غیر ظہر ہے۔ کیوں کہ ظہر اور جمعہ میں کئی احکام میں فرق ہے۔ چنانچہ سوال میں ذکر ہے اگرچہ سوال میں بعض ایسے احکام بھی ذکر میں جو صحیح نہیں۔ جیسے بادشاہ کی شرط کرنا یا بلا عذر ترک کی صورت میں بغیر توبہ کے ایک دینار سے معاف ہو جانا لیکن بعض کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے خطبہ جمعہ وغیرہ

اگر عین ظہر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے تو یہ بے شک صحیح ہے۔ دلیل اس کی قرآن و حدیث ہے۔ قرآن مجید میں ہے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ اس آیت میں نماز سے مراد بالاتفاق جمعہ کی نماز مراد ہے۔ شان نزول بھی جمعہ کی نماز میں ہے اس کے بعد فرمایا:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ

یعنی جب نماز جمعہ سے فراغت ہو جائے تو زمین میں روزی تلاش کے لئے پھیل جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن ظہر نہیں۔ مشکوٰۃ وغیرہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص تین جمعہ متواتر چھوڑ دے اس کے دل پر مہر ہو جاتی ہے نیز اوپر کی آیت بھی دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے دن نماز ضروری ہے۔ سب کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ کو حاضر ہونا چاہیئے

پس جمعہ کے دن نماز مزید ہوتی تو اب ظہر کا حکم نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ چھ نمازیں فرض ہوں، معاذ اللہ خدا ایسا نہیں کہ پچاس نمازوں کی پانچ کر کے چھ کردے، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ندا آئی۔ امضیت فریضتی وخففت عن عبادی متفق علیہ (مشکوٰۃ باب المعراج) یعنی میں نے اپنا فرض جاری کردیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کردی۔

اور بعض روایتوں میں ما یبدل القول لدی بھی آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ اب یہ بات میرے نزدیک بدل نہیں جائے گی۔ پانچ نمازوں سے نہ کم ہوں گی اور نہ زیادہ۔

اس تمہید کے بعد اب ہر سوال کا جواب نمبروار سنیئے۔

احکام میں فرق ہونے کی وجہ سے جمعہ غیر ظہر ہے اور ظہر ساقط ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ عین ظہر ہے۔ سنت مؤکدہ سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے تو ظہر اور جمعہ میں تو اتنا فرق نہیں، اس سے جمعہ کا ساقط ہونا معمولی بات ہے۔ ظہر ساقط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رات دن میں صرف پانچ نمازیں فرض ہیں۔ چھ نہیں، چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو جواب نمبر۲ میں آئی ہے۔

۲ روزانہ پانچ نمازیں ہی فرض ہیں۔ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہیں۔ اور باقی دنوں میں سترہ۔ کیوں کہ جب جمعہ سے ظہر ساقط ہوگئی تو ضرور ہے کہ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہوں۔ ۹۔۱۰ حدیث میں ہے کہ پہلے نماز دو، دو رکعت فرض ہوئی۔ پھر ہجرت کے بعد چار رکعت ہوگئی۔ اور سفر کی نماز اسی حالت پر رہی۔ اور خوف کی نماز ایک رکعت ہوگئی بلوغ المرام میں ہے مغرب کی نماز چار رکعت نہیں ہوئی اس لیے کہ وہ دن کے وتر ہیں۔ اور فجر کی نماز بھی چار رکعت نہیں ہوئی کیونکہ اس میں قرأت لمبی ہے۔ نیز ہجرت سے پہلے وضو کے فرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ جس آیت سے وضو کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح سے آہستہ آہستہ نمازوں کے احکام میں فرق پڑتا رہا۔ اس فرق سے بعض نمازوں کے نام میں بھی فرق پڑ گیا مثلاً نماز سفر، نماز خوف، نماز جمعہ وغیرہ۔

اب سوال میں نماز جمعہ کو نماز پنجگانہ سے الگ کر کے یوں سوال کرنا کہ نماز پنجگانہ پہلے فرض ہوئی یا جمعہ اس سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ نماز جمعہ نماز پنجگانہ سے الگ ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز خوف وغیرہ بھی الگ ہو، کیوں کہ معراج کی رات یہ قسمیں نہ تھیں۔ اور اگر یہ مراد ہے۔ کہ نماز جمعہ پانچ نمازوں میں داخل ہے۔ لیکن ظہر میں جمعہ کے دن کچھ تفصیل آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی ظہر کو نماز جمعہ نام رکھ دیا تو یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس صورت میں پہلے اور پیچھے کا سوال فضول ہے۔ اگرچہ پیچھے ہو اور حقیقت میں ہے بھی پیچھے کیوں کہ آیت جمعہ پیچھے اتری ہے۔ تو اس

۱؎ وہ مدنی ہے۔

میں کوئی حرج نہیں، عموماً عبادات میں ایسا فرق پڑتا رہا۔ دیکھئے زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی لیکن سونا، چاندی، اونٹ، بکری کی تفصیل سے اور ہر ایک کا الگ نصاب یہ سب کچھ مدینہ میں ہوا پہلے محرم کا روزہ تھا۔ پھر رمضان اترا جس میں روزہ کی جگہ فدیہ (ایک مسکین کو کھانا دینے) کا بھی اختیار تھا پھر اس کے بعد روزہ رکھنا لازم ہو گیا۔ اس طرح سے بہت سے احکام بدلتے رہے۔ ٹھیک اس طرح ظہر میں کچھ کمی بیشی کر کے نماز جمعہ ہو گئی، زید کا اگر ہاتھ کٹ جائے یا کوئی جگہ اس کی سوج جائے یا بچہ سے جوان یا بڑھا ہو جائے تو کیا وہ کوئی اور شخص ہو جایا کرتا ہے۔ یہ کیسا فضول سوال ہے جس کا نہ سر ہے نہ پیر ہے۔

(۱) جمعہ کے دن جمعہ ہی فرض ہے لیکن اگر جمعہ نہ ملے تو ظہر پڑھے۔ مشکوٰۃ باب الخطبۃ والصلوٰۃ میں حدیث ہے۔ جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ دوسری ساتھ ملائے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہو گئیں وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے اس کی موید اور روایتیں بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار وغیرہ۔

(۲) ہم یہ نہیں کہتے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے۔ کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بعض احکام میں فرق کر دیا گیا ہے۔ جیسے ظہر جمعہ میں فرق ہے کیونکہ دو رکعتیں ظہر کی کم کر کے ان کی جگہ خطبہ رکھا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ سامعین کو وعظ ہو، اور وعظ کی اصل صورت یہ ہے کہ سامعین کی طرف منہ ہو۔ اس لیے قبلہ رخ ہونے کی شرط اڑا دی، جیسے صلوٰۃ خوف کی بعض صورتوں میں جس طرف منہ ہو۔ اسی طرف درست ہے۔ اسی طرح سفر میں وتر اور نفل سواری پر جس طرف منہ ہو درست ہیں۔ اس طرح فجر کی نماز میں لمبی قرأت دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ لیکن لمبی قرأت ضروری نہیں، اس طرح صدقہ فطر روزہ کی کمی اور نقصان کو پورا کرتا ہے۔ مگر احکام الگ ہیں۔ اور صدقہ فطر کے الگ اور نماز میں بھول کر پانچ رکعت پڑھی جائیں تو سجدۂ سہو ایک رکعت کے قائم مقام ہو جاتا ہے اسی طرح سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھے تو قیام لیل کا کام دے سکتی ہیں اسی طرح سورہ آل عمران کا آخری رکوع حالانکہ قرآن مجید میں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں۔ غرض یہاں رائے قیاس کو کوئی دخل نہیں۔ حکم کی تعمیل ہے۔ جس طرح وارد ہوا اسی طرح کرتے جانا چاہیئے۔ مومن کا کام آمنا وصدقنا ہے، نہ چون وچرا۔ اور اگر آپ ضرور کرید ہی کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کی مثال آپ یوں سمجھئے کہ تھانیدار کی عدم موجودگی میں تھانیدار کا کام منشی کرتا ہے۔ حالانکہ ویسے ان میں بڑا فرق ہے۔

(۳، ۴، ۵) ان تینوں نمبروں کا جواب نمبر۲ میں آچکا ہے۔

(۶) جو شرائط قرآن و حدیث میں آچکے ہیں، وہ بسر وچشم منظور ہیں اور ان کے فوت ہونے سے جمعہ نہیں ... جیسے جماعت۔ ہاں کسی شرط کی بابت حدیث میں آجائے کہ اس کے نہ پانے کی صورت میں بھی جمعہ ہو سکتا ہے تو اس صورت میں

جمعہ ہو جائے گا۔ جیسے ۱ میں گزر چکا ہے۔ کہ ایک شخص نے صرف ایک رکعت پائی نہ خطبہ پایا نہ پہلی رکعت میں شامل ہوا تو وہ ایک رکعت اور ملائے گویا خطبہ فوت ہونے سے اس کے جمعہ میں فرق نہیں آیا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے شافعیہ کہتے ہیں۔ رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ ان کے نزدیک فاتحہ واجب ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک بھی رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ ان کے نزدیک قیام فرض رہ جاتا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہم تکبیر کہہ کر قیام کر کے امام کے ساتھ ملتے ہیں تو یہ حدیث کے خلاف ہے۔ کیوں کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ امام کو جس حالت میں پاؤ۔ اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اس لیے اگر امام سجدہ میں ہو تو کوئی شخص رکوع کر کے سجدہ میں امام سے ملے تو اس کا نہ شافعیہ اعتبار کرتے ہیں نہ حنفیہ۔

(۲) نمبر ۱ میں اس سوال کا جواب آ چکا ہے۔ کیوں کہ نمبر ۱ میں جو حدیث گذری ہے۔ وہ عام ہے۔ ایک کو بھی شامل ہے۔ زیادہ کو بھی۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اِلَيْهَا اُخْرٰى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْقَالَ الظُّهْرَ۔ یعنی جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ ساتھ دوسری ملائے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے۔

اس حدیث میں کلمہ مَنْ ہے جس میں ایک بھی داخل ہے اور زیادہ بھی داخل ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے۔

ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمؤمنين۔

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن آخرت پر لیکن حقیقت میں وہ سب ایمان والے نہیں۔

نوٹ: جمعہ اور ظہر اور دیہات میں جمعہ کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو ہمارا رسالہ اطفاء الشمع ملاحظہ کریں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ فتاوے اہلحدیث جلد ۲ ص ۳۲۷

---

سوال: (۱) کیا نماز جمعہ ظہر ہے یا ظہر کا بدل؟

**جواب**: جمعہ ایک لحاظ سے ظہر ہے۔ ایک لحاظ سے ظہر کا بدل ہے۔ اگر یہ لحاظ کریں کہ جمعہ میں اور باقی دنوں کی ظہر میں فرق ہے۔ تو اس کو بدل کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر یہ لحاظ کریں کہ بعض باتوں کے بدلنے سے اصل حکم نہیں بدلتا تو اس کو ظہر کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سب نمازیں پہلے دو دو رکعت فرض ہوئی تھیں، مدینہ منورہ میں آکر چار رکعت ہو گئیں۔ اور پہلے نماز میں کلام جائز تھی۔ پھر حرام ہو گئی۔ اس طرح اور بہت سی باتوں میں فرق پڑ گیا۔ مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ صلوٰۃ

کی رات جو پانچ نمازیں فرض ہوئیں تھیں وُہ نہیں رہیں ۔ بلکہ ان کی جگہ پانچ نئی فرض ہوگئیں ۔ ٹھیک اسی طرح جمعہ کو سمجھ لینا چاہیے البتہ باقی دنوں میں ظہر فرض ہے ۔

**سوال** (۱) : کیا نماز جمعہ صلوٰۃ خمسہ فرضیہ میں سے ہے ۔ یا علیحدہ مستقل نماز ۔ اس کی وجہ کسی صحیح حدیث سے ثابت کرو ؟

**جواب** : مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رات دن میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں ۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے ۔ کہ جمعہ پانچ نمازوں میں سے ایک ہے ۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جمعہ کے دن چھ نمازیں فرض ہیں ۔

**سوال** (۲) : نماز جمعہ فرض مطلق ہے یا مقید ۔ اس کی تعریف کسی دلیل شرعیہ سے کرو ؟

**جواب** : اگر مقید سے یہ مراد ہے کہ اس میں کوئی قید یا استثنار ہو تو سب نمازیں ایسی ہی ہیں ۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ، وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۔ اس سے نفاس والی مستثنیٰ ہے یا یوں کہو کہ فَتَمَوَّا لِنَسِرِ فَاَیْنَمَا سے بیمار مستثنیٰ ہے ۔ کیوں کہ اس کو قیام معاف ہے ۔ اور اگر مقید سے یہ مراد ہو کہ باقی نمازوں کی قیود اور شروط کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں تو اس لحاظ سے جمعہ میں قید نہیں کیوں کہ جمعہ میں دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں ۔ اور ظہر وغیرہ میں چار ۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ جمعہ کی شروط گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہوں تو یہ سائل کی غلطی ہے ۔ کیوں کہ اس کو مطلق مقید نہیں کہتے اس لیے کہ مطلق مقید میں داخل ہوتا ہے ۔

**سوال** (۳) : جس شخص کو نماز جمعہ باجماعت نہ مل سکے ۔ تو وُہ کیا کرے ، چار رکعت پڑھے یا دو ۔ اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو ؟

**جواب** : چار پڑھے ۔ کیوں کہ کفایہ شرح ہدایہ اور ازالۃ الخفا میں نقلا عن مصنف ابن ابی شیبہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے ۔ کہ خطبہ جمعہ قائم مقام دو رکعت ظہر کے ہے ۔ پس ضرور ہوا کہ جس کا جمعہ رہ جائے وُہ چار پڑھے ۔

**سوال** (۵) : نماز جمعہ کا اجرا مکہ مکرمہ میں ہوا ۔ یا مدینہ منورہ میں فرض ہوا ۔ اور اس نماز کا حکم باقی نماز ہائے فرضیہ کے ساتھ ہوا یا بعد میں ، اگر بعد میں ہوا تو اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو ۔ کہ یہ حکم بعد میں کس بنا پر صادر ہوا ۔

**جواب** : جس کو عرف میں جمعہ کہا جاتا ہے ۔ وُہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے ۔ کیوں کہ اس کے سب دلائل مدنی ہیں ۔ آیت بھی اور احادیث بھی ۔ ہاں اصل ظہر مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھی ۔ کیوں کہ معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں ۔ جن میں ظہر بھی داخل ہے ۔ اس کی دو رکعت کم ہو کر جمعہ بن گیا ۔

**سوال** (۶) : اگر فرض مطلق ہے ۔ تو اس سے عورت اور صبی (بچہ) اور مریض اور مسافر اور معذور کیوں مستثنیٰ ہے ۔

باوجودیکہ یہ نماز دو رکعت ہے۔ اور جو نمازیں کہ چار چار رکعت ہیں۔ اور ہر روز پانچ دفعہ پیش آتی ہیں۔ ان میں ان کی کیوں رعایت نہیں کی گئی۔ اگر فرض مقید ہے۔ تو اس کی تشریح اس آیت سے کی جائے جس سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

**جواب**: جواب نمبر۲ میں گزر چکا ہے۔ کہ مقید سے کیا مراد ہے۔ جب مقید کا معنی متعین نہ ہوا تو مطلق جو اس کے مقابل ہے۔ اس کا معنی بھی متعین نہ ہوا۔ پس یہ سوال قابل جواب نہیں۔ ہاں اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمعہ کی قیود گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہیں۔ اور اس کے پڑھنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ سب بستی کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تھے۔ تو اس حالت میں مشقت کے علاوہ بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اس لیے حدیث میں ضعفاء کو اور ضرورت والوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ جن کا سوال میں ذکر ہے۔

**سوال** (۱) جمعہ کی فرضیت سورۃ جمعہ سے بیان ہوتی ہے۔ لیکن مطابق تعریف لاشبہ فیہ کے چند شبہات اس میں ظاہر ہیں۔

**شبہ نمبر۱** یاایھا الذین امنوا میں حکم عام ہے تو اس حکم سے مذکورہ اشخاص عورت وغیرہ کیوں مستثنیٰ ہے

**شبہ ۲** اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ میں من ظہر الجمعۃ نہیں آیا۔ ظہر کی خصوصیت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ یوم سے مراد سالم دن ہوتا ہے۔

**شبہ ۳** فاسعوا الی ذکر اللہ سے مراد خدا کو یاد کرنا ہے۔ یعنی ذکر بمعنی یاد کرنے کے ہے۔ چاہیئے تھا کہ فاسعوا الی صلوٰۃ الجمعۃ درج ہوتا۔

**شبہ ۴** وذروا البیع کا لفظ صاف ثابت کرتا ہے کہ یہ حکم صرف ان ہی نمازیوں کے واسطے تھا، جو اس وقت بیع شراء کے خیال سے خدا کے ذکر کو چھوڑ کر مسجد سے نکل گئے تھے جو کہ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ تو اب ان شبہات سے معلوم ہوا کہ مطابق تعریف فرض کے یہ فرض مطلق نہ ہوا۔ کیوں کہ ہر ایک شے اپنی علامات سے پہچانی جاتی ہے۔

**جواب** (۱) پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک حدیث سے کتاب اللہ کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ اس لیے عورت وغیرہ کی حدیث نے تخصیص کر دی۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل برادری بالاجماع مخصوص ہیں تو یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہو گئی جو ظنی ہے۔ پس حدیث سے تخصیص ہو گئی۔

دوسرے شبہ کا جواب بھی یہی ہے کہ حدیثوں میں ظہر کا وقت آ گیا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ فاسعوا الی ذکر اللہ میں صلوٰۃ کے لفظ کی ضرورت نہیں، کیوں کہ نودی للصلوٰۃ میں صلوٰۃ کا لفظ آ چکا ہے۔

چوتھے شبہ کا جواب یہ ہے کہ خصوص مورد کا اعتبار نہیں، عموم لفظ کا اعتبار ہے۔ یہ اصول مسئلہ ہے جس کو سائل سمجھا نہیں۔

رہی یہ بات کہ بیع سے کیا مراد ہے۔ سو اس کا سائل نے سوال نہیں کیا، لیکن ہم جواب دے دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے کہ شاید کہ ایک تمہارا بکریاں لے کر مدینہ سے ایک دو میل کے فاصلہ پر جا رہے، پس گھاس مشکل سے ملے، پھر ذرا اور دور چلا جائے۔ پس جمعہ کو حاضر نہ ہو پھر جمعہ آئے تو حاضر نہ ہو۔ یہاں تک کہ اللہ اس کے دل پر مہر کر دے۔

اس حدیث سے اور اس جیسی اور احادیث سے معلوم ہوا کہ بیع سے عام کام مراد ہے۔ صرف شانِ نزول کے لحاظ سے بیع کا لفظ بولا گیا۔ جیسے وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا میں شانِ نزول کے لحاظ سے تحصن کی شرط ذکر کر دی ہے۔

**سوال ۸** اگر ایسے حکم سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے تو اور بہت سے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں، جن پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ ہم وہ جملہ احکام مفصل بیان کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ معترض کو ان کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہو۔

**جواب** : اگر ایسے احکام ہوتے تو سائل ڈر کر پردہ نہ ڈالتا بلکہ ان کی تصریح کرتا۔

**سوال ۹** اگر فرض مطلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چند در چند مقامات پر جمعہ کیوں نہیں پڑھا۔ معاذ اللہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ نماز کو ترک کر دیتے ہرگز نہیں۔

**جواب** : جب مطلق مقید کی مراد ہی معین نہیں تو سوال فضول ہے۔ پھر جن شروط کے ساتھ فرض ہے۔ اگر چھوڑا ہے تو ان ہی میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں چھوڑا ہو گا۔ جیسا کہ حجۃ الوداع میں سفر کی وجہ سے ترک کیا تھا۔

**سوال ۱۰** بالفرض اگر اس ملک میں نمازِ جمعہ ادا کی جائے تو اس کے بعد نمازِ ظہر کیوں نہ پڑھی جائے۔ کیوں کہ جمعہ نمازِ ظہر کا مستقل کسی طرح نہیں بن سکتا۔ جمعہ اور ظہر میں اختلاف بہت ہے۔

اول یہ کہ جمعہ دو رکعت ہے اور ظہر چار رکعت۔

دوم جمعہ میں تین اذان شرط ہیں اور ظہر میں دو اذان۔

سوم جمعہ معذوروں کو معاف ہے۔ اور ظہر معاف نہیں۔

چہارم : جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور ظہر میں نہیں۔

پنجم: جمعہ قبل از زوال بھی جائز ہے۔ اور ظہر جائز نہیں۔

ششتم: جمعہ صلوٰۃ قصر میں سے بروئے حدیث ایک علیحدہ نماز ہے۔ اور ظہر علیحدہ نہیں۔

**جواب**: بعض باتوں میں فرق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل غیر ہو جائے۔ چنانچہ نمبر اول میں گذر چکا ہے۔ پھر حدیث میں ہے۔ کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اگر جمعہ مسقط ظہر نہ ہو تو نمازیں چھ ہو جائیں گی۔ اور اس حدیث سے مخالفت لازم آئے گی۔

**سوال ۱۱**: جب کہ جمعہ کی فرضیت میں شک ہے تو مشکوک نماز فرض عین کا مسقط ہرگز نہیں ہو سکتی۔

**جواب**: جب فرضیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو مشکوک چہ معنی دارد۔

**سوال ۱۲**: آیت شریف کا مبین اگر حدیث شریف بیان کرے تو اس قسم کی چند آیات مع حدیث کے ہم آپ کو بتلا سکتے ہیں۔ جن پر آپ کا کوئی عملدرآمد نہیں۔ اگر آپ جمعہ ادا کریں گے تو باقی احکام کی تعمیل بھی آپ پر فرض ہوگی۔

**جواب**: اگر ایسی آیات مع احادیث ہوتیں تو آپ بیان کرتے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سائل ایسے فقروں سے محض مفروضہ رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ ہاتھ پلے کچھ نہیں۔ خیر اللہ معرفت دے اور ضد و عناد سے دور رکھے۔ آمین

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ — فتاوے اہلحدیث جلد ۲ ص ۳۱۰

---

**سوال**: ابو داؤد و مسلم شریف میں ہے۔ صلیت معہ الجمعۃ فی المقصورۃ۔ مقصورہ سے کیا مراد ہے؟

**جواب**: قال القاری المقصورۃ موضع معین فی الجامع وقال ابن عابدین الظاھر ان المقصورۃ فی زمانھم اسم لبیت فی داخل الجدار القبلی من المسجد کان یصلی فیھا الامراء الجمعۃ ویمنعون الناس من دخولھا خوفا من العدو انتھی وقال اول من عملھا معاویۃ بن ابی سفیان حین ضربہ الخارجی۔

محدث دہلی جلد ۱۰ ش ۵

---

**مسئلہ**: مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ من جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھا۔ یعنی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو ہلکی ہلکی دو رکعتیں

پڑھ لے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ اول خطبہ کی یا دوسرے کی کوئی شرط نہیں بلکہ جب آئے پڑھ لے۔ مسلمان کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اپنی طرف سے ذرا کم و بیش نہ کرے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہی تھی جیسے مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں فرمایا "اجلسوا" یعنی بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ بن مسعود آرہے تھے۔ مسجد کے دروازہ میں تھے کہ یہ ارشاد ان کے کان میں پڑا، وہیں بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبداللہ آگے آجا، پھر آگے آگئے۔ سو مسلمان کی یہی شان ہونی چاہیے کہ فرمان نبوی کے سامنے ذرا چون چرا نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں سنت نبوی کا شوق دے تاکہ بغیر کمی و بیشی کے عامل ہو جائیں۔ آمین

حافظ عبداللہ روپڑی    رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ص۴۰

مسئلہ ظہر احتیاطی کی بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ جمعہ کے شرائط میں شک ہے۔ اس لیے جمعہ پڑھ کر ظہر بھی پڑھ لینی چاہیے۔ اگر بالفرض جمعہ صحیح نہ ہوا تو ظہر ہو جائے گی۔ مگر یہ بات ظاہر ہے۔ کہ جب ایک شے کے لیے کوئی شرط ہو اور شرط کے نہ ہونے کا ہمیں یقین ہو جائے تو اس میں شک کرنا فضول ہے۔ اور اگر اس کا شرط ہونا ہی معلوم نہیں، تو اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو ایک مثال سے سمجھائیں۔ مثلاً ہم نماز کے لیے وضو کرنا چاہتے ہیں، مگر وضو کے لیے جو پانی ملا ہے۔ اس کے نجس ہونے کا ہمیں یقین ہے تو اس صورت میں ہم تیمم کریں گے، کیوں کہ تیمم وضو کا نائب ہے۔ اب بتلائیے پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کی ضرورت کیوں ہوئی۔ اس لیے کہ پانی کے لیے طہارت شرط ہے۔ جب پانی میں طہارت نہ ہونے کا یقین ہو گیا تو تیمم کے مسئلہ پر عمل کر لیا۔ اور اگر ہمیں پانی کے لیے طہارت کا شرط ہونا معلوم نہ ہو یعنی کسی دلیل سے معلوم نہ ہو، کہ وضو کے پانی کے لیے طہارت شرط ہے اور یہ مسئلہ معلوم ہے کہ وضو کرنا فرض ہے تو کیا ہم اس صورت میں صرف وضو کریں گے یا وضو اور تیمم دونوں کو جمع کریں گے۔ ظاہر ہے کہ وضو پر اکتفا کریں گے کیوں کہ تیمم اس وقت ہوتا ہے، جب وضو نہ ہو، اور جب پانی کے لیے طہارت کا شرط ہونا معلوم نہیں تو نجس سے وضو صحیح ہوگا۔ پھر تیمم کا کیا محل

جب مثال سمجھ میں آگئی تو اب ہم پوچھتے ہیں۔ کہ جمعہ کے لیے شہر کی شرط یا سلطان کی شرط یا شہر میں ایک جگہ ہونے کی شرط ہے یا نہ، اگر شرط ہے تو جہاں یہ شرائط ہوں گے، وہاں جمعہ صحیح ہوگا۔ جہاں نہیں ہوں گے، جمعہ نہیں ہوگا۔ جمعہ پڑھ کر ظہر پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر شرط نہیں یعنی کسی دلیل سے ان کا شرائط ہونا معلوم نہیں۔ اور خدا حکم دیتا ہے کہ جمعہ پڑھو تو پھر جمعہ صحیح ہے۔ اس میں شک ہو کر ظہر پڑھنا اس کا کیا مطلب، اللہ اور اس کا رسول تو ایک فرض کرے اور ہم دونوں جمع کر لیں۔ یہ تو ایسا ہوا جیسے ظہر کے چار فرضوں کی بجائے چھ پڑھ لیں، اسی واسطے امام ابوحنیفہ رح

اور باقی تین اماموں سے ظہر احتیاطی کی کوئی روایت نہیں حتی اگر کوئی چار اماموں سے صحیح سند کے ساتھ ثابت کر دے تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ یہ ثابت نہیں۔ ہم نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس کو زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو منگا کر دیکھے اس میں نہایت عجیب پیرائے میں اس مسئلہ پر اور دیگر شرائط جمعہ پر روشنی ڈالی ہے۔ (رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ملا)

---

**سوال:** یہ سب شرطیں نماز جمعہ کی جواز کے واسطے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان کی کوئی سند ہے یا نہیں؟

**جواب:** جمعہ کی نماز اور فرض نمازوں کی مثل ہے جو کچھ ان میں شرط ہے، جیسے پاک ہونا بدن کا اور کپڑے کا اور جگہ کا وغیرہ ذلک اس نماز میں بھی شرط ہے اور اس کے پہلے دو خطبوں کا مشروع ہونا اسمیں زیادہ ہے۔ اور نماز کی نسبت اور اس نماز کی اور نمازوں سے مخالف ہونے کے لیے کوئی دلیل نہیں آئی۔ اس جگہ سے معلوم ہو گیا کہ اس نماز میں اور نمازوں سے زیادہ مثل امام اعظم اور مصر جامع اور عدد مخصوص وغیرہ کے شرط ٹھہرانے کے لیے کوئی سند صحیح نہیں، اس لیے کہ اس کے مستحب ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ واجب ہونا تو بجائے خود رہا اور شرطیت تو چیز دیگر ہے بلکہ دو شخصوں کا ایسی جگہ میں جہاں ان کے سوا کوئی موجود نہ ہو جمعہ کا ادا کر لینا ان سے واجب کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور اگر ایک نے ان میں سے خطبہ بھی پڑھ لیا تو سنت پر عمل کیا اور اگر نہ پڑھا تو خطبہ ایک سنت ہی ہے یعنی واجب نہیں ہے۔ بلکہ اگر نماز جمعہ میں جماعت کے واجب ہونے کی دلیل وارد نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کو جماعت کے بغیر کبھی ادا کرنا ثابت ہوتا تو ایک آدمی کا بھی جمعہ کو ادا کر لینا اور نمازوں کی طرح کافی ہو جاتا لیکن حدیث طارق بن شہاب میں آیا ہے۔ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ رواہ ابوداؤد یعنی جمعہ کا ادا کرنا جماعت میں ہر مسلمان پر حق واجب ہے۔ اور اس سے جماعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور مذہب والوں کے نزدیک جمعہ کی شرطوں میں سے عمدہ دو شرطیں ہیں۔ ایک عدد مخصوص دوسرا مصر جامع اور خلاف اس مسئلہ میں نہایت پھیلا ہوا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں عدد معین کے اعتبار میں پندرہ مذہب ذکر کیے ہیں۔ اور کہا ہے کہ پندرھواں مذہب یہ ہے کہ جماعت کثیر ہو بلا قید، اور سیوطی رح نے اسی کو امام مالک سے نقل کیا۔ اور دلیل کی رو سے انسب یہ ہے کہ یہی مذہب اخیر قوی ہو انتہی شوکانی رح نے نیل الاوطار میں کہا جس طرح کہ تنہا ایک کے لیے جمعہ کے صحیح ہو جانے کی کوئی سند نہیں اسی طرح اسی یا تیس یا بیس یا نو یا سات نفر کی شرط ہونے کی کوئی سند نہیں۔ اور جس نے کہا کہ دو آدمیوں کے ساتھ جمعہ صحیح ہے اس کی دلیل واجب ہونا جماعت کا ہے۔ حدیث اور اجماع سے اور کسی عدد مخصوص کی شرط ہونے کا دلیل سے نہ ثابت ہونا اور سب نمازوں میں

دو کی جماعت کا صحیح ہونا اور جمعہ اور باقی جماعتوں کا یکساں ہونا اور بغیر اس عدد یا اس عدد کے جمعہ کے نہ منعقد ہونے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی نہ ہونا اور میرے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ انتہی حاصل کلام یہ ہے کہ شارع نے جماعت کا اطلاق دو پر اور دو سے زیادہ پر کیا ہے۔ اور باقی سب نمازیں باتفاق علماء دو سے منعقد ہو جاتی ہیں۔ اور جمعہ بھی ایک نماز ہے۔ تو جب تک کوئی دلیل خاص کرنے والی نہ ہو اور نمازوں کے خلاف کسی حکم سے مختص نہ ہوگا۔ اور جو عدد کہ اور نمازوں میں معتبر ہے۔ اس کے علاوہ جمعہ میں اعتبار کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ عبدالحق نے (جو قدمائے اہلحدیث سے ہیں) کہا کہ جمعہ کے عدد میں کوئی حدیث ثابت نہیں اور سیوطی نے کہا کسی حدیث سے عدد مخصوص کی تعیین ثابت نہیں انتہی اور جو احادیث عدد مخصوص کی اعتبار پر دلالت کرتی ہیں۔ سب ضعیف ہیں۔ اور حفاظ حدیث نے ان میں کلام کی ہے پس وہ استدلال کے لائق نہ رہیں۔ اور ان سے حجت قائم نہ ہوئی۔ علی ہذا القیاس مصر جامع کے نہ شرط ہونے پر، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ ہونے کے بعد پہلا جمعہ موضع جواثا (جو بحرین کے ملک میں ہے) عبدالقیس کی مسجد میں پڑھا گیا۔ (رواہ البخاری) اور جواثا ایک گاؤں کا نام ہے۔ بحرین کی بستیوں میں سے اور ظاہر یہ ہے کہ عبدالقیس نے اس جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بغیر قائم نہ کیا ہوگا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی۔ کہ نزول وحی کے زمانہ میں کسی چیز کی مشروعیت کا خود اذن نہیں مانگتے تھے۔ اور اپنی طرف سے اسے مشروع نہیں ٹھہرایا کرتے تھے پس اگر یہ جمعہ جائز نہ ہوتا تو ضرور اس کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوتا۔ چنانچہ جابرؓ اور ابوسعیدؓ نے عزل (یعنی انزال کے وقت ذکر کو نکال کر باہر انزال کرنا تاکہ علوق حمل نہ ہو جائے) کے جواز پر استدلال کیا اس سے کہ انہوں نے زمان نزول وحی میں عزل کیا اور اس کی ممانعت نہ آئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ (یعنی جمعہ اور عید کا پڑھنا مصر جامع کے سوا درست نہیں) کو امام احمد نے ضعیف کہا اور کہا کہ اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ اور ابن حزم نے اس کے موقوف ہونے کا جزم کیا ہے۔ اور یہ موقوف مرفوع حکمی بھی نہیں ہو سکتی کیوں کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے پس حجت اس سے قائم نہ ہوگی۔ اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین والوں کو لکھا کہ جس جگہ ہو کر جمعہ ادا کر لیا کرو۔ اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا۔ اور یہ بستیوں اور شہروں کو شامل ہے۔ اور بیہقی نے لیث بن سعد سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اہل مصر اور اطراف مصر کے رہنے والے انکے حکم سے جمعہ ادا کرتے تھے اور ان میں ایک جماعت صحابہ کی بھی موجود تھی۔ اور عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ وہ مکے اور مدینہ کے بیچ کے گاؤں والوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تھے اور ان پر کچھ عیب

نہیں کرتے تھے۔ اور صحابہ کے اختلاف کے وقت مرفوع کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اور اسباب میں اور بھی حدیثیں ہیں اور جب بستیوں میں جمعہ پڑھنا ثابت ہو گیا۔ تو امام اعظم (یعنی بادشاہ) شرط ہونے کا اصل ہو گیا، کیونکہ بادشاہ بستیوں میں نہیں رہا کرتا۔ اور علی القیاس مسجد بھی شرط نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور باقی علماء بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہی قول قوی ہے۔ اور اہل تواریخ کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان کے بیچ جمعہ پڑھنا مروی ہے۔ اور ابن سعد نے بھی اس کو روایت کیا۔ اور اگر اسکی صحت کو نہ مانیں تب بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف مسجد میں جمعہ ادا کرنا مسجد کے شرط ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم مجموعہ فتاوٰے جلد دوم ص۱۲ (مولفہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ)

---

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جب امام جمعہ کی دونوں رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھا ہے اس وقت زید اگر جماعت میں مل گیا بعد پھیرنے سلام امام کے اب زید کو دو رکعت جمعہ ادا کرنی چاہیئے یا چار رکعت ظہر کی، کیونکہ اب وہ اکیلا نماز پڑھتا ہے اور جمعہ کی نماز اکیلے نہیں ہوتی۔ از روئے قرآن و حدیث جواب سے سرفراز فرمائیں۔

جواب: چار رکعت پڑھے نہ دو۔ (قال اللہ تعالیٰ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (وقال تعالیٰ: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أُخْرَىٰ (زاد فی روایۃ ابی نعیم) وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ فِي التَّشَهُّدِ صَلَّىٰ أَرْبَعًا (لاك عن ابی ہریرۃ) (قال لہ صحیح واقرہ فی التلخیص کذا فی التیسیر شرح جامع الصغیر

فتاوٰے ستاریہ جلد اول ص۱۱

---

سوال: ایک شخص سے ایک جمعہ جماعت کی غیر حاضری ہو گئی، بسبب نہانے دھونے کپڑے وغیرہ کے اور نماز اذان کی آواز سنی جاتی تھی۔ اس جگہ جہاں مذکورہ بالا کام میں مشغول تھا۔ لہٰذا اپنے وقت کے اندازے پر بہت کچھ دوڑا بھاگا۔ جمعہ نہیں پایا تھا۔ اب شریعت محمدیہ اس شخص کے حق میں کیا حکم عنایت کرتی ہے؟

جواب

وسعت ہو تو تین روپیہ ورنہ ڈیڑھ روپیہ کفارہ دے۔

فتاوٰے ستاریہ جلد اول ص۴۷

**سوال** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱؎ جمعہ دیہات میں پڑھا جاوے یا نہ اگر پڑھا جاوے تو احتیاطاً ظہر یا غیر۔



۲؎ جواثی قریہ ہے یا شہر اس میں جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا، یا اصحابوں نے رضوان اللہ علیہم

۳؎ وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے کتنے فاصلے پر ہے ؟

۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو اس وقت بادشاہ تھے یا نہیں ؟

۵؎ حضرت علی رض کا قول لاجمعۃ ولاتشریق الخ کیا صحیح ہے یا ضعیف ہے ؟

۶؎ حدیث ابن ماجہ جس سے جمعہ ہونے کے لئے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے، وہ کیا ہے اور کیسی ہے، صحیح ہے یا ضعیف اور قرآن سے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے یا نہ ؟ بینوا توجروا ۔

**الجواب** جمعہ دیہات میں وجوباً و فرضاً پڑھنا چاہیئے، اس واسطے کہ ادلۂ ثبوت وجوب جمعہ عام ہیں ۔ جیسے آیت اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الایۃ ۱؎ اور حدیث الجمعۃ واجب علی کل محتلم رواہ ابوداؤد والنسائی ادلۂ ثبوت وجوب جمعہ سے جیسے شہر میں جمعہ واجب و فرض ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح دیہات میں بھی ، اور عام جب تک اس کے مقابل کوئی خاص موازن اس کی صحت میں نہ پایا جاوے، اپنے عموم پر محمول ہوتا ہے اور ادلۂ ثبوت وجوب کی اپنے عموم پر باقی رہنے کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے جن کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے ۔ عن عمر انہ کتب الی اھل البحرین ان جمعوا حیثما کنتم ۲؎ قال الحافظ وھذا یشمل المدن والقری قال اخرجہ ابن ابی شیبۃ ایضا من طریق ابی رافع عن ابی ھریرۃ عن عمر وصححہ ابن خزیمۃ وروی البیہقی من طریق الولید بن مسلم سألت اللیث ابن سعد فقال کل مدینۃ او قریۃ فیھا جماعۃ امروا بالجمعۃ فان اھل مصر وسواحلھا کان یجمعون الجمعۃ علی عھد عمر وعثمان بامرھما وفیھما رجال من الصحابۃ وعند عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن عمر انہ کان یری اھل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیھم کذا فی فتح الباری جز ۳ مطبوعہ مصر - ان روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جو ادلۂ ثبوت وجوب جمعہ کے عموم پر دلالت کرتی ہیں ۔ واللہ تعالےٰ اعلم

---

۱؎ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، اور حدیث جمعہ ہر جوان آدمی پر واجب ہے ۔

۲؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کو لکھا کہ جہاں بھی تم ہو جمعہ پڑھا کرو ۔ حافظ نے کہا یہ شہروں اور بستیوں دونوں کو شامل ہے ۔

ما جواثی قریہ ہے، شہر نہیں ہے، صحیح بخاری میں ہے عن ابن عباس قال اوّل جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین وفی روایۃ لابی داؤد قریۃ من قری البحرین یعنی مسجد نبوی میں جمعہ ہونے کے بعد اوّل جمعہ مقام جواثی میں ہوا اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، دیکھو ابوداؤد کی نفس روایت سے جواثی کا قریہ ہونا نصاً وصراحتاً ثابت ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں قولہ بجواثی من البحرین وفی روایۃ وکیع قریۃ من قری البحرین وفی اخری عنہ من قری عبد القیس یعنی وکیع کی روایت میں ہے کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے اور ان کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جواثی عبد القیس کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ بحرین ایک شہر[1] ہے اور اس شہر کے متعلق متعدد قریے ہیں، انہی قریوں میں سے جواثی بھی ایک قریہ ہے۔ اور علامہ جوہری اور زمخشری اور ابن الاثیر نے جو لکھا ہے کہ جواثی بحرین کا ایک قلعہ کا نام ہے سو یہ جواثی کے قریہ ہونے کے منافی نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ شہر بحرین کا جواثی ایک قریہ ہے اور اسی قریہ میں قلعہ ہے۔ پس جواثی کو قریہ کہنا بھی صحیح ہے اور جواثی کو قلعہ کہنا بھی صحیح ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، وحکی الجوھری والزمخشری وابن الاثیر ان جواثی اسم حصن بالبحرین وھذا لا ینافی کونھا قریۃ اور علامہ ابن التین نے ابوالحسن لخمی سے جو نقل کیا ہے کہ جواثی ایک شہر ہے، سو ابوالحسن کا یہ قول قابل اعتبار اور لائق اعتماد کے نہیں ہے۔ کیونکہ جب خود حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، تو بمقابلہ اس کے ابوالحسن کا یہ قول کہ جواثی ایک شہر ہے کب قابل التفات ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد جواثی قریہ سے شہر ہو گیا ہو، اسی بنا پر ابوالحسن نے جواثی کو شہر کہا ہو، جیسے مرور زمانہ کے بعد بہت سے قریہ آباد ہوتے ہوتے شہر بن جاتے ہیں اور بہت سے شہر ویراں ہوتے ہوتے قریہ ہو جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: وحکی ابن التین عن ابی الحسن

---

ولید بن مسلم نے کہا، میں نے لیث بن سعد سے پوچھا کہ انہوں نے کہا، ہر شہر یا بستی جس میں کوئی جماعت ہو وہاں کو حکم دیا گیا ہے، اہل مصر اور دریا کے کنارے پر رہنے والے حضرت عمر و عثمان کے زمانہ میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھا کرتے تھے، حالانکہ ان میں بعض صحابہ بھی موجود تھے، حضرت عبداللہ بن عمر مکہ اور مدینہ کے درمیان چشمے والوں کو دیکھتے کہ وہ اپنے خیموں میں جمعہ پڑھتے تھے اور عبداللہ بن عمر ان کو منع نہ کرتے تھے۔ لے جوہری و زمخشری اور ابن اثیر نے بیان کیا کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ کا نام ہے اور یہ

---

(۱) صراح میں ہے کہ بحرین نام شہر ہے ۱۲۔

الغنی انها مدینة وما ثبت فی نفس الحدیث من کونها قریة اصو مع احتمال ان تکون فی الاولی قریة ثم صارت مدینة انتهی اور قریہ جواثی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا ہے بلکہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے پڑھا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ صحابہؓ نے جواثی میں آپ کے حکم سے جمعہ پڑھا، اس واسطے کہ صحابہ کی یہ عادت تھی، کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی کام شرعی امر دینی محض اپنی طرف سے قائم وجاری نہیں کرتے تھے، امام بیہقی معرفۃ السنن میں فرماتے ہیں آنکا نوا لا یستبدون بامور الشرع بجمیل نیاتهم فی الاسلام فالاشبه انهم لم یقیموا فی هذه القریة الا بامر النبی صلی الله علیه وسلم انتهی حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں ، والظاهر ان عبد القیس لم یجمعوا الا بامر النبی صلی الله علیه وسلم لما یعرف من عادة الصحابة من عدم الاستبداد بالامور الشرعیة فی زمن الوحی ولانه لو کان ذلک لا یجوز لنزل فیه القران کما استدل جابر وابو سعید علی جواز العزل فانهم فعلوه والقران ینزل فلو ینهوا عنه انتهی والله اعلم

سے وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر یا ایک میل سے کچھ کم یا زیادہ پر واقع ہے اس واسطے کہ وادی بنی سالم مدینہ اور قبا کے درمیان واقع ہے۔ اور قبا مدینہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تلخیص الحبیر میں ہے روی البیهقی فی المعرفة عن المغازی ابن اسحٰق وموسی بن عقبة ان النبی صلی الله علیه وسلم حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی هجرته الی المدینة مر علی بنی سالم وهی قریة بین قبا والمدینة فادرکته الجمعة فصلی فیهم الجمعة وکانت اول جمعة صلاها حین قدم اور مجمع البحار میں ہے۔ قبا بضم قاف وفتح موحدة معروف وقصر موضع میلین او ثلاثة من المدینة - والله تعالیٰ اعلم

---

(بقیہ) بستی ہونے کے منافی نہیں ہے ابوالحسن لکھنوی کہتے ہیں کہ جواثی شہر ہے اور جو حدیث میں بستی کا لفظ آیا ہے ممکن ہے کہ پہلے وہ بستی ہو اور بعد میں شہر بن گیا ہو ۱۲ لے اپنی نیتوں کے اچھا ہونے کے باوجود وہ شرعی کاموں کو از خود شروع نہیں کیا کرتے تھے تو گمان یہی ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے شروع کیا ہوگا۔ لے ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جمعہ شروع کیا تھا کیوں کہ صحابہ کی عادت معلوم ہے کہ وہ امور شرعیہ کو از خود شروع نہیں کیا کرتے تھے، اور اگر بستی میں جمعہ ناجائز ہوتا، تو قرآن نازل ہو رہا ہے اس میں اس کی مخالفت نازل ہو جاتی، جیسا کہ عزل کے جواز میں جابر اور ابوسعید نے قرآن ... سے استدلال کیا تھا۔ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی عمرو بن عوف کے محلہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو بنی سالم کی بستی میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اور یہ بستی قبا اور مدینہ کے درمیان تھی (بقیہ آگے)

(۴) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سے مبعوث ہوئے اسی وقت سے آپکو نبوت اور حکومت وسلطنت عطا ہوئی مگر زمانہ ہجرت تک آپ کو غلبہ نہیں تھا اور اسلام میں اس وقت اور اس کے بعد کچھ اور دنوں تک ہر طرح کی غربت تھی۔

(۵) حضرت علی رضہ کا یہ قول صحیح ہے، ابن حزم نے اس قول کی تصحیح کی ہے، جیسا کہ نیل الاوطار صفحہ ۲ جلد ۳ میں علامہ شوکانی نے لکھا ہے اور حافظ ابن حجر درایہ میں لکھتے ہیں حدیث[1] لاجمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع لم اجدہ وروی عبد الرزاق عن علی موقوفا لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع واسنادہ صحیح انتہی اور فتح الباری صفحہ ۳ جلد ۲ میں لکھتے ہیں ومثل[2] ذلک حدیث علی لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجہ ابو عبید باسناد صحیح الیہ موقوفا۔ مگر یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت علی رضہ کے اس قول سے (جس میں قیاس واجتہاد کو دخل ہے۔ اور ساتھ اس کے آیت قرآن واحادیث صحیحہ کے اطلاق وعموم کے خلاف ہے۔ ونیز اقوال وافعال دیگر صحابہ کے معارض ہے ونیز معلوم نہیں کہ اس قول میں مصر سے ان کی کیا مراد ہے اور اس قول سے ان کا اصل مقصود کیا ہے۔) صحت جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اور اس قول سے آیت قرآنیہ واحادیث مرفوعہ کی ہرگز ہرگز تخصیص نہیں ہو سکتی۔

(۶) ابن ماجہ کی وہ حدیث یہ ہے۔ حدثنا[3] محمد بن عبد اللہ بن نمیر ثنا الولید بن بکیر حدثنی عبد اللہ بن محمد العدوی عن علی بن زید عن سعید بن المسیب عن جابر بن عبد اللہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتعلمون ان اللہ قد افترض علیکم الجمعۃ فی مقامی ھذا فی یومی ھذا فی شہری ھذا من عامی ھذا الی یوم القیمۃ فمن ترکہا فی حیاتی او بعدی ولہ امام

---

(بقیہ) وہاں آپ نے جمعہ پڑھایا اور یہ ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ تھا۔ تکلہ قبا مدینہ منورہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے ۱۲

[1] یہ حدیث کہ جمعہ تشریق اور عید الفطر و عید الاضحیٰ بڑے شہر میں ہوتی ہے یہ حدیث کہیں نہیں دیکھی گئی ال حضرت علی رضہ کا قول ہے یعنی حدیث موقوف ہے اور سند صحیح ہے۔

[2] حدیث لاجمعۃ ولا تشریق حضرت علیؓ کا موقوف قول ہے۔ اور اس کی سند صحیح ہے ۱۲

[3] جابرؓ نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ کو فرض کیا ہے۔ میرے اس مقام اس دن، اس شہر اس سال میں اور قیامت تک فرض ہے۔ جس نے اس کو میری زندگی یا وفات کے بعد چھوڑ دیا، اور اس کا کوئی امام عادل یا ظالم ہو۔ الحدیث ۱۲

عادل او جائز للحدیث یہ حدیث بالکل ہی ضعیف ہے، اس حدیث کا راوی عبداللہ بن محمد العدوی متروک الحدیث ہے۔ امام وکیع نے فرمایا ہے کہ یہ عبداللہ بن محمد العدوی جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے یعنی اس شخص سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں ہے، ابن حبان نے فرمایا کہ اس شخص کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ تقریب التہذیب میں ہے۔ عبد اللہ بن محمد العدوی متروک الحدیث رماہ وکیع بالوضع انتہی[1] میزان الاعتدال میں ہے۔ قال البخاری منکر الحدیث وقال وکیع یضع الحدیث وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بخبرہ انتہی[2] اور میزان میں ابان بن جبلہ کے ترجمہ میں مرقوم ہے نقل ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ انتہی[3] اور عبداللہ بن محمد العدوی کے علاوہ اس حدیث کے بعض اور راوی بھی ضعیف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث بالکل ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے اور قرآن سے صحت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا نہیں نکلتا، بلکہ قرآن سے یہ نکلتا ہے کہ اقامت جمعہ ہر مقام میں جائز و درست ہے، دیہات ہو یا شہر بادشاہ ہو یا نہ ہو، اور اقامت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، واللہ تعالٰے اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین (فتاوٰے نذیریہ جلد اوّل [illegible])

---

**سوال**: از فقیر حقیر ابوتراب محمد عبدالرحمٰن گیلانی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بخدمت شریف شیخ العرب والعجم، محی السنۃ وقامع البدعۃ، شمس العلماء جناب حضرت مولانا مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دام فیضہم واضح رائے عالی باد، میں نے ایک رسالہ مسمّٰی بازالۃ الشبہۃ عن فرضیۃ الجمعۃ مع ترجمہ، مطبوعہ احمدی لاہور کو اوّل سے آخر تک دیکھا اس رسالہ کے صفحہ ۴ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: وقال ابن ابی شیبۃ حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ عن سعد بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمٰن انہ قال قال علی رضی اللہ عنہ لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع[4] ذکرہ العینی فی عمدۃ القاری وسندہ صحیح اب التماس ہے۔

---

[1] عبداللہ بن محمد عدوی متروک ہے وکیع نے کہا یہ حدیثیں بناتا تھا۔

[2] بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے وکیع نے کہا یہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں۔

[3] امام بخاری نے کہا ہر وہ آدمی جس کے متعلق میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

[4] حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے کہا کہ جمعہ اور تشریق بڑے شہر ہی میں ہے۔

کہ اس ناچیز کے پاس اسماء الرجال میں تین ہی کتابیں ہیں، میزان الاعتدال، تقریب التہذیب، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال راقم خاکسار کے مسکن کی جگہ بہت چھوٹی سی بستی ہے، بعض بھائی احناف اس رسالہ کو دیکھ کر مجھ پر بڑا اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ تم ایسی بستی میں کیوں جمعہ پڑھتے ہو، کتب مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جریر جو اس میں راوی ہے منصور سے اگرچہ رواۃ صحاح سے ہے لیکن متکلم فیہ ہے اور منصور ان کا استاد ہے، لیکن ان کے ہم نام بہت سے راوی ہیں کوئی ثقہ ہے اور کوئی ضعیف اور یہ معلوم نہیں کہ طلحہ سے کون منصور روایت کرتا ہے اور طلحہ کے بھی ہم نام بہت سے ہیں، کوئی ثقہ کوئی ضعیف اور معلوم نہیں، کہ کون طلحہ سعد بن عبیدہ سے روایت کرتا ہے اور سعد بن عبیدہ ثقہ ہیں، لیکن ابی عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں اور ابی عبدالرحمٰن کے ہم نام بھی بہت ہیں کوئی مجہول اور کوئی غیر مجہول، لیکن جو ابی عبدالرحمٰن حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں ان کا پتہ ان کتابوں سے نہیں لگتا ہے، الحاصل جریر کو منصور سے تلمذ ضرور ہے لیکن منصور کو طلحہ سے اور طلحہ کو سعد بن عبیدہ سے اور سعد بن عبیدہ کو ابی عبدالرحمٰن سے اور ابی عبدالرحمٰن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہرگز تلمذ نہیں معلوم ہوتا ہے اب التماس یہ ہے کہ عینی نے سند مذکور کو جو صحیح کہا ہے، آیا یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا نہ، کتب مذکورہ و دیگر کتب رجال سے سند مذکور کی تنقید فرمائی جاوے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اثر علیؓ کی سند مذکور کو صحیح کہا ہے سوان کا یہ کہنا صحیح[1] ہے، قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار صفحہ ۱۱۰ جلد ۳ میں لکھا ہے کہ ابن حزم نے اثر علیؓ کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن حجر درایہ صفحہ ۱۳۱ تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں حدیث[1] لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لم اجدہ وروی عبد الرزاق عن علیؓ موقوفا لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع واسنادہ صحیح ورواہ ابن ابی شیبۃ مثلہ وزاد ولا فطر ولا اضحی وزاد فی اخرہ او مدینۃ عظیمۃ واسنادہ ضعیف، اور فتح الباری صفحہ ۲۰۳ جلد دوم مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں ومن[2] ذلک حدیث علی لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجہ ابو عبیدۃ باسناد صحیح الیہ موقوفا اگر واضح رہے کہ حضرت علیؓ کے اس اثر کے

[1] حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث میں نے کہیں نہیں دیکھی عبدالرزاق نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، ابن ابی شیبہ میں او مدینۃ عظیمۃ (یا کسی بڑے شہر میں) کے الفاظ زائد ہیں ۱۲

[2] اور اس سے حضرت علی کی موقوف حدیث ہے، لا جمعۃ ولا تشریق الخ کو ابو عبیدہ نے صحیح سند سے موقوفاً روایت کیا ۱۲۔

[1] قول صحیح ہے، اقول: اس لیے کہ سند مذکور میں منصور ابن المعتمر ہے اور طلحہ ابن مصرف ہے اور ابو عبدالرحمٰن سلمی ہے جن کا نام عبداللہ ابن حبیب ہے اور یہ سب راوی ثقات رجال صحیحین وغیرہ میں سے ہیں۔ البتہ جریر بن عبدالحمید مذکور کو آخر عمر میں وہم ہو گیا تھا۔ اور علاوہ

صحیح ہونے سے قریٰ اور بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اولاً اس وجہ سے کہ حضرت علیؓ کا یہ قول ایک ایسا قول ہے، جس میں قیاس و اجتہاد کو دخل ہے اور صحابی کا ایسا قول بالاتفاق حجت نہیں ہے، علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں وللاجتہاد فیہ مسرح فلا ینتہض للاحتجاج بہ انتہی ثانیاً اس وجہ سے کہ آیت قرآنیہ و احادیث مرفوعہ مطلق و عام ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر اور غیر مصر ہر مقام میں اقامت جمعہ جائز و درست ہے۔ پس یہ نصوص مطلقہ و عامہ حضرت علی رضؓ کے اس قول کے منافی ہیں اور صحابی کا ایسا قول جس سے احادیث مرفوعہ و آیات قرآنیہ سے نفی ہوتی ہو، وہ قول بالاتفاق حجت نہیں، فقہائے حنفیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، ثالثاً اس وجہ سے کہ آیت یاایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ[1] ہر مکلف کو عام ہے اور ہر مکان مصر و غیر مصر کو شامل ہے، پس اس آیت قرآنیہ کے عموم سے مصر و غیر مصر، ہر جگہ و ہر مقام میں اقامت جمعہ کا جائز و درست ہونا صاف و روشن ہے۔ علامہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں ودلیل الافتراض من کلام اللہ تعالیٰ علی العموم فی الامکنۃ انتہی[2]

پس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ بستیوں اور دیہاتوں میں اقامت جائز نہیں، بلکہ فقط مصر ہی میں جائز ہے، تو حضرت علیؓ کے اس قول سے آیت قرآنیہ کی تخصیص لازم آتی ہے حالانکہ صحابی کے قول سے قرآن کی تخصیص بالاتفاق جائز نہیں ہے، نہایت تعجب ہے علمائے حنفیہ سے کہ ان کے تمام اصول کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اخبار احاد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے چنانچہ تلویح میں ہے لا یجوز تخصیص الکتاب بخبر الواحد لان خبر الواحد دون الکتاب ولانہ ظنی والکتاب قطعی فلا یجوز تخصیصہ لان التخصیص تغییر والتغییر لا یکون الا بما یساویہ او یکون فوقہ انتہی یعنی خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں کیوں کہ خبر واحد کا درجہ قرآن کے درجے سے ادنیٰ ہے۔ اس لئے کہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن قطعی ہے

---

[1] اے ایمان والو! جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ [2] اللہ تعالیٰ کے قول سے جمعہ ہر جگہ فرض ہونے کی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عموم الامکنہ کے لئے فرض کیا ہے۔

---

بقیہ حاشیہ

طلحہ بن مصرف کے ہر ایک راوی کو اپنے استاذ سے تلمذ اور سماع ثابت ہے اور طلحہ بن مصرف کی، اگرچہ سعید بن عبیدہ سے سماع کی تصریح نہیں، مگر سماع ممکن ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں تابعی کوفی ہم عصر ہیں اور پھر طلحہ باوجود ثقہ اور غیر مدلس ہونے کے روایت بھی کرتا ہے تو سماع ضروری ہوا مزید برآں عبدالرزاق کی صحیح روایت میں زبید یامی نے طلحہ کی تحدیث بھی کی ہے۔ لہٰذا سند مذکور کو بقول امام مسلم صحیح کہنا صحیح ہے۔

واللہ اعلم ہذا منقولاً من تہذیب التہذیب و نصب الرایہ۔ ابو سعید شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ

پس خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں، اس وجہ سے کہ تخصیص کے معنی ہیں متغیر کر دینا اور بدل دینا اور کسی شے کا متغیر کرنا اور اس کو بدل دینا اسی چیز سے ہوگا، جو اس شے کے مساوی ہو یا اس سے بڑھ کر ہو، یہی مضمون اصول فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے مگر باوجود اس کے وہ حضرت علیؓ کے قول مذکور سے جو خبر واحد کے درجہ میں بھی نہیں ہے۔ آیت مذکورہ کی تخصیص کرتے ہیں اور اس کے حکم عام کو اس قول سے منسوخ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اقامت جمعہ فقط مصر میں درست و جائز ہے اور غیر مصر میں ناجائز و نادرست، دیکھو علمائے حنفیہ کا یہ منہج کس قدر قابل تعجب ہے، و ایضاً اس وجہ سے کہ اگر حضرت علیؓ کے قول سے غیر مصر میں جمعہ کا ہونا ناجائز نکلتا ہے تو حضرت عمر و عثمان و ابوہریرہؓ و ابن عمر و غیرہم رضی اللہ عنہم کے افعال و اقوال سے غیر مصر میں جمعہ کا جائز و درست ہونا ثابت ہوتا ہے پس چونکہ ان اصحاب رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کا لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا ترک کرنا لازم ہے یا حضرت علیؓ کے قول کو اور ان صحابہؓ کے اقوال کو ترک کرنا اور قول اللہ اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا لازم ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا[1] اور جب کہ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یعنی قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیا، تو ثابت ہوا کہ اقامت جمعہ مصر و غیر مصر ہر جگہ جائز و درست ہے پس اسی کو لینا اور اسی پر عمل کرنا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ          سید محمد نذیر حسین          (فتاوےٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۹۰)

---

**سوال**: احقر العباد سلیم الدین و عباد الحق ساکن ضلع ڈھاکہ بحکم آیت کریمہ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ، بخدمت علمائے محققین دیندار و دل سوال می کنند کہ دریں ولا بعضے عالم ایں اطراف فتوےٰ بعدم فرضیت جمعہ و عدم صحت آں میدہند ازیں باعث بسیارے عوام ترک جمعہ کردند و مستمسک بعض علمائے ایں جا بہدایہ است، کہ لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ و رسول کے پاس لے آؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت بہتر ہے اور اسی کا انجام اچھا ہے۔

سوال: احقر العباد سلیم الدین و عباد الحق علمائے محققین کی خدمت میں التماس ہے کہ بعض عالموں نے اس علاقہ میں عدم فرضیت جمعہ کا فتوےٰ دے رکھا ہے اور اس وجہ سے بہت سے عوام نے جمعہ چھوڑ دیا ہے اور وہ استدلال میں ہدایہ کی عبارت پیش کرتے ہیں کہ جمعہ مصر

نہ آیت مذکورہ اور احادیث مرفوعہ کے موافق ہیں لہٰذا ان میں صحابہ کے اقوال و افعال

لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى الا في مصر جامع والمصر الجامع كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وهذا عن ابي يوسف رحمه الله عليه وعنه انهم اذا اجتمعوا في اكبر مساجدهم لم تسعهم والاول اختيار الكرخي وهو الظاهر والثاني اختيار البلخي انتهى ما في الهداية پس بموجب اختیار کرخی فتوے در عدم جواز جمعہ در دیہا می فرمایند، ولہذا اکثر مردم جمعہ را گذاشتند و اختیار بلخی را اعتبار نمی کنند با وجودیکہ صاحب شرح وقایہ و در مختار اختیار بلخی را اختیار نمودند، و ہمیں را مذہب اکثر متاخرین گفتہ و قطع نظر ازیں فرضیت جمعہ بدلیل قطعی است و شرط مصر جامع بصفات مذکورہ و وجود سلطان از خبر احاد استنباط کردہ اند، و اکثر ائمہ دیگر در دیہات جمعہ را روا می دارند، و در اصول حنفیہ مثل شاشی و نور الانوار و توضیح وغیرہ می نویسند ان خبر الواحد يرد في معارضة الكتاب لان الكتاب مقدم لكونه قطعيا متواتر النظم لا شبهة في متنه كذا في التوضيح وغيره لہذا نیت دل را در جواز وضو شرط نمی گویند و ہم چنیں دیگر جزئیات فقہیہ براین شاہد است، پس مصر جامع کہ دراں قاضی و حاکم تنفیذ احکامات کند قرار دادہ اند، چناں کہ مسلک کرخی است چگونہ شرط ادائے جمعہ بخبر واحد گردد و بفوت ایں شرط جمعہ فوت شود، چہ بریں تقدیر زیادت خبر واحد بر کتاب اللہ لازم می آید و ایں مخالف قاعدہ کلیہ حنفیہ می شود، پس قبول و وجوب ادائے جمعہ بروایت کرخی می باید یا بروایت بلخی دریں دیار فتوے دادن لازم است۔ بینوا توجروا

---

جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں ہے اور بستیوں میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ مصر جامع کے سوا جائز نہیں ہے اور مصر جامع ہر وہ مقام ہے جہاں کوئی امیر اور قاضی ہو جو احکام جاری کرے اور حدود قائم کرے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں سما نہ سکیں، ابو یوسف کے مذہب کو کرخی نے اختیار کیا ہے اور دوسرے کو بلخی نے۔

پس کرخی کی روایت کی بنا پر آج علما عدم جمعہ کا فتوے دے رہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ جمعہ چھوڑ رہے ہیں۔ اور بلخی کی روایت کو اختیار نہیں کرتے، حالاں کہ صاحب شرح وقایہ و در مختار نے بلخی کے پسندیدہ قول کو پسند کیا ہے۔ اور متاخرین میں سے اکثر کا مذہب بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قطع نظر جمعہ کی فرضیت آیت قرآن سے ثابت ہے۔ اور اصول فقہ کی کتابوں مثلاً اصول شاشی، نور الانوار، اور توضیح میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے۔ کہ خبر واحد قرآن کی مخصص نہیں ہو سکتی اور یہاں ایسے ہی اصول کے برخلاف ان شرائط کو جو مرفوع حدیث بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ قرآن کا مخصص قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا جائے اس ملک میں کرخی کے قول کے مطابق فتوے دینا چاہیے یا بلخی کے مطابق۔

**الجواب**: در صورت مرقومہ باید دانست کہ شرائط صحت ادائے جمعہ در مذہب حنفی شش چیز است اوّل مصر و فنائے آن، دوم وجود سلطان، سوم وقت ظہر، چہارم خطبہ بقدر یک تسبیح، پنجم جماعت و اقل آن یک امام و سہ نفر مقتدی و محل اختلاف فرض بودن جمعہ و عدم فرضیت آن درین دیار تمام ہندوستان باختیار کردن مسلک کرخی است در تعریف مصر پس در مقامیکہ تفسیر مصر بر مسلک کرخی یافتہ شود جمعہ فرض گردد، و در ان مقام و جائیکہ نیافتہ شود، فرض دران جا نخواہد بود، و حالانکہ جمعہ مطلقاً فرض است بقطع از شرط مصر و وجود سلطان بدلیل قطعی لقولہ تعالے:۔

یاایہا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الاٰیۃ وبر فرضیت آن اجماع واقع گشتہ، و شرط مصر و وجود سلطان دران حسب اختیار مسلک کرخی ظنی و مختلف فیہ است، و امر ظنی امر قطعی را فی الواقع معارض نمی تواند شد، و ظنی مختلف فیہ چگونہ معارض گردد امر قطعی را چہ اکثر ائمہ این ہر دو شرط را اصلاً وجوباً نمی کنند، لہٰذا ادائے جمعہ در دیہات و قرئے نیز تجویز می نمایند، بدلیل اینکہ اسعد بن زرارہ قبل تشریف آوری آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در مدینہ منورہ جمعہ نموا مدہ بود در مدینہ مطہرہ بحکم ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از مکہ معظمہ چنانکہ از تفسیر نیشاپوری وغیرہ ہویدا می گردد، و از بحر الرائق و شمنی شرح نقایہ و محلی شرح موطا مولوی سلام اللہ صاحب وغیرہ نیز مستفاد می شود، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روز دوشنبہ در مدینہ منورہ رونق افروز شدند و چہار روز بخانہ بنی عمرو بن عوف اقامت فرمودند، و روز جمعہ از خانہ بنی عمرو تشریف فرما بود بسوئے بنی سالم بن عوف آمدند، و در مسجد بنی سالم کہ متصل وادی بود نماز جمعہ نمودند، و ہنوز مسجد نبوی تعمیر نہ شدہ بود و تسلط تمام اہل اسلام بر اجرا و تنفیذ احکام حدود و قصاص در مدینہ ابتداءً واقع نگردیدہ بود اصلاً بلکہ نفس احکام حدود و قصاص ہنوز شروع نگشتہ بود چنانکہ تفصیل این اجمال عنقریب می آید پس دریں صورت مسلک بلخی را اختیار کردن واجب است درین دیار چہ روایت بلخی موافق تعریف صحیح مذکورہ بالا است و نیز شامل اکثر بلاد و قصبات ما ست بخلاف مسلک

---

الجواب:۔ جاننا چاہیے کہ جمعہ ادا کرنے کے لئے احناف کے نزدیک چھ شرطیں ہیں، شہر یا اس کا میدان، وجود سلطان، وقت ظہر، خطبہ بقدر ایک تسبیح، جماعت اور کم از کم امام کے علاوہ تین آدمی ہوں۔ ہندوستان کے تمام علاقوں میں جمعہ کی فرضیت یا عدم فرضیت کا اختلاف کرخی کی روایت پر ہوگا۔ پس جس جگہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر (شہر) کی تعریف صادق آئے گی، وہاں جمعہ درست ہوگا اور جہاں وہ تعریف صادق نہ آئے گی، وہاں جمعہ درست نہ ہوگا۔ حالانکہ جمعہ مطلقاً فرض ہے۔ اس میں مصر اور سلطان کی کوئی شرط نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو تو ایمان والو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ آؤ اور جمعہ کی فرضیت پر اجماع واقع ہے اور مصر اور وجود سلطان کی شرائط ظنی اور مختلف فیہ ہے اور امر ظنی امر قطعی کا معارض نہیں ہو سکتا، اور پھر اگر ظنی بھی

کرخی، و ظاہر است کہ جمعہ از عمدہ شعائر اسلام است و بر مسلک کرخی درہم و برہم می شود، لہٰذا اکثر متاخرین حنفیہ مسلک بلخی را واجب العمل دانستہ مختار نوشتہ اند، چنانکہ از تنویر الابصار، و در مختار و ملتقی و شرح وقایہ وغیرہ واضح می شود، و از ارکان اربعہ مولانا عبد العلی الکنوی قوت و ضعف مسلک کرخی بر طالب مستفتی منکشف خواہد بود، ویشترط لصحتہا المصر وھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بہا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء لظہور التوانی فی الاحکام کذا فی تنویر الابصار والدر المختار ومنہج الغفار وشرح الوقایۃ و مختصر الوقایۃ ومولانا عبد العلی در ارکان اربعہ می فرمایند اختلف الروایات فی مذہبنا ففی ظاہر الروایات ھو بلدۃ لہا امام وقاض یصلح لاقامۃ الحدود وفی فتح القدیر بلدۃ فیہا سکک واسواق ووال ینتصف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیہ فی الحوادثات وھذا اخص وحملوا قول امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ علی ما رواہ عبد الرزاق لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع علی احدی ھاتین الروایتین فان المصر الجامع لا یکون الا ما ھذا شانہ وعلی التفسیر الاول المصر الذی والیہ کافر لا تجب فیہ الجمعۃ وعلی التفسیر الثانی لا تجب فی المصر الذی والیہ ظالم لا ینتصف المظلوم من الظالم ویرد ھذین الروایتین ان الصحابۃ والتابعین لم یترکوا الجمعۃ فی زمان یزید الشقی مع انہ لا شبہۃ فی انہ کان من اشد الناس ظلما بالاجماع لانہ ھتک حرمۃ اھل البیت بقی

---

مختلف فیہ ہو تو اس کی کیا حیثیت ہے۔ کہ اکثر ائمہ کے نزدیک ان شرائط کا اعتبار نہیں ہے اور اسی بنا پر انہوں نے دیہات میں جمعہ کا فتویٰ دیا ہے اور ان کی دلیل اسعد بن زرارہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے حضور کے حکم سے مدینہ میں جمعہ پڑھایا۔ تفسیر نیشاپوری، بحر الرائق اور شمنی وغیرہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ مولانا سلام اللہ محلی لکھتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے، چار روز بنی عمرو بن عوف کے پاس گذارے اور جمعہ کے دن بنی عمرو سے بنی سالم کی طرف آئے اور مسجد بنی سالم میں جو کہ وادی کے متصل تھی، جمعہ کی نماز ادا فرمائی ابھی مسجد نبوی کی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اہل اسلام کا مدینہ پر پورا تسلط نہیں تھا۔ تنفیذ احکام و اجرائے حدود و تردد کا ابھی حدود کا وجود بھی نہ تھا۔ پس اس صورت میں بلخی کا مسلک اختیار کرنا ضروری ہے جو کہ واقعہ کے مناسب ہے اور اکثر شہروں اور قصبوں میں اس سے جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ جمعہ اسلام کے عمدہ شعائر میں سے ہے۔ اور کرخی کے مسلک سے یہ درہم اور برہم ہو جاتا ہے لہٰذا اکثر متاخرین فقہاء نے بلخی کا مسلک اختیار کیا ہے۔ مولانا عبد العلی نے کرخی کے مسلک پر ایک عمدہ تبصرہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمادیں۔ جمعہ کی فرضیت کے لئے ایک تو مصر کی شرط ہے اور شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے رہنے والے نہ سما سکیں اسی پر اکثر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ آج کل احکام

مُصِرًّا علیه ولم یجر علیه وقت الارکان الا هو بصدد الظلم من اباحة دماء الصحابة الاخیار ولما انصاف المظلوم من الظالم فبعید منه کل البعد فافهم وفی روایة الامام ابی یوسف المصر موضع یبلغ المقیمون فیه عددا لا یسعهم اکبر مساجده ایاهم فی الهدایة هو اختیار البلخی وبه افتی کثیر من المشائخ لما رأوا فساد اهل الزمان والولاة فان شرط اقامة الحدود وانصاف المظلوم من الظالم ینفی وجوب الجمعة مع انها من شعائر الاسلام ونحن نقول قد وقع التهاون فی اقامة الحدود وانصاف المظلوم من الظالم فی امارة بنی امیة بعد وفات معاویة الا فی زمان عمر بن عبد العزیز قدس سره وفی امارة بعض العباسیة ولم یترک الجمعة احد من الصحابة والتابعین وتبعهم فعلم انهما لیسا بشرطین فاذن قابل الفتوی فی مذهبنا الروایة المختارة للبلخی ومنها السلطان او امره باقامة الجمعة عند الحنفیة خاصة لا عند الشافعیة فانهم یقولون اذا اجتمع مسلموا بلدة وقدموا اماما وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة والمامور من قبل السلطان افضل ولم اطلع علی دلیل یفید اشتراط امر السلطان وما فی الهدایة لانها تقام بجماعة فعسی ان تقع منازعة فی التقدم والتقدیم لان کل انسان یطلب لنفسه رتبة فلا بد من امر السلطان لیدفع هذه المنازعة فهذا رای لا یثبت الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعة ثم هذه المنازعة تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما ان رتبة السلطان یطلبها کل احد من الناس فعسی ان تقع المنازعة فلا یصح نصب السلطان لکن تندفع هذه المنازعة باجماع المسلمین علی تقدیم واحد فکذا هذا وکما فی جماعة الصلوة عسی ان تقع المنازعة فی تقدیم رجل لکن تندفع

---

میں سستی پائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے مذہب کی روایات میں اختلاف ہے ظاہر روایت یہ ہے کہ شہر وہ ہے جس میں کوئی امام یا قاضی ہو جو حدود قائم کرے۔ فتح القدیر میں ہے [illegible] جس کے کوچے اور بازار ہوں جس میں حاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کا انصاف دلا سکے جس میں کوئی بڑا عالم ہو جو مسائل میں [illegible] رہے کے اور یہ اس سے خاص ہے حضرت علی کے قول لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جس کو عبدالرزاق نے بیان کیا [illegible] دو مطلب بیان کئے گئے ہیں تو مصر جامع وہ ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں۔ پہلی تفسیر کے مطابق جس شہر کا والی کافر ہو جمعہ فرض نہ ہوگا۔ اور یہ دونوں شرطیں مردود ہیں صحابہ نے یزید کے زمانہ میں جمعہ نہ چھوڑا حالانکہ اس کے ظالم ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔ اس نے اہل بیت کی حرمت ختم کی مدینہ پر چڑھائی کی [illegible] گیا اس کے ظالم ہونے میں شک ہے؟ اور پھر صحابہ نے ان دنوں میں جمعہ کیوں نہ چھوڑ دیا۔ اب الرصرف اس بنا پر بلخی کی روایت قبول ہے

باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المومنین عثمان وکان ھو اماما حقا محصورا ولم یعلم انھم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاھر عدم الاذن لان ھؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشرلم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروط عندھم بالاذن ولعل لھذہ الواقعۃ رجع المتاخر عن ھذا الشرط فیما تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم کذا فی العالمگیریۃ ناقلا عن التھذیب انتھی۔

کلام مولانا المرحوم فی الارکان الاربع۔

پس بر متبصران شریعت غرا مخفی مباد کہ از تقریر مولانا مرحوم صاف واضح میشود کہ شرط مصر موافق مسلک کرخی و شرط وجود سلطان از دلائل شرعیہ مضبوط نیست کہ بفوت آنہا جمعہ فوت گردد و صحیح نشود و چناں کہ بر متاملان نصوص پوشیدہ نباشد قطع نظر ازیں اذن سلاطین سابقہ در ادائے جمعہ برائے اماماں و قاضیان ایں دیار نسلاً بعد نسل واقع است پس اذن جدید ضرور نیست چناں کہ از درمختار وغیرہ ایں حکم مستفاد میشود۔ کما لا یخفی علی المتامل المنصف ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف واسس مسجدھم ثم خرج من عندھم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ انتھی ما فی البحر الرائق وقال الشمنی لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف ثم خرج من عندھم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

کہ لوگوں میں سستی پیدا ہو چکی ہے۔ اور مظلوم کا ظالم سے انصاف نہیں دلایا جاتا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سستی اور یہ انصافی تو امیر معاویہ کے بعد بنو امیہ کے دور میں شروع ہو چکی تھی سوائے عمر بن عبدالعزیز کے اور پھر عباسی خاندان میں بھی رہی تو کیا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے کبھی جمعہ چھوڑا! معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرطیں غلط ہیں اور ایک شرط بادشاہ کی لگائی گئی ہے یا اس کے امیر کی اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو ممکن ہے جمعہ پڑھانے کے متعلق اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جائے ایک عالم کہے کہ میں جمعہ پڑھاؤں گا اور دوسرا کہے میں جمعہ پڑھاؤں گا۔ لیکن یہ اختلاف تو تمام جماعتوں میں بھی ہو سکتا ہے وہاں بادشاہ یا امیر کی شرط کیوں نہیں لگائی گئی اس کا حل یہ سوچا گیا ہے کہ جس امام کو لوگ متفق ہو کر امام بنا لیں وہ جماعت کرائے تو یہی فیصلہ جمعہ کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور پھر حضرت عثمانؓ کا جب محاصرہ ہو گیا تھا اس وقت جمعہ چھوڑ دینا چاہیے تھا لیکن صحابہ نے نہیں چھوڑا بلکہ حضرت عثمانؓ سے اجازت بھی نہیں لی گئی اور جمعہ ہوتا رہا یہی

انتہی . وروی عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن سیرین قال جمع اهل المدینة قبل ان یقدمها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبل ان ینزل سورة الجمعة فقالت الانصار ان الیهود لهم یوم یجتمعون فیه کل سبعة وللنصاری کذلك فلنجعل یوما لنا نذکر اللہ تعالی ونشکر ونصلی فیه فجعلوه یوم العروبة واجتمعوا الی اسعد بن زرارة فصلی بهم یومئذ رکعتین وذکرهم فسموه یوم الجمعة وانزل اللہ تعالی بعد ذلك واذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة والحدیث وان کان مرسلا فله شاهد حسن اخرجه ابو داؤد عن کعب بن مالك وصححه ابن خزیمة واول من صلی الجمعة بالمدینة قبل الهجرة اسعد بن زرارة قال الحافظ ولا یمنع ذلك انه صلی اللہ علیہ وسلم علمه بالوحی وهو بمکة فلم یتمکن من اقامتها ثمه ولذلك جمع بهم اول ما قدم المدینة ویدل علی ذلك ما اخرجه الدارقطنی عن ابن عباس قال اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم للجمعة قبل ان یهاجر ولم یستطع ان یجمع بمکة فکتب الی مصعب بن عمیر اما بعد فانظر الیوم الذی یجهر فیه الیهود بالتوراة فاجمعوا نساءکم وابناءکم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال یوم الجمعة فتقربوا الی اللہ تعالی برکعتین قال فهو اول من جمع حتی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة فجمع عند الزوال من الظهر انتہی ما فی المحلی شرح المؤطا للعلامة سلام اللہ من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدهلوی وقال فی التفسیر النیشاپوری روی ان الانصار اجتمعوا الی اسعد بن زرارة وکنیته ابو امامة وقالوا هلموا نجعل لنا یوما نجتمع فیه فنذکر اللہ تعالی ونصلی فان للیهود السبت وللنصاری الاحد فاجعلوه یوم العروبة فصلی بهم یومئذ رکعتین وذکرهم فسموه یوم الجمعة لاجتماعهم فیه وانزل اللہ ایة

---

وجہ ہے کہ شوافع نے بادشاہ یا اس کے امیر کی شرط نہیں رکھی . یہ شرط صرف حنفیہ کے نزدیک ہے عالمگیری اور تہذیب میں اسی طرح ہے .

مولانا کی مندرجہ بالا تقریر سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر یا بادشاہ کی جو شرطیں لگائی گئی ہیں یہ صحیح نہیں ہے .

کہ ان کے فقدان سے جمعہ نہ پڑھا جائے . اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ سلاطین سابقہ نے جمعہ کے ادا کرنے کے لئے امام اور قاضیوں کو نسلاً بعد نسل اجازت دے رکھی ہے . ہر وقت نئی اجازت کی ضرورت نہیں .

عبد الرزاق نے ابن سیرین سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ مدینہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے اور سورۃ جمعہ نازل ہونے سے پہلے مدینہ میں جمعہ پڑھا اس طرح کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ یہودیوں نے بھی ایک دن عبادت کے لئے مقرر کر رکھا ہے بلکہ اس میں تورات پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اور نصرانیوں نے بھی ایسا ہی کر رکھا ہے ہم کو بھی

الجمعة فهي اول جمعة كانت في الاسلام قبل مقدم النبي صلى الله عليه وسلم واما اول جمعة جمعها رسول الله صلى الله عليه وسلم فهي انه لما قدم المدينة مهاجرا نزل قباء على بني عمرو بن عوف و اقام بها يوم الاثنين والثلثاء والاربعاء والخميس واسس مسجدهم ثم خرج يوم الجمعة عامدا للمدينة فادركته صلوة الجمعة في بني سالم بن عوف في بطن واد لهم فخطب وصلى الجمعة انتهى ما في النيشاپوري واول جمعة جمعها رسول الله صلى الله عليه وسلم انه لما قدم المدينة نزل قباء واقام بها الى الجمعة ثم دخل المدينة وصلى الجمعة في دار لبني سالم بن عوف انتهى ما في البيضاوي.

پس ازیں قصہ صحیحہ مذکورۃ ہویدا گردید کہ مدینہ منورہ در ابتدائے نزول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار شوکت وغلبہ اسلام وظہور ونفاذ حدود وقصاص ہرگز نبود باوجود ایں جمعہ گذاردہ شد دریں حال دریں صورت مسلک کہ مخالف ایں قصہ مذکورہ است پس ناگزیر مسلک ثانی کہ موافق ومطابق ایں قصہ است واجب العمل باید دانست کہ بنا بر آں اختیار کردن مسلک ثانی را واجب انتہی وکما لا یخفی علی المتأمل المتفطن الماہر بالنصوص وبالفرض والتقدیر اگر دریک شرط فرق ترشک واقع شود امر قطعی ازاں چہ گونہ مرتفع شود لہذا اطال فی فتح القدیر فی بیان دلائلها ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعا من الاکثار لما نسمع عن بعض الجهلة انهم ینسبون الی مذهب الحنفية

کوئی دن مقرر کرنا چاہیے کہ جس میں ہم خدا کی عبادت کریں حمد کریں اور شکر ادا کریں چنانچہ انہوں نے یوم العروبہ کو عبادت کا دن مقرر کر لیا اور بعد ازاں اسی دن کا نام یوم الجمعہ ہو گیا اسعد بن زرارہ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور بعد ازاں خدا تعالیٰ نے سورۃ جمعہ نازل فرمائی اگرچہ حدیث مرسل ہے لیکن اس کا ایک شاہد ابوداؤد حدیث میں موجود ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا حکم وحی کے ذریعے مکہ میں معلوم کر لیا ہو لیکن وہاں آپ جمعہ قائم نہ کر سکے پہلا یہی وجہ ہے کہ آپ نے مدینہ آتے ہی پہلا جمعہ پڑھایا اسے دارقطنی نے ذکر کیا اور اس پر دارقطنی کی عبداللہ بن عباس سے نقل کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہی مصعب بن عمیر کو حکم بھیج دیا تھا کہ جمعہ پڑھیں عورتوں اور بچوں کو جمع کریں جب سورج ڈھل جائے تو دو رکعت نماز پڑھیں یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو مدینہ میں پڑھا گیا۔ مصفیٰ شرح موطا کا خلاصہ ختم ہوا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ سب سے پہلے انصار نے اسعد بن زرارہ کے ماتحت جمعہ پڑھا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آتے ہی سب سے پہلے جمعہ بنی سالم کے پاس بطن وادی میں پڑھایا۔ تفسیر بیضاوی میں اسی طرح ہے اس صحیح واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب مدینہ میں جمعہ کی ابتدا ہوئی اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی حکومت اور غلبہ نہیں تھا حدود وقصاص کا اجرا نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود جمعہ پڑھا گیا تو اس صورت میں ثانیؒ کی روایت ہی قابل اعتبار معلوم ہوتی ہے۔ اسی کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر ان شروط کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ایک شرط کے ارتفاع سے ایک حکم قطعی کیسے اٹھ جائے گا۔

عدم افتراضها ومنشاء غلطهم ما سیاتی من قول لقد وری ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة لترك الفرض و صحت الظهر لما سنذكره وقد صرح اصحابنا بانها فرض آكد من الظهر وباكفار جاحدها انتهی

اقول قد كثر ذلك من جهلة زماننا ایضا ومنشاء جهلهم صلوٰة الاربع بعد الجمعة بنية الظهر وانما وضعها بعض المتاخرین عند الشك فی صحة الجمعة بسبب روایة عدم تعددها فی مصر واحد ولیست هذه الروایة بالمختارة ولیس هذا القول اعنی اختیار صلاة الاربع بعدها مرویا عن ابی حنیفة وصاحبیه انتهی ما فی البحر الرائق ونیز فقہاء می نویسند کہ در مقامیکہ ولاۃ کفار و غلبہ ایشان باشد واجب است کہ یکے را والی و قاضی گردانند و گم او جمعہ و اعیاد گزارند قال فی مجمع الفتاوی غلب علی المسلمین ولاة الكفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة والاعیاد ویصیر القاضی قاضیها بتراضی ویجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما انتهی ما فی مفتاح السعادة هكذا فی الطحطاوی ولو مات الوالی او لم یحضر لفتنة ولم یوجد احد ممن له حق اقامة الجمعة نصب العامة لهم خطیبا للضرورة كما سیاتی مع انه لا امیر ولا قاضی ثمه اصلا وبهذا ظهر جهل من یقول لا تصح الجمعة فی ایام الفتنة مع انها تصح فی البلاد التی استولی علیها الكفار كذا فی رد المحتار حاشیة در المختار۔

پس ازیں روایات ہم واضح گردید، کہ ادائے جمعہ بہر طور باید ترک آن نشاید، و ہیچگونہ ترک کردہ شود کہ یکے از عمدہ شعائر اسلام است، دریں صورت بر علمائے دیندار واجب و لازم کہ بر دلائل قطعیہ جمعہ نظر فرمایند، و حکم گذاردن آن بوجہ وجوب بروایت جلی نمایند کہ این روایت مؤید بدلائل شرعیہ است چناں کہ بیانش گذشت نسازند کہ موجب وبال اخروی گردد، وما علینا الا البلاغ فقط الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین

---

فتح القدیر میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں۔ اور تفصیل سے کئے ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے۔ کہ ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے کیوں کہ ہمیں آتا ہے۔ کہ بعض جاہل لوگ جمعہ کی عدم فرضیت امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو قدوری کی عبارت سے ٹھوکر لگی کہ اس نے لکھا ہے کہ جو آدمی ظہر پڑھے، تو ظہر صحیح ہے کیوں کہ فرض کو چھوڑنا حرام ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ جمعہ فرض ہے اور یہ مؤکد تر ہے ظہر سے اور اس کا منکر کافر ہے میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے جہلا بھی ایسے ہی ہیں ان کی جہالت یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے ایجاد کیا ہے۔ کہ ایک ہی شہر میں متعدد جمعے نہیں ہونے چاہئیں۔ اور یہ قول مختار نہیں ہے۔ اور یہ احتیاطی کی چار رکعت پڑھنا نہ تو امام صاحب سے مروی ہے اور نہ صاحبین سے۔

ھذا الجواب صحیح لما فی المجتبی عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ ما اجتمعوا فی اکبر مساجدھم للصلوٰۃ الخمس لم یسعھم وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء وقال ابو شجاع ھذا احسن ما قیل فیہ وفی الولوالجیۃ وھو صحیح کذا فی البحر الرائق وغیرہا من کتب الفقہ فقط حررہ حفیظ اللہ خان

ھذا الجواب صحیح عند اھل النظر وعند اولی الالباب بلا ارتیاب فعلی المرء ان لا یترک الجمعۃ لانھا من اعظم شعائر الاسلام وکان لمن ترکھا عذاب یوم الحسرۃ والندامۃ من الدیان کما تدین تدان۔ حررہ کریم اللہ

نماز جمعہ را ہرگز ترک نباید کرد۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الحدیث رواہ ابو داؤد فقط کتبہ محمد قطب الدین الدھلوی

بعد حمد و نعت باید دانست، کہ نماز جمعہ را ہرگز ہرگز بدین شبہات کہ دشمنان دین می اندازند ترک نباید کرد لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من ترک الجمعۃ ثلث مرات من غیر ضرورۃ طبع اللہ علی قلبہ رواہ احمد والحاکم وصححہ۔ در روایت کرخی را بنا بر خوف این وعید شدید باید گذاشت و در روایت بلخی کہ فتوی اکثر فقہا بر آن است عمل باید فرمود المصر ھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء مجتبی ھکذا فی الدر المختار ثم اختلفوا فی تفسیر المصر الجامع یجوز فیہ اقامۃ الجمعۃ فقال بعضھم ما یعیش فیہ کل محترف بحرفتہ فی سنتہ الی سنۃ من غیر ان یحتاج الی حرفۃ اخری وانما البعض ما ذکرہ المصنف فی المتن وقیل احسن ما قیل فیہ اذا کانوا بحال لو اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم یسعھم ذلک حتی احتاجوا الی بناء مسجد الجمعۃ کذا فی البنایۃ وشرح الوقایۃ انتھی ما فی المستخلص شرح کنز الدقائق، پس بدین عبارت ہم واضح و لائح است، کہ روایت بلخی احق است از روایت کرخی، بلکہ آن را مختار بعض قرار دادہ اگرچہ روایت دیگر فتاوے مثل قاضی خان وغیرہ

---

اور البحر کے علاوہ فقہائے حنفیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی ملک کا غلبہ ہو یا والی مرگیا ہو یا فتنہ کی وجہ سے وہ ظاہر نہ ہو سکتا ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ متفقہ طور پر کسی کو اپنا امیر، امام، یا قاضی مقرر کر لیں۔ اور اس کی سرکردگی میں جمعہ اور عیدین ادا کریں۔ مفتاح السعادت فصل ... اور درالمختار میں بھی ایسا ہی ہے۔ پس ان روایات سے ثابت ہوا کہ جمعہ ہر حال ادا کرنا چاہیے کیونکہ یہ شعار اسلامی ہے۔ اس صورت میں علماء کا فرض ہے کہ فرضیت جمعہ کے دلائل پر غور فرمائیں اور حنفیہ کے مسلک کے مطابق جمعہ ادا کرنے کا حکم دیں۔ کہ یہ روایت شرعی دلائل سے مؤید ہے۔

وعالمگیریہ و قنیہ و شروح و حواشی کتب فقہ دال برین ہستند و خواستہ بودم کہ تحریر شافی نمایم مگر چونکہ حضرت مجیب اول دریں چیزے نگذاشتہ اند تحقیق بلیغ نمودہ اند بنا برآن بریں کلمات اکتفا رفتہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالرب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ھ — حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۸۱ھ محمد قطب الدین خان — محمد عبدالرحیم

محمد اسد علی ۱۲۸۱ — محمد کریم اللہ — فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۹۸

---

**سوال:** وقت نماز جمعہ کا نزدیک اہل حدیث کے کب تک رہتا ہے اور جمعہ کی نماز میں خطبہ کس قدر اور نماز کس قدر چاہیے، اور ایک شخص نے بارہ بجے سے خطبہ شروع کیا اور دو بجے خطبہ ختم کیا اور کل بارہ سنت نماز دو بجے ختم کیا۔ یہ موافق سنت کے ہوا یا خلاف سنت ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** وقت نماز جمعہ بعینہ وقت ظہر ہے پس جب تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے اسی وقت تک جمعہ کا بھی وقت باقی رہتا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے: ان مالکا یقول ببقاء وقتها الی الغروب قال ویجاب بان شرعیۃ الجمعۃ مقام الظهر علی خلاف القیاس لان سقوط اربع رکعتین فتراعی الخصوصیات التی ورد الشرع بها ا ه اور امام شوکانی دررالبہیہ میں فرماتے ہیں: ووقتها وقت الظهر لکونها بدلا عنه پس ثابت ہوا کہ سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل تک نماز جمعہ کا وقت رہتا ہے اور نماز جمعہ کا لمبا کرنا اور خطبہ کا مختصر ہونا، حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے، مسلم شریف میں عمار بن یاسر سے مروی ہے: ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقهه فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ الحدیث پس ثابت ہوا کہ

---

نماز جمعہ کو دشمنان دین کے شبہات کی وجہ سے بالکل ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو آدمی بغیر عذر کے تین جمعہ چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتے ہیں۔ پس اس وعید شدید کی بنا پر گاؤں کی روایت کو چھوڑ کر چھوٹی گاؤں کی روایت پر عمل کرنا چاہیے کہ اکثر فقہاء کا فتویٰ اسی پر ہے۔ کہ شہر وہ ہے جس کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں۔ در مختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ بعض نے شہر کی یہ تعریف کی ہے۔ کہ وہاں ہر طرح کے پیشہ ور آدمی موجود ہوں اور سال بھر تک اپنے پیشے ہی سے روزی کما سکیں کسی اور پیشے کے محتاج نہ ہوں، بدائع شرح وقایہ مستخلص، فتاویٰ قاضی خان، سراجیہ، حمادیہ، قنیہ وغیرہ شروح اور حواشی کتب فقہ میں بھی کی روایت ہی کو مختار سمجھا گیا ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

[1] امام مالک کہتے ہیں جمعہ کا وقت غروب آفتاب تک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کو خلاف قیاس ظہر کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس کی دو رکعتوں سے ظہر کی چار رکعتیں ساقط ہوتی ہیں۔ تو انہی خصوصیات کی رعایت کی جائے گی جو شریعت نے

صورت مذکورہ فی السوال بالکل مخالف حدیث ومناقض سنت سنیہ ہے۔ فالحذر الحذر　فتاوے نذیریہ جلد اول ص۹۴

**سوال** : کیا فرماتے ہیں علماء دین القائم الشادل لیوم الدین اس مسئلہ میں کہ درمیان خطبہ جمعہ کے واسطے پند و نصائح سامعین کے جو عربی زبان نہیں جانتے کچھ اشعار یا نثر بزبان سامعین کہ جن کا مضمون باجا رہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پڑھنا درست ہے یا نہیں اور شعروں کے بارہ میں کیا حکم ہے شرع کا۔ بینوا توجروا

**الجواب** : درست ہے کیوں کہ پند و نصیحت خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح مسلم کی روایت سے مشکوٰۃ کے باب الخطبہ میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس یعنی انہوں نے بیان کیا ہے کہ پڑھا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبہ اور بیٹھتے درمیان دونوں خطبوں کے اور خطبہ میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے وعظ کا فائدہ جبھی ہوتا ہے کہ سننے والے کی بولی میں ہو اسی واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم میں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم یعنی نہیں بھیجا ہم نے کسی نبی کو مگر اس کی قوم کی بولی میں تو کہ وہ اچھی طرح سمجھا سکے ان کو پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوا کہ نصیحت سامعین کی بولی میں ہو کہ وہ سمجھیں اور یہ اعتراض کہ خطبہ میں نصیحت بزبان اردو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں بیجا ہے کیوں کہ اس بارہ میں کسی زبان کی خصوصیت نہیں صرف یہ ثبوت چاہیے کہ خطبہ میں آپ نصیحت کرتے تھے یا نہیں سو اس کا ثبوت حدیث صحیح میں موجود ہے اور یہ خطبہ ہی پر حصر کیوں رکھا قرآن و حدیث کا ترجمہ اور وعظ کرنا بھی تو زبان اردو وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ سے ثابت نہیں ہے پھر وہ کیوں منع نہیں۔ غرضیکہ وعظ بزبان سامعین دین میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث دنیا میں اسی واسطے آئے ہیں کہ سب جہان کے لوگ سمجھیں اور شعر کے بارے میں یہ ہے ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشعر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو کلام فحسنہ حسن وقبیحہ قبیح رواہ الدارقطنی وحسنہ۔

اور مالا بد منہ میں ہے شعر کلام است موزوں حسن او حسن است و قبیح او قبیح لیکن بیشتر اضاعت وقت درآں

متعذر کردن۔ [۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا وہ بھی ایک کلام ہے جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا شعر ہے اور جس کا برا ہے وہ برا ہے۔ [۲] شعر ایک موزوں کلام ہے جو اچھا ہے سو اچھا ہے اور جو برا ہے سو برا ہے لیکن اس میں زیادہ وقت ضائع کرنا مکروہ ہے۔

مکروہ است اور اس کے حاشیہ میں ہے یعنی اگر مضمونش[1] مشتمل باشد بر حمد خدا یا نعت رسول یا تحریض بر ذکر خدا و عبادت یا مسئلہ دینیہ پس گفتنش و خواندنش ہر دو موجب ثواب و اجراست و اگر مشتمل باشد بر امر مباح پس مباح است و اگر متضمن باشد بر امور ممنوعہ مثل بیان سراپا خد و خال مردے یا زنے صاحب حسن کہ دراں شہر زندہ موجود باشد یا ہجو مسلمانے غیر ظالم پس انشادش ہر دو حرام کذا فی العینی شرح الکنز واللہ اعلم بالصواب حررہ خادم العلماء محمد حسن عفا اللہ عنہ وعن جمیع المؤمنین واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین　　سید محمد نذیر حسین

**ھو الموفق** اس مضمون میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شعر ایک کلام ہے کہ جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جس کا برا ہے وہ برا ہے مگر ساتھ اس کے خطبہ میں کبھی شعر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں، خطبہ نبویہ و خطبات خلافت راشدہ اشعار سے خالی ہوتے تھے۔ فاتباع سنتہ صلی اللہ علیہ وسلم وسنۃ خلفائہ الراشدین المھدیین اولیٰ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ　　فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۴۹۱

---

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے یا نہیں اور خطبہ داخل نماز جمعہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

**الجواب**: نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے اور خطبہ داخل نماز جمعہ نہیں ہے اس لئے کہ خطبہ سنت مؤکدہ اور شعائر اسلام سے ہے۔ نہ واجب اور نہ شرط، مگر بغیر خطبہ کے نماز جمعہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ اور نہ تابعین وغیرہ سے منقول بلکہ خطبہ پر مواظبت و مداومت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ وغیرہ سے پائی گئی ہے چنانچہ تفصیل ذیل سے واضح ہوگا۔ پس ترک کرنا اس کا ہرگز نہیں چاہیئے اگرچہ اس کے ترک سے جمعہ میں کچھ خلل شرعی نہیں واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ فتح الربانی فی فتاوے الشوکانی و سیل الجرار المتدفق علے حدائق الازہار و روضۃ الندیہ میں مذکور ہے۔

لم یثبت[2] لدینا دلیل صحیح معتبر یدل علی وجوب الخطبۃ فی الجمعۃ حتی یکون شہودھا

---

[1] اگر شعر کا مضمون حمد خدا اور نعت رسول یا ذکر خدا و عبادت کی ترغیب پر مشتمل ہو یا اس میں کوئی دینی مسئلہ بیان کیا گیا ہو تو اس کا کہنا اور پڑھنا موجب ثواب ہے۔ اور اگر مباح امر پر مشتمل ہو تو مباح ہے۔ اور اگر امور ممنوعہ پر مشتمل ہو، مثلاً کسی مرد یا عورت کے خد و خال کی تعریف یا کسی عادل مسلمان کی ہجو ہو تو اس کا کہنا اور پڑھنا دونوں حرام ہیں۔

[2] ہم نے آج تک کوئی ایسی صحیح و معتبر دلیل نہیں دیکھی

واجبا والفعل الذی وقعت المداومة علیه لایستفاد منه الوجوب بل یستفاد منه ان ذلک المفعول علی الاستمرار سنة من السنن المؤکدة فالخطبة فی الجمعة سنة من السنن المؤکدة وشعار من شعائر الاسلام لم تترک منذ شرعت الی موته صلی الله علیه وسلم ولا اقیمت صلوٰة جمعة بغیر خطبة وهکذا بعد عصره فی الاقطار الی هذا العصر لم تترک فی قطر من اقطار المسلمین ولا اهملت فی عصر من العصور الاسلامیة واما کونها واجبة مفترضة فلم یات فی کتاب الله سبحانه ولا فی سنة رسول صلی الله علیه وسلم ما یدل علی ذلک ولا بلغ الینا ما یفید الوجوب کذا فی فتح الربانی انتهی ما فی الموعظة الحسنة وغیرها واما فی کون الخطبة شرطا للصلوٰة فعدم وجود دلیل یدل علیه لایخفی علی عارف فان شان الشرطیة ان یؤثر عدمها فی عدم المشروط فهل من دلیل یدل علی ان عدم الخطبة یؤثر فی عدم الصلوٰة کذا فی الروضة الندیة شرح الدرر البهیة . والله اعلم بالصواب

حرره السید شریف حسین عفی عنه — سید محمد نذیر حسین — تشیل احمد حسن

ذو شرف حسین کونین شد — ابو البرکات حافظ محمد المعتصم — خادم شریعت رسول الثقلین

۱۲۹۳ تشیل شریف حسین — محمد الله الاحد ۱۲۹۲ھ — تلطف حسین ۱۲۹۲ھ

محمد غلام اکبر خان محمدی السنی ۱۲۸۹ — محمد عبد الحمید ۱۲۹۳

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۶۱۶)

**سوال :** اہل حدیث کے نزدیک گاؤں میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ مگر کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بذات خود کسی گاؤں میں جمعہ پڑھا یا ہو یا کسی بستی یا گاؤں والوں کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا ہو اور نہ آپ کے زمانہ میں مدینہ شریف کے گرد و نواح میں نزدیک یا دور کسی گاؤں میں

جس سے خطبہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ ہاں ایسا فعل جس پر ہمیشہ سے عمل ہوتا رہا ہو ، اس سے سنت مؤکدہ کا تو ثبوت مل سکتا ہے۔ نہ واجب کا ، سو جمعہ میں خطبہ سنت ہے۔ اور اسلام کا شعار ہے جب سے جمعہ شروع ہوا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اور اس کے بعد بھی کسی زمانہ میں اسے نہیں چھوڑا گیا ، لیکن اس کا واجب یا فرض ہونا ، نہ تو کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ، روضہ ندیہ میں ہے کہ خطبہ کا نماز کے لئے شرط ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ شرط کا عدم مشروط کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے ، تو کیا کوئی ایسی دلیل مل سکتی ہے۔ کہ عدم خطبہ عدم نماز میں مؤثر ہے۔

جمعہ پڑھنا پایا گیا ہے۔ بلکہ جو لوگ دیہات میں جمعہ پڑھنا چاہتے تھے وُہ بھی مدینہ میں آکر جمعہ پڑھ جاتے تھے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو قباء میں تین دن رہے اور ایک مسجد بھی وہاں بنوائی مگر جمعہ کے دن قباء میں جمعہ نہیں پڑھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ میں آکر جمعہ پڑھایا، بلکہ قباء والوں کو حکم دیا کہ مدینہ میں آکر جمعہ پڑھا کرو اس سے ثابت ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔

**جواب** : دیہات میں جمعہ کے جواز میں امام بخاریؒ نے دو روایتیں لکھی ہیں، ایک ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ قائم ہونے کے بعد جواثی (گاؤں) میں جمعہ قائم ہوا تھا گو اس روایت میں اس بات کا ذکر نہیں کہ باجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا۔ مگر صحابہ کرام کی عام عادت یہ تھی کہ اس قسم کے کام اجازت ہی سے کیا کرتے تھے، دوسری حدیث امام ممدوح لائے ہیں جس کا مضمون ہے کہ تم مسلمانوں میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک کو محکوم سے سوال ہوگا۔ میں کہتا ہوں جمعہ کی فرضیت بالاتفاق ہے ہاں اسکے بعض شرائط میں اختلاف ہے۔ منجملہ شہر کا ہونا بھی شرط لگائی جاتی ہے اس کا ثبوت کسی صحیح حدیث مرفوع سے نہیں ہے۔ لہٰذا جمعہ ہر مسلمان بالغ مرد پر فرض ہے۔ رہا یہ کہ گاؤں والے مدینہ میں آکر جمعہ پڑھتے تھے، بہ نیت فرض نہ آتے تھے بلکہ بہ نیت حضور جماعت نبویہ در مسجد نبوی۔ لاغیر ایام قیام قباء میں جمعہ فرض نہ ہوا تھا۔ اللہ اعلم

**جمعہ فی القریٰ** (از قلم مولوی محمد عبدالسلام صاحب مبارکپوری)

آیت جمعہ سے ثابت ہے کہ نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا یا کسی اور مقام کا۔ اور اقامت جمعہ ہر مقام میں جائز ہے۔ خواہ شہر ہو یا قریہ یا صحرا۔ کیونکہ آیت جمعہ ہر مکلف کو عام ہے۔ اور بلاتخصیص ہر مقام کو شامل، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ دلیل الافتراض من کلام اللہ تعالٰی علی العموم فی الامکنۃ انتہی اور حدیث لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع سے قریہ میں اقامت جمعہ کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث موقوف (یعنی حضرت علیؓ کا قول) ہے، ساتھ اس کے محتمل بھی ہے اور ایسی حدیث جو مشہور ہو اور ساتھ اس کے محتمل بھی ہو تو اس سے عندالاحناف زیادت علی الکتاب جائز نہیں ہے۔ علامہ عینی حنفی نے بنایہ میں حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ جواب دیا ہے۔ ولئن سلمنا انہ مشہور فالزیادۃ بالمشہور انما تجوز اذا کان محکما اما اذا کان محتملا فلا وھذا الحدیث محتمل لنفی الجواز ویستعمل لنفی الفضیلۃ لقولہ علیہ السلام لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد یعنی اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ حدیث مشہور ہے تو حدیث مشہور سے زیادۃ علی الکتاب اسی صورت میں

جائز ہے۔ کہ حدیث محکم ہو لیکن جب محتمل ہو تو جائز نہیں ہے اور یہ حدیث محتمل ہے۔ کیوں کہ اس میں احتمال ہے کہ نفی جواز مراد ہو اور احتمال ہے کہ نفی فضیلت مراد ہو جیسے حدیث لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ پس جب عند الاحناف حدیث مشہور سے زیادۃ علی الکتاب اسی صورت میں جائز ہے کہ حدیث محکم ہو تو اولاً حدیث لَا جُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ حضرت علیؓ کا قول ہے حدیث تو درکنار خبر واحد بھی نہیں ہے۔ ثانیاً محکم بھی نہیں ہے کیوں کہ احتمال ہے کہ نفی فضیلت مراد ہو، یعنی اس کا مطلب یہ ہو کہ شہر میں نماز جمعہ اولیٰ و افضل ہو اور قریہ میں جائز و درست بلکہ یہی متعین ہے.... کما قال شیخنا العلامۃ عبد الرحمٰن المبارکپوری رحمہ اللہ لا تشریق ولا جمعۃ علی وجہ الکمال الا فی مصر جامع جمعا بینہ وبین الاحادیث والآثار (تحفۃ الاحوذی)

غرض حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع احناف کے نزدیک بھی پایۂ استدلال سے ساقط ہے۔ تعجب ہے کہ احناف حضرت علیؓ کے قول سے جو خبر واحد کے درجہ میں بھی نہیں ہے آیۂ جمعہ کی تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اقامتِ جمعہ فقط شہر ہی میں جائز ہے اور دیہات میں ناجائز۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

و نیز واضح ہو کہ حضرت علی رضؓ کا قول مذکور ان احادیث صحیحہ کے معارض و مخالف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ ہر مسلمان پر بجز پانچ اشخاص کے (غلام، عورت، مریض، لڑکے، مسافر) کے فرض ہے اور ہر مقام پر اس کا ادا کرنا جائز و صحیح ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے عن طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْجُمُعَۃُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَۃٍ اِلَّا اَرْبَعَۃً عَبْدٍ مَمْلُوْکٍ اَوِ امْرَأَۃٍ اَوْ صَبِیٍّ اَوْ مَرِیْضٍ۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ حق واجب ہے۔ مگر چار شخص پر غلام، عورت، لڑکے، بیمار پر نہیں۔ بعض روایات صحیح سے مسافر کا مستثنیٰ ہونا بھی ثابت ہے۔ مگر اہل قریہ کا استثناء کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور نسائی وغیرہ میں ہے

عن نافع عن ابن عمر عن حفصۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْجُمُعَۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مرد بالغ پر نماز جمعہ واجب ہے۔ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ امام ابن حزمؒ محلی ص ۵۳ میں تحریر فرماتے ہیں ومن اعظم البرہان علیہم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی المدینۃ وانما ھی قری صغار متفرقۃ (الی) فبنی مسجدہ فی بنی مالک بن النجار وجمع فیہ فی قریۃ لیست بالکبیرۃ ولا مصر

---

۱؎ یعنی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب

ھنالك فبطل قول من ادعی ان لا جمعة الا فی مصر وھذا الا یجھله احد لا مؤمن ولا کافرالخ

یعنی دیہات میں اقامت جمعہ کے جائز ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ شہر نہ تھا، چند متفرق بستیاں تھیں، وہاں آپ نے بنو مالک بن نجار میں مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس قریہ کے اندر جمعہ کی نماز پڑھی، وہ کوئی بڑا قریہ نہ تھا اور نہ وہاں شہر تھا پس ثابت ہوا کہ اس شخص کا قول باطل ہے جو دعوے کرے کہ "شہر کے سوا اور کہیں جمعہ پڑھنا جائز نہیں" اور یہ ایسا امر ہے جو کسی مومن اور کافر سے مخفی نہیں" الحاصل آیت جمعہ اور احادیث مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ بجز پانچ اشخاص مذکورین ہر مکلف پر جماعت کے ساتھ نماز جمعہ فرض ہے۔ اور ہر مقام میں اس کا ادا کرنا جائز و صحیح ہے شہر ہو یا قریہ۔ اور کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں کہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں بلکہ نماز جمعہ دیہات میں پڑھنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کما مر اور بالتفصیل معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علیؓ کا قول لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع ناقابل احتجاج و استدلال ہے۔ ھذا اخر الکلام وخلاصة المرام واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب　　(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۵۱۰)

---

**سوال**: نماز جمعہ میں لوگ اکثر علی کا خطبہ پڑھا کرتے ہیں جس کے اندر اشعار بھی ہوتے ہیں جو گا کر راگ سے پڑھا جاتا ہے کیا اس طرح کے اشعار راگ کے ساتھ خطبہ کے وقت پڑھنا یا سننا جائز ہے یا ناجائز؟

**جواب**: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ مسنونہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے کانت لرسول اللہ خطبتان یقرأ القرآن ویذکر الناس خطبہ مسنون یہ ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ نصیحت کرے اس کے سوا خطبہ محض نظم میں ہو یا محض نثر میں غیر مسنون ہے۔　　(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۵۲۹)

---

**سوال**: جمعہ کے دن بھی زوال ہے بموجب فتوے اہلحدیث بحوالہ کتب احادیث بخاری و مسلم اور اس کے خلاف بروایت مشکوٰۃ کہ جمعہ کے دن زوال نہیں ہے اور اس پر مولانا حمید اللہ صاحب کا فتوے ہے یہ حدیث مشکوٰۃ قابل عمل ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اس کی وجہ؟

اب سوال یہ ہے کہ اگر زوال جمعہ کے دن بھی ہے تو زوال کا وقت کب تک رہتا ہے اور جمعہ کے دن کیا بوقت زوال سوائے فرضوں کے نوافل بھی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں

تو اس کی کیا دلیل ہے؟

**جواب**: زوال روز ہوتا ہے، مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنے جائز ہیں زوال اس کو کہتے ہیں جب مسجد کی دیوار میں سایہ ہو ایک انگل بھر باہر نکل آوے تو نماز جائز ہے۔

**شرفیہ**: جمعہ کے روز زوال کے وقت نماز نفل پڑھنے کا مسئلہ بعض روایات میں ہے مگر صحیح نہیں ایک روایت ابو ہریرہؓ سے مسند شافعی میں رفعا مروی ہے بلفظ نھی عن الصلوٰۃ نصف النھار حتی تزول الشمس الایوم الجمعۃ انتہی اس میں اسحٰق اور ابراہیم دو راوی ضعیف ہیں۔ ثقہ نہیں۔ بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں واقدی متروک ہے، دوسرے طریق میں عطا بن عجلان متروک ہے۔ طبرانی نے بسند واہی واثلہ سے روایت کیا ہے۔ یہ سب غلط ہیں۔ امام شافعیؒ نے ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت کر کے تائید کی ہے کہ صحابہؓ نصف النہار یوم جمعہ نفل پڑھتے تھے مگر ثعلبہ مذکور تبع تابعی ہے۔ اس کا صحابہ سے لقا نہیں لہٰذا یہ بھی ثابت نہیں اور سنن ابی داؤد میں اور اثرم نے بھی ابو قتادہ سے روایت کیا ہے وقال مرسل ابو الخلیل لم یسمع عن ابی قتادۃ وفیہ لیث بن ابی سلیم ضعیف وقال الاثرم الخ (التلخیص الحبیر) اور صحیح مسلم میں ہے عن عقبۃ ابن عامر قال ثلث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھانا ان نصلی فیھن او نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظھیرۃ حتی تمیل الشمس وحین تضیف للغروب حتی تغرب انتہی مشکوٰۃ ص۹۴ وفی موطا ما لک عن الصنابحی۔ ص۴ مطبوعہ دہلی۔

پس ثابت ہوا کہ زوال کے وقت نماز پڑھنی منع ہے، خواہ یوم جمعہ ہو یا کوئی اور یوم۔ اس لئے کہ منع کی حدیثیں صحیح ہیں اور جواز کی صحیح نہیں۔ صحیح کے مقابل غیر صحیح پر عمل باطل ہے۔ ہذا۔ واللہ اعلم

ابو سعید شرف الدین دہلوی۔ فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص۴۳۳

---

**سوال**: اور جو خطبہ جمعہ کا ترجمہ کرتے ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔ حدیث میں یا قرون صحابہ میں کہیں یہ ثابت نہیں ہے جو لوگ ان کے ساتھ نماز جمعہ میں شامل ہو جاتے ہیں اپنی نماز کو ضائع کر دیتے ہیں ان لوگوں سے الگ رہو یہ لوگ اہل ہوا ہیں، اہل حدیث نہیں اور دعوے سے کہتا ہوں کہ میں ان سب مسائل میں ان کا جھوٹا ہونا ثابت کروں گا۔

**جواب:** حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کیا کرتے تھے (یذکر الناس) اور نصیحت تب ہی ہوتی ہے جب سامعین سمجھیں، اگر غیر زبان مثلاً (عربی) میں خطبہ ہو تو پنجابی یا کشمیری بھی کہیں گے ؎

زبان تشوخ من ترکی است من ترکی نمی دانم

باقی جماعت کو برا کہنا یہ کوئی بات نہیں۔ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ الآیۃ (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۵۵۲)

---

**سوال:** نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں خاموشی اختیار کرنے کے متعلق نہایت تاکید فرمائی ہے۔ ازراہ نوازش آپ بیان فرمائیں کہ انسان پنکھا کا استعمال دوران خطبہ میں کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ ایک صاحب اس پر مصر ہے کہ خطبہ میں پنکھے کا استعمال قطعاً ناجائز ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو کے متعلق ہے۔ پنکھا وغیرہ اس سے خارج ہے جواب مدلل تحریر فرمادیں۔

**جواب:** اپنی جسمانی راحت کے لئے خطبہ میں ایسی حرکت منع نہیں جس سے سماع میں خلل واقع نہ ہو جیسے نماز میں صحابہ کرام شدت گرمی کے باعث کنکریاں لے کر ماتھے کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۵۵۳)

---

**سوال:** کوئی شخص نماز جمعہ میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد شامل ہو تو آیا وہ نیت جمعہ کی کرے یا ظہر کی؟ علمائے سلفی کا فتوے ہے جمعہ کے دوسرے رکوع کے بعد ملنے والا نماز ظہر پڑھے اور نیت جمعہ کرنے کو حکم دیتے ہیں کیا نیت جمعہ واسطے نماز ظہر کے کفایت کر سکتی ہے؟

**جواب:** حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کی ایک رکعت پاؤ تو جمعہ پڑھو ورنہ نماز ظہر کی نیت کر کے نماز ظہر پڑھو۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۵۵۵)

---

**سوال:** منبر پر عصا لے کر خطبہ پڑھتے ہیں خطیب لوگ۔ اس کی سند قرآن اور حدیث سے ثبوت درکار ہے۔ اور اگر ثبوت ہے تو کونسی حدیث میں ہے۔ بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ کونسی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ مسئلہ اخبار اہل حدیث میں شائع کر دیں۔ (محمد عبدالرزاق از برما)

**جواب:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوقت خطبہ عصا یا کمان ہاتھ میں رکھا کرتے تھے کبھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیتے۔ (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین) (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۵۵۶)

# باب العیدین

**سوال**: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ ایک شہر میں باوجود ایسی عیدگاہ تیار ہونے کے کہ سارے شہر کے نمازیوں کی اس میں بخوبی گنجائش ہے۔ پھر بھی نماز عید بعض لوگ عیدگاہ میں پڑھتے ہیں اور بعض مسجد میں پس ان میں افضل وبہتر کون سا طریقہ ہے۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

**الجواب**: وھو الموفق للصواب، شہر کے سب مسلمانوں کو نماز عیدین عیدگاہ میں پڑھنا بہتر اور افضل ہے بشرطیکہ کوئی عذر شرعی مثل بارش وبرد شدید وضعف پیری وبیماری وغیرہ نہ رکھتے ہوں، اور اس میں کئی خوبیاں ایسی مخصوص ہیں کہ کوئی ان میں سے اور جگہ نماز پڑھنے میں حاصل نہ ہوں گی۔ پہلے تو اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروی خلفاء راشدین کی۔ اس واسطے کہ آپ ہمیشہ مع صحابہ کرام باوجود گنجائش مسجد نبوی کے نماز عیدین عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جیسا کہ احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی ای الی الجبانة وھی الصحراء خارج المدینة ومسیرتھا من الحجرة الشریفة الف خطوة۔[1] مگر ایک مرتبہ آپ نے بوجہ بارش شدید کے نماز عید مسجد نبوی میں ادا فرمائی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ انہ اصابھم مطر فی یوم عید فصلی بھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰة العید فی المسجد رواہ ابوداؤد وابن ماجة۔[2] اور آپ کو جب رؤیت ہلال شوال کی خبر پہنچی، تو آپ نے روزے افطار کرائے اور صبح کو عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا، جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہے:- فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم اور شرح السنة میں مرقوم ہے ان یخرج الامام لصلوٰة العید الی الجبانة اور فرمایا ابن ہمام نے سنت یہ ہے کہ نکلے امام عیدگاہ کی طرف اور کسی کو اپنا خلیفہ کر جاوے، تاکہ وہ ضعیفوں اور معذوروں کو شہر میں نماز پڑھا دے۔ وھکذا فی الخلاصة و[3]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے، مدینہ سے باہر جاتے اور وہ حجرہ شریفہ سے ایک ہزار قدم کا فاصلہ رکھتی تھی۔ [2] ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔

[3] خلاصہ اور خانیہ میں (بقیہ آگے)

الثانیۃ السنۃ ان یخرج الامام الی الجبانۃ ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء اور اسی طرح خروج الی الجبانۃ کا مسنون ہونا کتب فقہ معتبرہ مثل درمختار وہدایہ وکنز وعالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے۔ فمن شاء الاطلاع علیہا فلیراجع الیہا۔ اور ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ حکم خروج الی الجبانۃ کا واسطے امام کے سوائے مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کے ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں مسجدیں بیت المقدس اور مکہ معظمہ کی عیدگاہ سے افضل ہیں۔ اور سوا ان کے عیدگاہ مساجد دیگر سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی سے بھی، ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد چھوڑ کے عیدگاہ تشریف نہ لے جاتے، بہرحال عیدگاہ میں نماز پڑھنا سنت ٹھہرا اور تارک اس کا تارک سنت ہوا جیساکہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں مرقوم ہے۔ فلو لم یتوجہ الیہا فقد ترک السنۃ اور تارک سنت بلا عذر شرعی ملعون اور محروم الشفاعت اور قابل ملامت وعتاب اور مستحق عذاب وضلالت ہے۔ اس واسطے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی کما ورد فی الحدیث ستۃ لعنتھم ولعنھم اللہ وکل نبی یجاب یعنی چھ شخصوں پر لعنت کی میں نے اور اللہ نے اور ہر نبی مستجاب الدعوات نے ہے، منجملہ ان کے چھٹا شخص آپ نے فرمایا والتارک لسنتی، فرمایا ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے ترکہا تکاسلا عاص واستخفافا کافر یعنی جو کوئی از راہ سستی کے سنت کو چھوڑ دے وہ گنہگار ہے اور جو حقیر سمجھ کر اس کو ترک کرے وہ کافر ہے، عیاذا باللہ من ہذا الوعید۔ وفی الصبح[1] الصادق شرح المنار انہ یستوجب لوما فی الدنیا وحرمان الشفاعۃ فی العقبیٰ لورودہ مرفوعا من ترک سنتی لم ینل شفاعتی وفی شرحہ فتح الغفار وتارکہا یستوجب اساءۃ ای التضلیل واللوم وفی غایۃ البیان السنۃ ما فی فعلہ ثواب وترکہ عقاب وفی التلویح ترک السنۃ المؤکدۃ قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعۃ وفی رد المحتار حاشیۃ درالمختار الاصح انہ یاثم بترک السنۃ المؤکدۃ کالواجب حق تعالیٰ ہم سب کو طریقہ مسنونہ پر چلا دے اور مواخذہ ترک سنت سے بچا دے۔

---

(بقیہ) ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام عیدگاہ کی طرف باہر نکلے اور پیچھے کسی آدمی کو مقرر کر دے۔ جو کمزور اور معذور لوگوں کو نماز پڑھا دے۔ [1] صبح صادق شرح المنار میں ہے کہ اس سے دنیا میں ملامت اور آخرت میں شفاعت سے محرومی نصیب ہوگی، کیوں کہ مرفوع حدیث میں ہے کہ جس نے میری سنت چھوڑ دی اسے میری شفاعت سے حصہ نہ ملے گا۔ شرح غفار میں ہے، سنت کا تارک سزا اور ملامت کا مستحق ہے۔ غایۃ البیان میں ہے۔ سنت وہ جس کے کرنے میں ثواب ہے اور چھوڑنے پر عتاب ہے۔ تلویح میں ہے۔ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا حرام کے قریب ہے۔ اس سے شفاعت سے محرومی نصیب ہوتی ہے۔ رد المختار میں ہے صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کے چھوڑنے سے آدمی ایسا ہی گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ واجب کے چھوڑنے

دوسرے کثرت جماعت کا ثواب بے حساب ہے۔ اس واسطے کہ نماز جماعت کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس حصے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بخمس وعشرین درجۃ رواہ البخاری ومسلم اور بعض روایات میں ستائیس درجے آیا ہے بہر حال یہ ثواب جماعت کا اقل عدد جماعت سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک سوائے امام کے تین شخص ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو شخص اور جس قدر اس پر زیادہ ہوں گے اسی حساب سے ثواب بھی بڑھتا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو گنجائش کثرت جماعت کی میدان عیدگاہ میں ہوگی وہ کسی مسجد میں ممکن نہیں، پس ثواب نماز عیدگاہ کا بسبب زیادہ ہونے نمازیوں کے زیادہ ہوگا، جیسا کہ تنویر الحوالک شرح موطا امام مالکؒ میں بروایت ابن عباس مروی ہے۔ فضل صلوٰۃ الجماعۃ علی صلوٰۃ الواحد خمس وعشرین درجۃ فان کانوا اکثر فعلی عدد من فی المسجد فقال رجل وان کانوا عشرۃ الاف قال نعم وان کانوا اربعین الفا ھذا یدل علی ان التضعیف المذکور فی الجماعت مرتب علی اقل عدد یحصل بہ الجماعۃ فیزید بزیادۃ المصلین نظر برآں اگر سب مساجد شہر کی جماعتیں ٹوٹ کر عیدگاہ جاویں تو کس قدر کثرت جماعت سے ثواب بے حساب اور اجر کثیر پاویں۔

تیسرے فی نفسہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ اس واسطے کہ موافق اس حدیث کے۔ صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام مسجد نبوی کی ایک نماز کا ثواب سوائے نماز مسجد کعبہ کے اور مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل اور بڑھ کر ہے۔ مثلاً دو رکعتیں عید کی مسجد نبوی میں پڑھی جاویں تو دو ہزار رکعت کا ثواب ملے گا، پھر بایں ہمہ افضلیت وکثرت ثواب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز پڑھتے تھے تو بیشک یہاں ان دو رکعتوں کا ثواب دو ہزار رکعت سے بھی زیادہ ہوگا اور اجر کثیر ملے گا۔

چوتھے جو شخص محض اتباع سنت نبوی عیدگاہ جائے گا، یقینی وہ سو شہیدوں کا ثواب پائے گا، کہ حدیث شریف میں وارد ہے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأۃ شھید۔

---

ے لہ جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر آدمی زیادہ ہوں تو ان کی تعداد کے مطابق ثواب بڑھتا ہے۔ کسی نے کہا اگر بالفرض دس ہزار نمازی ہوں تو دس ہزار گنا ثواب ملے گا؟ انہوں نے کہا اگر چہ چالیس ہزار ہوں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پچیس گنا اجر سب سے کم درجہ جماعت پر ملتا ہے۔ اور نمازیوں

پانچویں جو کوئی بھائی مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف بلائے گا، وہ برابر ان لوگوں کے ثواب پائے گا جو اس نیک کام میں اس کے تابع ہوئے ہیں، چنانچہ مسلم میں حدیث وارد ہے۔ من دعا الی الھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذلک من اجورھم شیئا اور مضمون حدیث من دل علی خیر فلہ اجر مثل فاعلہ کا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

چھٹے جو کوئی واسطے نماز کے جس قدر دور سے چل کر آوے گا۔ اتنا ہی ثواب زیادہ پائے گا، کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ اعظم الناس اجرا فی الصلوٰۃ ابعدھم فابعدھم ممشی یعنی بڑا لوگوں میں از روئے ثواب کے نماز میں جو دور ان کا ہے پھر دور ان کا ہے۔ چلنے میں یعنی جس کا گھر دور ہو مسجد سے بلکہ نماز کے واسطے جس قدر زیادہ چلنا ہوگا ہر قدم پر ایک ایک درجہ ثواب کا بڑھتا جاوے گا اور ایک ایک گناہ اس کا مٹتا جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے من یذھب الی المصلی لم یخط خطوۃ الا رفعہ اللہ بھا درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ ............ پس ظاہر ہے کہ عیدگاہ جو باہر آبادی سے ہوتی ہے لامحالہ بہ نسبت مساجد شہر کے دور ہوگی۔ پس ثواب اس کا بہ سبب زیادہ ہونے بعد مسافت اور قدموں کے بھی زیادہ ہوگا۔

ساتویں ایک جگہ شہر کے کنارے عیدگاہ میں سب دیندار بھائی جمع ہو کر نماز پڑھیں گے تو کس قدر شوکت وشان دینی اور ترقی ورونق اسلامی ظاہر ہوگی اور کیسا کچھ مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد باہمی ایک دوسرے کی ملاقات سے بڑھے گا اور اظہار فرحت وسرور ہوگا کہ یہ باعث ہے تنزل انوار رحمت کا اور سبب ہے حصول خیر وبرکت کا اور وسیلہ ہے قبول حاجات کا اور ذریعہ ہے اجابت دعوات کا کہ حق تعالیٰ اس روز اپنے بندوں کی طرف جو عیدگاہ میں جاتے ہیں متوجہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تمام ماہ رمضان کے روزے رکھے اور ہماری اطاعت کی آج کا دن ان کی مزدوری لینے کا ہے جو یہ مانگیں گے دوں گا۔ اور ان کی دعا کو قبول کروں گا۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب حررہ العبد الآسی محمد عبدالعلی المدراسی تجاوز اللہ عن جمیع المعاصی محمد عبدالعلی المدراسی

ما احسن ہذا التقریر المتضمن للخیر الکثیر فی الواقع عیدگاہ میں نماز عیدین ادا کرنا سنت ہے اور ترک اس کا بلا عذر شرعی باعث ملامت ہے۔ حق جل شانہ اہل اسلام کو توفیق اس سنت کے اجرا کی دیوے اور مخالفت سنت سے محفوظ رکھے۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

جس کا جملہ سے بڑھ جاتا ہے بندہ جو اری بھلائی کی طرف راہنمائی کرے اس کو بھلائی کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے۔

حاماً و مصلیاً مسلمان دیندار پر واضح ہو کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے کہ نماز عیدین باہر نکل کر عیدگاہ میں پڑھنی چاہیئے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] الآیۃ وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ الآیۃ اسی لئے تعالٰی خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام و تابعین و مجتہدین و محدثین رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی پر چلا آیا ہے۔ بنابراں کے تمامی فقہائے متقدمین و متاخرین لکھتے چلے آتے ہیں کہ باہر جاکر جبانہ یعنی عیدگاہ میں نماز ادا کرنا سنت و شعائر اسلام سے ہے اگرچہ جامع مسجد گنجائش نماز کی رکھتی ہو۔ والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع الی اخرہ[2] فی تنویر الابصار والدر المختار والکنز والہدایۃ وغیرہا من المتون والشروح والفتاوی۔

واللہ اعلم الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱　　فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۶۲۳

---

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر نا جائز ہے تو مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنے والے کو بدعتی کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا بدعت ہے۔ یا نہیں اور اگر جائز ہے تو میدان و مسجد میں کیا فرق ہے اور کون افضل ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**: عیدین کی نماز بالعذر مسجد میں پڑھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث　الوداؤد وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بدون عذر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا نہیں گیا مسجد میں جو لوگ عید کی نماز ادا کرتے ہیں وہ البتہ تارک السنت ہیں بدعتی نہیں کہے جاسکتے کیوں کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالعذر پایا گیا ہے۔ ونیز حضرت علی رضی نے بوڑھے وضعیف وغیرہ کو مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی تھی میدان میں پڑھنا سنت ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے لہذا میدان میں پڑھنا اولیٰ وافضل ہوگا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں پڑھتا۔ لولا انہ السنۃ لصلیت فی المسجد[3] ھکذا فی سبل السلام

واللہ اعلم حررہ السید محمد عبد الحفیظ　　سید محمد نذیر حسین　　فتاوٰے نذیریہ جلد اول ص ۶۲۵

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ الآیۃ اور جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

[2] عید کی نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف باہر نکلنا سنت ہے۔ اگرچہ جامع مسجد میں تمام لوگ سما سکتے ہوں۔ تنویر الابصار، در المختار، کنز، ہدایہ وغیرہ میں، متون اور شروح اور فتاوے میں ایسا ہی ہے۔ [3] اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں عید کی نماز مسجد میں پڑھتا۔

**سوال** : بارہ تکبیریں جو عیدین میں ہوتی ہیں یہ مع تکبیر تحریمہ و تکبیر قیام کے ہیں یا کہ ان کے علاوہ ہیں؟ بینوا توجروا

**الجواب** : عیدین میں بارہ تکبیروں کی جو روایتیں آئی ہیں ان میں بعض روایتوں میں لفظ سوی تکبیر الافتتاح واقع ہوا ہے۔ اور بعض میں سوی تکبیرتی الرکوع وارد ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیدین کی بارہ تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہے۔ اور سوا امام مالک اور امام احمد وغیرہما کے نزدیک یہ بارہ تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے اور ان بارہ تکبیروں میں تکبیر قیام اور تکبیر رکوع کسی کے نزدیک داخل نہیں۔ قال النووی واما التکبیر المشروع فی اول صلوٰۃ العید فقال الشافعی ھو سبع فی الاولی غیر تکبیرۃ الاحرام وخمس فی الثانیۃ غیر تکبیرۃ القیام وقال مالک واحمد وابو ثور کذلک ولکن سبع فی الاولی احداھن تکبیرۃ الاحرام کذا فی عون المعبود ص ۴۴۴ ج ۱ اور نیل الاوطار صفحہ ۱۸۵ جلد ۳ میں ہے۔ وقد تقدم فی حدیث عائشۃ عند الدارقطنی سوی تکبیرۃ الافتتاح وعند ابی داؤد سوی تکبیرتی الرکوع وھو دلیل لمن قال ان السبع لا تعد فیھا تکبیرۃ الرکوع واحتج اھل القول الثانی باطلاق الاحادیث المذکورۃ فی الباب واجابوا عن حدیث عائشۃ بانہ ضعیف انتھی حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔ والفقہاء علی ان الخمس فی الثانیۃ غیر تکبیرۃ القیام کذا فی التعلیق الممجد فتاویٰ نذیریہ ص ۴۲۹ ج ۱

---

**سوال** : عیدین کی تکبیریں حدیث شریف سے کس قدر ثابت ہیں؟ بینوا توجروا

**الجواب** : حدیث شریف سے نماز عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں۔ پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل قرات کے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل قرات کے اور یہی قول ہے اکثر اہل علم صحابہ و تابعین

---

۱ مشروع تکبیریں عید کی پہلی رکعت میں شافعی کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات ہیں اور دوسری میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ ہیں۔ امام مالک احمد ابو ثور بھی پہلی رکعت میں سات کے قائل ہیں لیکن وہ تکبیر تحریمہ سمیت سات کہتے ہیں۔ عائشہ کی حدیث میں ہے کہ تکبیر افتتاح اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ اور وہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے کہ ان سات میں تکبیر تحریمہ اور رکوع اور پانچ میں تکبیر رکوع شمار نہیں کی جائے گی۔ اور دوسرے قول والے مطلق احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ اور فقہا کہتے ہیں کہ دوسری میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

۲ یہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کے علاوہ سات اور پانچ کہنے میں احتیاط ہے۔ (راشد حنیف)

اور ائمہ کا اور یہی مروی ہے حضرت عمر اور ابوہریرۃ اور ابوسعید اور جابر اور ابن عمر اور ابن عباس اور ابوایوب اور زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے اور یہی قول ہے مدینہ کے فقہاء سبعہ مشہورین کا اور یہی قول ہے امام مالکؒ اور امام اوزاعی اور امام احمد اور امام اسحاق کا کما ذکر فی النیل صفحہ ۱۸۲ جلد ۳ منتقی الاخبار میں ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی کبر فی عید ثنتی عشرۃ تکبیرۃ سبعا فی الاولی وخمسا فی الاخرۃ ولم یصل قبلھا ولا بعدھا رواہ احمد وابن ماجۃ قال احمد انا اذھب الی ھذا وفی روایۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی وخمس فی الاخرۃ والقرأۃ بعدھما کلتیھما رواہ ابوداؤد والدارقطنی قال القاضی الشوکانی فی النیل ص ۱۸۲ جلد ۳ حدیث عمرو بن شعیب قال العراقی اسنادہ صالح ونقل الترمذی فی العلل المفردۃ عن البخاری انہ قال انہ حدیث صحیح انتہی وقال الحافظ ابن حجر فی التلخیص ص ۱۴۲ ورواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ والدارقطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وصححہ احمد وعلی والبخاری فیما حکاہ الترمذی انتہی موطا امام مالک صفحہ ۶۳ میں ہے عن نافع مولی عبداللہ بن عمر انہ قال شھدت الاضحی والفطر مع ابی ھریرۃ فکبر فی الرکعۃ الاولی سبع تکبیرات قبل القرأۃ وفی الاخرۃ خمس تکبیرات قبل القرأۃ قال مالک وھو الامر عندنا انتہی الحاصل حدیث صحیح مرفوع سے عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں اور بارہ تکبیروں کے سوا اور اس سے کم وبیش تکبیرات کے بارے میں جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب حررہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

فتاوے نذیریہ ص ۶۳۶ ج ۱　　سید محمد نذیر حسین　　ابوالعلے محمد عبدالرحمٰن

---

سلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں بارہ تکبیریں پڑھیں سات پہلی میں اور پانچ دوسری میں اور اس سے پہلے یا پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا عید الفطر میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں ہے اور پانچ دوسری میں اور دونوں رکعتوں میں قراۃ تکبیروں کے بعد ہے۔

سلہ عراقی نے کہا اس کی سند اچھی ہے۔ امام بخاری نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

سلہ نافع عبداللہ بن عمر کے غلام کہتے ہیں کہ میں نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ حضرت ابوہریرہ کے پیچھے پڑھیں آپ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں قراۃ سے پہلے کہیں اور دوسری قراۃ سے پہلے پانچ تکبیریں، امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

**سوال**: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل پڑھنا عیدگاہ میں قبل نماز عید کے یا بعد نماز عید کے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: درصورتِ مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدگاہ میں نفل پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھا ولا بعد ھا رواہ البخاری ومسلم کذا فی المشکوٰۃ (ترجمہ) ابن عباسؓ سے ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں دن فطر کے دو رکعتیں نہ پڑھی پہلے ان کے اور نہ پیچھے ان کے روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور امت کو کرنے نہ کرنے دونوں میں اقتدار و اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ الآیۃ ونیز فرماتا ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واحسن الکلام کلام اللہ وخیر الھدی ھدی محمد[2]۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

**مسئلہ** واضح ہو کہ عیدگاہ میں نفل پڑھنے کی بابت علماء کا اختلاف ہے علمائے سلف کوفہ کے قبل نماز عید کے عیدگاہ میں نفل پڑھنا جائز نہیں رکھتے اور بعد نماز کے جائز رکھتے ہیں اور علمائے بصرہ کے قبل نماز عید کے جائز رکھتے ہیں۔ اور بعد نماز کے جائز نہیں رکھتے اور علمائے مدینہ منورہ کے نہ قبل نماز عید کے جائز رکھتے ہیں اور نہ بعد نماز عید کے۔ ان تینوں مذہبوں میں مذہب علمائے مدینہ منورہ کا مطابق فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے نفل پڑھی ہے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز کے نہ بعد نماز کے اور نہ صحابہ کرام سے کبھی پڑھنا منقول ہے۔ پس یہی مذہب حق ہے اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ کہ اتباع سنت و ترک سنت نبویہ امت مرحومہ کو نصیب ہوا اور اتباع و اقتدار آنحضرت صلعم کے فعل و ترک فعل دونوں میں ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اسوۃ حسنۃ الآیۃ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے

---

[1] جو رسول تمہیں دے اسے لو اور جس سے روکے باز آجاؤ۔

[2] بہترین کلام اللہ کا کلام ہے۔ اور بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔

نفل پڑھے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز عید اور نہ بعد نماز عید کے۔ تو جو کوئی برخلاف اس کے کرے یعنی عیدگاہ میں قبل نماز کے یا بعد نماز کے نفل پڑھے یا گھر میں نفل پڑھ کر عیدگاہ میں جا دے سو وہ حدیث من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد کا مصداق ہوگا اور بسبب عدم ثبوت نفل کے عیدگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما عیدگاہ میں نفل پڑھنے سے لوگوں کو منع کرتے تھے روی سعید بن منصور فی سننہ عن ابن سیرین ان ابن مسعود وحذیفۃ قاما ونھیا الناس ان یصلوا یوم العید قبل خروج الامام الی المصلی واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ　سید محمد نذیر حسین

**ھوالموفق**: فی الواقع عیدگاہ میں نفل پڑھنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح قبل نماز عید کے گھر میں بھی نفل پڑھنا ثابت نہیں ہاں بعد نماز عید کے گھر میں آکر دو رکعت نفل پڑھنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بلوغ المرام میں ہے عن ابی سعید قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی قبل العید شیئا فاذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین رواہ ابن ماجہ باسناد حسن وقال فی السبل ص ۱۰۳ جلد اول اخرجہ الحاکم واحمد وروی الترمذی عن ابن عمر نحوہ وصححہ انتہی کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفی عنہ (فتاوٰی نذیریہ ص ۶۳۹ جلد اول)

---

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کے کہ عورتوں کو اس زمانہ میں نماز عیدین کے لئے عیدگاہ میں جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے، تو اس اثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا جواب ہے عن عائشۃ قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المساجد رواہ البخاری یعنی فرمایا حضرت عائشہؓ نے کہ اگر پاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احداث کیا ہے عورتوں نے، تو بے شک منع فرماتے ان کو مسجدوں سے الخ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

**الجواب**: عورتوں کا بروز عیدین عیدگاہ میں جانا حدیث صریح صحیح مرفوع سے بلانکیر ثابت ہے۔

---

لے جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے۔ تو وہ کام مردود ہے۔ لے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں کو عید کے دن امام کے نکلنے سے پہلے نفل پڑھنے سے روکنے لگے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے اور جب گھر آتے تو دو رکعت پڑھتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں اہتمام بلیغ تھا، یہاں تک کہ حائضہ اور بن کپڑے والی کو بھی عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم فرماتے، بخاری و مسلم میں ہے، عن ام عطیۃ قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم وتعتزل الحیض عن مصلاھن قالت امرأۃ یا رسول اللہ احدنا لیس لھا جلباب قال لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا یعنی ام عطیہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ حکم کئے گئے ہم لوگ کہ نکالیں حیض والیوں کو عیدین میں اور پردہ وار کو، پس حاضر ہوں مسلمانوں کی جماعت میں اور ان کی دعا میں، اور علیحدہ بیٹھیں حیض والیاں اپنی نمازیوں کی صف سے کہا ایک عورت نے کہ یا رسول اللہ اگر نہ ہو کسی عورت کے پاس چادر، فرمایا تب چاہیئے کہ اوڑھا دے اس کو ساتھ والی اس کی اپنی چادر سے، اور ایک روایت میں ہے صحیحین کے، کہ جائیں حیض والیاں عیدگاہ میں، پھر رہیں پیچھے لوگوں کے، اللہ اکبر کہیں ساتھ ان کے، نووی شارح مسلم نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے، کہ حضرت ابو بکرؓ و علیؓ و ابن عمرؓ وغیرہ کے نزدیک ضرور تھا نکلنا عورتوں کا عیدین میں اور تحت میں قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لتلبسھا کے نووی لکھتے ہیں کہ وفیہ حث علی حضور العید لکل احد وعلی المواساۃ والتعاون علی البر والتقوی۔ یعنی حضرت کے اس فرمانے میں کہ بے کپڑے والی کو اس کے ساتھ والی کپڑا اڑھا کر لے جائے شوق دلانا ہے عیدین میں حاضر ہونے کے لئے ہر ہر شخص کو، اور سادپر احسان اور مدد کرنے کے نکوئی و پرہیزگاری پر اور یہاں شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ داگر عاجز باز قادر عاریت نماید و سوال کند نیز جائز است، کہ وسیلہ امر خیر است، اور شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں ولذلک استحب خروج الجمیع حتی الصبیان والنساء وذوات الخدور والحیض یعنی اسی لئے واسطے شوکت اسلام کے مستحب ہے جانا ہر ہر شخص کا عیدگاہ میں حتیٰ کہ لڑکے اور عورتیں اور پردہ دار اور حیض والیاں اور بخاری میں ہے۔ قلت لعطاء اتری حقا علی الامام الاٰن ان یاتی النساء فیذکرھن حین یفرغ قال ان ذلک لحق علیھم ومالھم ان لا یفعلوا، یعنی کہا جریج نے عطا تابعی سے کہ کیا گمان کرتے ہیں آپ ضرور ہے امام پر اس زمانہ میں اس بات کی، کہ آوے امام پاس عورتوں کے، پھر وعظ کہے نماز سے فارغ ہو کر، کہا عطاء نے یہ البتہ بے شک ضرور ہے اماموں پر اور کیا ہے واسطے ان کے یہ کہ نہ کریں۔

اور جواب اثر حضرت عائشہؓ کا اولاً یہ ہے کہ غرض ان کی امتناع احداث عورتوں کا ہے، جو کچھ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کر رکھا تھا۔ من الزینۃ والطیب وحسن الثیاب ونحوھا کذا فی العینی نفس

---

لہ اگر کوئی غریب عورت امیر عورت سے چادر مانگ لے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ نیک کام کا وسیلہ ہے۔

حضوری مسجد، چنانچہ لفظ ما احدث النساء کا دلیل روشن ہے اس معنی پر اور وہ بے شک ممنوع و موجب فساد ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شہدت احداکن المسجد فلا تمس طیبا رواہ مسلم، یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آوے کوئی عورت مسجد میں پس خوشبو نہ لگا وے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے، اور ابو داؤد میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قبول ہوتی نماز اس عورت کی جو خوشبو لگائے مسجد کے لئے، یہاں تک کہ غسل کرے غسل کرنا ناپاکی کا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنکم نساؤکم باللیل الی المسجد فاذنوا لھن یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ اجازت مانگیں تم سے عورتیں تمہاری مسجد کی رات کو، پس اجازت دو ان کو، اس حدیث میں اجازت کو رات سے ساتھ مقید فرمایا، غرض جو امر باعث فساد ہے اس کی اصلاح شارع سے خود ثابت ہے، اس کی اصلاح بقدر نقصان کرنا چاہیئے نہ کہ معدوم کر دینا اصل امر شرعی کا، یہ اصلاح نہیں ہے۔ بلکہ افساد ہے حج کے لئے عورتیں جب سے گھر چھوڑ کر نکلتی ہیں، تو ابتداء سے روانگی سے کیا کیا حالتیں ریل و جہاز وا ونٹ پر ان کی بے پردگی کی پیش آتی ہیں پھر مکہ معظمہ میں وقت طواف و سعی وغیرہ کے کس مرتبہ کا اختلاط مردوں سے رہتا ہے کہ مارے دھکوں کے گر گر جاتی ہیں نعوذ باللہ من ذلک، اور یہ صریح حرام ہے تو اس بہت سے عورتیں حج سے باز رکھی جاویں گی، بلکہ اختلاط رجال اور دوسرے منہیات سے تاکید لازم ہو گی، ہاں جمعیت عورت و مرد خلاف شرع البتہ باعث فساد ضرور ہوتی ہے اس کا انسداد لازم ہے، جیسے مردوں کا سامنے اپنے غیر محرمات مثل بجاوج و سالیاں و سمرجین وغیرہ کے آیا کرنا، ان سے دل لگیاں ہونا، کشف عورت رہنا، جیسا کہ اکثر بلکہ تمام ہند میں دائر و سائر ہے اس کو ضرور مسلمانوں کے گھر سے موقوف ہو جانا چاہیئے کہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہو گئے ہیں اور شرعاً و عقلاً کسی طرح جائز نہیں ہے غرض جس مجمع خلاف شرع میں کہ فساد واقع ہو رہا ہے اس سے چشم پوشی کرنا اور مجمع موافق شرع کو موقوف کر دینا فقط تقاضائے شرافت و امارت و اغوائے شیطانی ہے اس سے پرہیز ناگزیر ہے۔

ثانیاً اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ غرض حضرت عائشہ رض کی مطلقاً منع حضوری ہے مسجد، پس اس میں صریح تخصیص مسجد کی موجود ہے، قیاس امتناع حضوری عیدگاہ اس پر درست نہیں ہے اس لئے کہ حضوری مسجد عورتوں کو جائز ہے اور مستحب یہ ہے کہ گھر میں نماز ادا کریں چنانچہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن رواہ ابوداؤد یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکو اپنی عورتوں کو مسجدوں سے اور گھر ان کے بہتر ہیں ان کے لئے بخلاف نماز عیدین کے کہ اس میں یہاں تک تاکید فرمائی، کہ حائضہ

اور بے کپڑے والی محتاج اوروں کے کپڑوں میں عیدگاہ آئیں، عذر سے بھی اس دن خانہ نشینی کی اجازت نہ دی۔
مثلاً آپ منع کہاں فرماتی ہیں، وہ تو اپنا فہم ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس احداث کو
دیکھتے، تو میرے نزدیک یہ ہے کہ عورتوں کو مسجد سے روکتے، اور یوں فرمانا اس سبب سے تھا کہ مطابقت فہم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ فہم اپنے کے ضروری جانا، یا ترک ادب سے ڈریں کہ اپنی رائے سے حکم صریح رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں کر اٹھایا جا سکتا ہے یا آپ مختار حلت و حرمت ہی کی نہ تھیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
بمقتضائے حیا و بیان صریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ بیوتھن خیر لھن عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ جانتے
تھے، پر منع کرنے میں دم نہیں مارتے تھے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف اجازت دینے کا حکم فرمایا
کہ تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ تو اب کون اس اجازت کو اٹھا سکتا ہے، بخاری شریف کے صفحہ ۱۲۲ میں
ہے، عن ابن عمر قال کانت امرأۃ لعمر تشھد صلوۃ الصبح والعشاء فی الجماعۃ فی المسجد فقیل
لھا لم تخرجین وقد تعلمین ان عمر یکرہ ذلک ویغار قالت فما یمنعہ ان ینھانی قال یمنعہ
قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ رواہ البخاری یعنی حضرت
ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تھیں بی بی حضرت عمرؓ کی کہ نماز صبح اور عشاء کی جماعت سے ادا کرنے کو مسجد میں جایا کرتے تھے،
کسی نے ان سے کہا کہ تم کیوں نکلتی ہو جب کہ جانتی ہو کہ عمرؓ مکروہ جانتے ہیں نکلنا عورتوں کا، اور غیرت کرتے
ہیں کہا ان کی بی بی صاحبہ نے پس کس چیز نے منع کیا عمرؓ کو کہ مجھے منع کر دیتے، کہا اس شخص نے کہ باز رکھا عمرؓ کو
تمہارے روکنے سے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ نہ روکو اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے۔
روایت کیا اس حدیث کو بخاری نے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے منع کرنے پر اپنے بیٹے کو اس قدر سخت
درشت کہا کہ کبھی کسی کو نہ کہا تھا اور مرنے کو مر گئے پر بیٹے سے پھر بارے غصہ کے بات نہ کی۔ عن بلال بن
عبد اللہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا النساء حظوظھن من
المساجد اذا استاذنکم فقال بلال واللہ لنمنعھن وفی روایۃ سالم عن ابیہ قال فاقبل علیہ
عبد اللہ فسبہ سبا ما سمعتہ سبہ مثلہ قط وقال اخبرک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و

---

ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عورتیں تم سے اجازت مانگیں تو ان کو مساجد کے حصے سے منع نہ کرو۔ بلال نے کہا خدا کی قسم ہم تو ان کو
روکیں گے تو حضرت عبداللہ نے کہا میں کہہ رہا ہوں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور تو کہتا ہے۔ ہم ان کو روکیں گے
اور ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ اس پر متوجہ ہوئے اور اس کو ایسی گالیاں دیں کہ پہلے کبھی نہ دی تھیں اور کہا میں آنحضرت

فقول واللہ الملهم رواہ مسلم اور احمد کی روایت میں ہے ذمہ اکمہ عبد اللہ حتی مت کذا فی المشکوٰۃ ہر گاہ نماز و تقریبیں یہ معاملے گذرے ہے جس کا ظہر یہ ادا کرنا خود حدیث صریح صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، بلکہ اس کو بہتر فرمایا ہے، پس نماز عیدین سے کہ جس کے لئے عیدگاہ میں جانے کی تاکید شدید واہتمام بلیغ موجود ہے اور کوئی حدیث ضعیف بھی اس کے خلاف نہیں آئی۔ اور یہ نماز گھر ادا بھی نہیں کی جاتی ہے۔ اور اس مجمع کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر فرمایا ہے۔ کس حجت سے بھلا کوئی عورتوں کو منع کرے۔

رابعاً یہ کہ ولو فرضنا تو یہ حضرت عائشہ رض اپنے فہم سے فرماتی ہیں اور فہم صحابہ حجت شرعی نہیں ہے۔ کما ثبت فی اصول الحدیث

خامساً یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ مقصود حضرت عائشہ کا امتناع عام ہے۔ تو یہ اثر کب معارض ہو سکتا ہے حدیث صریح صحیح مرفوع کا اور ناسخ بھی کلام معصوم کا نہیں ہو سکتا پس حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درباب حضوری عورتوں کے عیدگاہ میں اسی اہتمام کے ساتھ بحال خود رہا، اور جانا ان کا عیدگاہ میں ثابت ہوا۔ پھر اب جو شخص بعد ثبوت قول رسول و فعل صحابہ کی مخالفت کرے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ الآیۃ جو حکم صراحۃً شرع شریف میں ثابت ہو جائے اس میں ہرگز ہرگز رائے و قیاس کو دخل نہ دینا چاہیئے کہ شیطان اسی قیاس سے کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ حکم صریح الٰہی سے انکار کرکے ملعون بن گیا تھا اور یہ بالکل شریعت کو بدل ڈالنا ہے۔ عورت و مرد کے اختلاط کا فتنہ کچھ اسی زمانہ میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ ازل سے ابد تک رہا ہے اور رہے گا جس کی حکایتیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں، اس لئے شارع نے سلسلے فساد کو خود دفع کر دیا ہے۔ پھر بھی اس کو اصلاح طلب ہی سمجھنا قولہ تعالیٰ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ[1] کے وعید میں داخل ہونا ہے، ہاں یہ زمانہ بھی فساد کا ہے، ہر شخص اپنی عورتوں کا نگران رہے، بے پردہ بن ٹھن کر خوشبو لگا بجتے گہنے زیور پہن کر ہرگز نہ جانے دے، ان کو مردوں سے الگ بٹھائیے غرض اصلاح فساد ساتھ بقائے حکم شرع جس طرح ممکن ہے کرے اور حکم شرع کو ہرگز ہاتھ سے نہ دے۔

واللہ اعلم بالصواب اللّٰھم ارزقنا اتباع سنن سید الموجودات وجنبنا عن المبدعات آمین المجیب

وصیت علی　　　　الجواب صحیح والرای نجیح

| ذیشرف سید کونین مشں شریف حسین | سید محمد نذیر حسین |
|---|---|

[1] یعنی ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو ان کو کہی گئی تھی۔

اور روضہ ندیہ میں لکھا ہے۔ باب صلوٰۃ العیدین۔ قد اختلف اهل العلم هل صلوٰۃ العید واجبة ام لا والحق الوجوب لانه صلی الله علیه وسلم مع ملازمة لها قد امرنا بالخروج الیها کما فی حدیث امره صلی الله علیه وسلم للناس ان یغدوا الی مصلاهم بعد ان اخبره الرکب برؤیة الهلال وهو حدیث صحیح وثبت فی الصحیح من حدیث ام عطیة قالت امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نخرج فی الفطر والاضحی العواتق والحیض وذوات الخدور فاما الحیض فیعتزلن الصلوٰۃ و یشهدن الخیر ودعوۃ المسلمین فالامر بالخروج یقتضی الامر بالصلوٰۃ لمن لاعذر لها بفحوی الخطاب والرجال اولی من النساء بذلك انتهی پس میلان خلفائے ثلاثہ یعنی ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم کا بھی واجب کی جانب تھا اور اسی بات کی تائید کرتی ہے حدیث ابن عباسؓ جو ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج و بنات کو عیدین میں لے جاتے تھے پس یہ عموم شامل ہے جوان و بڑھیا دونوں کو، ہکذا فی بدر التمام شرح بلوغ المرام اور منہج المقبول من شرائع الرسول میں مرقوم ہے۔ اس طور سے، و زنان را برآمدن سوئے عیدگاہ از برائے نماز و شرکت در دعا مسلمین مشروع است و سنت صحیحہ بداں وارد گشتہ و نماز فرادیٰ ہم صحیح است

| خادم شریعت رسول الثقلین<br>محمد تلطف حسین ۱۲۹۲ | جہاں شد منور ز نور الحسن ۱۲۹۲<br>نعم المولی و نعم النصیر ۱۲۹۲ |
| --- | --- |

امیر حسن سکنہ سہسوان

سید محمد حسن۔ علی حسن خاں

محمد عبد العزیز۔ محمد جمیل

فتاوےٰ نذیریہ جلد اول ص۶۱۵

---

**سوال**: کوئی شخص عورتوں کو عیدگاہ میں لے جانے کی کوشش کرے تو اس کی مخالفت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

**جواب**: ہرگز مخالفت جائز نہیں۔ فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۰۳

---

لے علماء کا اختلاف ہے۔ کہ عید کی نماز واجب ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ واجب ہے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے خود بھی اس پر ہمیشگی کی ہے۔ اور ہم کو بھی حکم عید کی نماز کے لئے باہر نکلنے کو کہا ہے۔ جب کہ ایک قافلہ نے آکر اطلاع دی، کہ ہم نے کل رات چاند دیکھا تھا تو حکم دیا کہ کل لوگ عید کی نماز کے لئے باہر نکلیں اور ام عطیہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں باہر نکلیں، حائضہ عورتیں بھی، پردہ نشین بھی، حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں اور دعا وغیرہ میں شامل ہو جائیں اور باہر نکلنے کا حکم نماز کے حکم کا تقاضا کرتا ہے۔ جن کو شرعی عذر نہ ہو اور یہ حکم عورتوں کی نسبت مردوں کو زیادہ شامل ہوگا۔

**سوال**: جس مسجد میں سب لوگ جمع ہو سکیں اس مسجد میں نماز عیدین صحرا سے افضل ہے یا صحرا ہی میں افضل ہے؟

**جواب**: جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی وہاں ہی افضل ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۰۳

---

**سوال** عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پر رفع یدین کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے اور محدثین کا عمل کیا رہا ہے؟

**جواب**: کرنا چاہیے حدیث لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن گو ضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۰۳

---

**سوال**: عید کی نماز بدون بارش یا بدون کسی عذر شرعی کے مسجد میں پڑھنے کا ثبوت اور عید کی نماز کے بعد چندہ کرکے یا وقف کردہ زمین کے اخراجات سے کھانا تیار کرکے کھانا اور کھلانا اور اس کو لازم ضروری جاننا شرع میں جائز ہے یا نہیں؟

**جواب**: بغیر عذر کے نماز بستی میں پڑھنی خلاف سنت ہے۔ چندہ اگر کھانے کے لئے ہے تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے۔ اور اگر کسی اور غرض کے لئے ہے تو اسی غرض میں لگانا ضروری ہے۔ ایسا ہی وقف زمین بھی اگر دعوت مسلمین کے لئے موقوف ہے تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے اور اگر وہ کسی خاص غرض کے لئے وقف ہے تو اسی غرض میں اس کو استعمال کرنا چاہیے۔　　فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۰۴

---

**سوال**: عید کے روز بعد نماز سب لوگ معانقہ مصافحہ کرتے ہیں جس سے اظہار خوشی ہوتی ہے اور بعض لوگوں میں جو خفیف رنجش رہتی ہے اس ذریعہ اکثر دور ہو جاتی ہے اس کو سنت سمجھ کر نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف اظہار خوشی کے لئے۔ بعض لوگ اس کو منع کرتے ہیں۔ عید کا معانقہ مصافحہ بعد نماز کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**جواب**: مصافحہ بعد سلام آیا ہے۔ عید کے روز بھی بنیت تکمیل سلام مصافحہ کریں تو جائز ہے بنیت خصوص عید بدعت ہے۔ کیونکہ زمانہ رسالت اور خلافت میں مروج نہ تھا۔　　فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۰۵

---

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز میں زوائد تکبیرات کے اکثر اہلحدیث رفع یدین کرتے ہیں۔ بالخصوص شہر دہلی میں جو علمائے ہر فریق اہل حدیث کا مرکز ہے وہاں بھی یہ عمل دیکھا

گیا ہے۔ احادیث و آثار سے اس پر کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا

**الجواب**: اہل حدیث اس بارے میں دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔ التلخیص الحبیر میں صلوٰۃ العیدین میں تکبیرات کے وقت وقفہ کے متعلق ہے۔ الی قولہ۔ عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرات۔ رواہ البیھقی الخ دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ پہلی میں عبداللہ بن لہیعہ ہے وہ صدوق ہے، خلط بعد احتراق کتبہ سنن کا راوی ہے۔ مسلم نے بھی اس سے مقرونا روایت کی ہے۔ (تقریب التہذیب) دوسری میں بقیہ ابن ولید ہے، وہ بھی مسلم و سنن اربعہ کا راوی ہے۔ امام بخاری نے بھی تعلیقاً روایت کی ہے "صدوق کثیر التدلیس عن الضعفاء" ہے۔ (التقریب التہذیب) یہاں اس کا شیخ محمد بن ولید زبیدی ثقہ ہے۔ صحیحین کا راوی ہے۔ اگرچہ ان دونوں میں کچھ کلام ہے، مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے گویا ہر واحد "حسن لغیرہ" کے درجہ میں ہے۔ لہٰذا قابل عمل ہے خصوصاً امام بیہقی و امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔ اور مطلق نماز میں رفع یدین تو اللہ کی تعظیم اور سنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قالہ الامام الشافعی۔ (فتح الباری) ونقل ابن عبد البر عن ابن عمر انہ قال رفع الیدین زینۃ للصلوٰۃ وعن عقبۃ بن عامر قال لکل رفع عشر حسنات بکل اصبع حسنۃ (فتح الباری انصاری ص۲۰۳ جلد اول) بہرحال یہ فعل تعظیم الٰہی اور اس کی توحید فعل باعث ثواب ہے اور یہ فعل حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ (وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص۵۶۰) واللہ اعلم بالصواب (ملخص)

(ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی)    (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۵۰۵)

---

**سوال**



نماز عید مسجد میں پڑھنی جائز ہے؟

**جواب**: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید مسجد میں پڑھائی۔ (مشکوٰۃ) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کی نماز میدان میں پڑھنی چاہیے۔ البتہ اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو۔ تو عید کی نماز مسجد میں پڑھنی جائز ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی    (فتاویٰ اہلحدیث ج۲ ص۱۱۹)

**سوال** : عیدین میں نماز و خطبہ ختم ہونے کے بعد امام کا معہ مقتدی دُعا مانگنا یا مقتدیوں کا فرداً فرداً الگ الگ دُعا مانگنے کا حکم ہے یا دُعا مانگنے کی مطلق ممانعت ہے ؟

**جواب** : عیدین میں بوقت خاص دُعا کا ذکر میرے ناقص علم میں نہیں ہاں عام طور پر دُعا کا حکم اور ثبوت ملتا ہے۔ میری سمجھ سے یہ امر باہر ہے کہ ایسے امر کی بابت اتنی کرید کیوں کی جاتی ہے ؟

**شرفیہ** : اصل بات یہ ہے کہ حدیث نبوی ہے الدعاء ھو العبادۃ الحدیث رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وغیرہ وصححہ الترمذی وفی ادب المفرد قال صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء مخ العبادۃ رواہ الترمذی وفی ادب المفرد للبخاری بلفظ اشرف العبادۃ الدعاء انتہی (تنقیح الرواۃ ج۲ ص۲) نماز کے بعد وقت مبارک اور قبولیت دُعا کا ہے۔ اس لئے شیطان ایسے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ تاکہ وسوسوں میں مبتلا ہو کر یہ دُعا مانگنے سے محروم ہو جائیں اس لئے ایسے لوگ بیچارے مجبوریں یہ کرید میں رہتے ہیں اور شیطان کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطانی وساوس سے سب کو محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین　　　　فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۵۲۸

**توضیح الکلام** عیدین میں دُعا کا ذکر ام عطیہ کی روایت سے صحیحین میں موجود ہے۔ عن ام عطیۃ قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم وتعتزل الحیض عن مصلاھن الخ مشکوٰۃ شریف ص۱۲۵ اس حدیث میں مذکورہ دُعا کا ذکر ہے ورنہ اور کوئی دُعا نہیں جس دُعا میں حیض والی عورت کو شمولیت کا حکم ہو۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔ سعیدی

---

**سوال** : ہمارے ہاں ایک امام نے عید پڑھائی اور دوسرے شخص نے خطبہ پڑھایا کیا اس طرح جائز ہے ؟

**جواب** : عندالضرورت جائز ہے کوئی حرج نہیں۔　　اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ ش ۲۸

---

**سوال** : امام نے عید کا خطبہ ایک ہی پڑھا دوسرا نہیں پڑھا کیا خطبہ ہو گیا ؟

**جواب** : مسنون یہی ہے کہ خطبے دو ہوں۔ مگر مجبوری کر ایک ہی پڑھا گیا تو کوئی حرج نہیں۔

اہلحدیث سوہدرہ ج ۳ ش ۲۸

---

ت مجبوری کا ایک خطبہ کا ذکر سوال میں نہیں لہٰذا اس کی ضرورت نہیں۔ عیدین میں جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھنا منقول ہے۔　الراقم ...

**سوال:** امام نے خطبہ عید میں مصلیٰ چھوڑ کر دوسری جگہ خطبہ پڑھا۔ نیز بہت لمبا خطبہ پڑھا جس سے لوگ اکتا گئے کیا یہ جائز ہے؟

**جواب:** جگہ بدلنے میں کوئی حرج نہیں، مگر خطبہ میں اتنی طوالت کہ لوگ اکتا جائیں، ممنوع ہے، تطلیب کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۲ ش ۲۸

---

**سوال:** عیدگاہ میں نماز عید سے قبل کسی قسم کا نماز پڑھنا، یا وعظ و نصیحت کرنا یا تبلیغی خدمات کے لئے عیدگاہ میں کوئی اجتماعی کاروائی کرنا۔ چندہ جمع کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** عیدگاہ میں نماز عید سے قبل یا بعد کوئی نماز نہیں ہے، وعظ و نصیحت یا تبلیغی مہم کے سلسلے میں کوئی مذاکرہ کرنا یا کار خیر کے لئے چندہ جمع کرنا جائز ہے: لیکن مقصد اولین دوگانہ نماز اور اس کے بعد خطبہ کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیئے۔ (حضرت مولانا) عبدالوہاب آروی		ترجمان دہلی جلد ۳ ش ۱۱

---

**سوال:** عیدالاضحیٰ کی نماز سے قبل گھر سے کھا پی کر نکلنا چاہیئے یا نہار منہ عیدگاہ جانا چاہیئے؟

**الجواب:** عیدالاضحیٰ کی نماز کے لئے گھر سے نہار منہ نکلنا مسنون ہے۔

(مولانا) عبدالوہاب آروی		ترجمان دہلی جلد ۳ ش ۱۷

---

**سوال:** عیدالاضحیٰ کی نماز ہندوستانی مروجہ وقت کے لحاظ سے کتنے بجے کے اندر پڑھنا مسنون ہے؟ زیادہ دیر کر کے نماز عیدالاضحیٰ ادا کرنا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

**الجواب:** عیدالفطر کی نماز کا مسنون وقت وہ ہے جب آفتاب افق سے تقریباً سوا نیزہ بلند ہو اور نماز عیدالاضحیٰ کا مسنون وقت جب آفتاب افق سے ایک نیزہ بلند ہو، اس سے زیادہ دیر کر کے عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کی جائے تو نماز تو ہو جائے گی، مگر مسنون وقت وہی ہے جو لکھا گیا ہے۔

(مولانا) عبدالوہاب آروی		ترجمان دہلی جلد ۳ ش ۱۷

---

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی

نماز بلا عذر مسجد میں یا محدود محصور عمارت کے اندر خواہ تنہا یا جماعت پڑھی ہے۔ اور کیا ابن ماجہ کی وہ روایت جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مستر میدان میں عید کے دن نماز عید پڑھنا مروی و مرقوم ہے قابل تعامل و تسلیم ہے اور یہ کہ نماز عیدین میدان غیر مستر میں آبادی سے باہر آبادی سے دور پڑھنا مشروع ہے یا کہ مسجد میں۔ اور کیا آبادی کے باہر آبادی سے دور باغ یا جنگل میں درختوں کی آڑ میں پڑھنا بھی ثابت اور جائز ہے۔ جواب احادیث صحیحہ سے مطلوب ہے۔

محررہ السید عبد الغفار رضوی محمدی صمدنی الفرخ آبادی مقیم لکھنؤ

**الجواب**: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عیدین کی نماز میدان میں پڑھتے تھے کبھی چاردیواری یا مسجد وغیرہ میں آپ نے نہیں پڑھی باوجودیکہ مسجد نبوی میں ایک رکعت کا ثواب پچاس ہزار رکعتوں کا ملتا ہے۔ مگر آپ نے مسجد اپنی میں نماز عید نہ پڑھی (بجز عذر بارش) لہٰذا مسنون طریقہ کے مطابق نماز عید کسی میدان یا جنگل میں پڑھنی چاہیے۔ آنحضرت نے کبھی کسی چاردیواری میں عیدین کی نماز نہ پڑھی۔ روایت مندرجہ فی السوال قابل عمل ہے اس کے متعلق تفاصیل کتب صحاح وغیرہا میں موجود ہے۔ واللہ اعلم ابوالزبیر محمد یونس غفرلہٗ مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحبؒ دہلی۔

۲۔ بیشک عیدین کی نماز بلا عذر مسجد میں ادا کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔ (مولانا حکیم) عبید الرحمٰن عمرپوری نزیل میرٹھ

۳۔ الجواب صحیح (مولانا) ابو تراب عبد الغنی جودھپوری

۴۔ الجواب صحیح (مولانا) محمد مدرس مدرسہ محمدیہ و مدیر اخبار محمدی دہلی

۵۔ جواب صحیح ہے۔ (مولانا) محمد داؤد غزنوی (نبیرہ علامہ فاضل اجل مولانا سید عبد اللہ صاحب غزنوی علیہ الرحمۃ مدیر "توحید" امرتسر)

۶۔ الجواب صحیح (مولانا) سید ابو الحسن عفی عنہ (نبیرہ شمس العلماء حضرت مولانا مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی) بستی کے باہر میدان صحرا میں پڑھنا مسنون ہے باغ بھی حکم صحرا میں ہے۔ جواب مجیب کا صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم حررہ (مولانا) احمد اللہ فضل اللہ مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی

۸۔ جواب صحیح ہے۔ (مولانا) محمد امین امرتسری

۹۔ الجواب صحیح (مولانا) محمد یوسف شمس محمدی فیض آبادی

۱۰۔ الجواب صحیح (مولانا) سلیم الدین پرتاب گڑھی

۱۱۔ قد اصاب من اجاب (مولانا) محمد عبد الغنی چک رجادری

۱۲۔ الجواب صحیح (مولانا) ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

۱۳ عید کی نماز حضور علیہ السلام نے بغیر عذر کے کبھی گھر میں نہیں پڑھی ، ہمیشہ جنگل کو تشریف لیجایا کرتے تھے۔
(مولانا حافظ القرآن والحدیث تقریباً چھ ہزار حدیث کے حافظ ) عبدالتواب غزنوی علیگڑھی

۱۴ جواب صحیح ہے (مولانا قاضی سید محمد سلیمان ) سلیمان عفی عنہ منصور پوری پنشنر سشن جج ریاست پٹیالہ و پریذیڈنٹ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس آگرہ

۱۵ والامر کما قالوا (مولانا ) محمد ابوالقاسم البنارسی

۱۶ الجواب ہوالجواب (مولانا حافظ قاری حاجی ) نثار احمد عفی عنہ حنفی کانپوری مفتی آگرہ جامع مسجد

کتبہ العاجز الفقیر السید محمد ابوالحامد عبدالغفار مقیم شہر لکھنؤ اخبار محمدی جلد ۵ ش ۱۶

---

**سوال** ، عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے دو پڑھے جاویں یا صرف ایک پڑھنا چاہیے ؟

**الجواب** : جمعہ کے خطبہ کی طرح عیدین کے بھی دو خطبے ہیں جابرؓ نے کہا کہ تشریف لے گئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دن عید الفطر کے یا عید الضحیٰ کے (عیدگاہ میں ) پس کھڑے ہوکر خطبہ سنایا پھر تھوڑا سا بیٹھ گئے ، پھر دوبارہ کھڑے ہوئے ، اور نوویؒ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ ابن مسعود رضؓ نے فرمایا کہ عیدین میں دو خطبوں کا سنانا بایں طور کہ درمیان خطبہ کے کچھ تھوڑا سا بیٹھ کر پھر کھڑا ہو جائے مسنون ہے ۔ اگرچہ سب روایتیں ضعیف ہیں مگر عیدین کے خطبہ کو جمعہ کے خطبے پر قیاس کرنا اور کل اہل اسلام کا تعامل ان روایتوں کا مؤید اور مصحح ہے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کی ہے ۔ کہ عبیداللہ نے فرمایا کہ عیدین میں دو خطبوں کا ہونا بایں طور کہ درمیان خطبہ کے کچھ تھوڑا سا بیٹھ جائے مسنون ہے ۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما فتاوے غزنویہ ۹۸ ۹۹

---

**سوال** : نماز عید بلا عذر از روئے قرآن و حدیث مسجد میں سنت ہے یا جنگل میں ، جو حکم خدا اور رسول کا ہو بیان فرمائیے ؟

**الجواب** : بلا عذر مسجد میں نماز عید کی پڑھنی خلاف سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ آپ نے مسجد میں عید کی نماز پڑھی ہو ، ہاں ایک حدیث ضعیف میں وارد ہے کہ بارش کے عذر سے آپ نے مسجد میں عید کی نماز پڑھی ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن ان پر مینہ برسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عید کی نماز مسجد میں پڑھائی ، اس کو ابوداؤد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ۔ ابوداؤد و منذری

نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے لیکن تلخیص میں اس کی اسناد کو ضعیف کہا ہے۔ چونکہ یہ حدیث معمول بہا امت کا ہے لہذا باوجود ضعف کے قابل استدلال ودلائق حجت ہے۔ ہر چند سنت وافضل عید کی نماز صحرا میں ہے مگر مسجد میں پڑھنے کا جواز بلا خلاف ہے۔ لہذا حرمین شریفین میں قدیم الایام سے یہی متعارف ہے۔

محررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی عنہما　　　فتاوے غزنویہ ص۹۵

---

**سوال**: اس زمانہ میں عورتوں کو عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ میں لے جانا سنت ہے یا نہیں اور اگر سنت ہے تو اگر کوئی عمداً ترک کرے یا اس سے انکار کرے تو اس شخص کے حق میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

**الجواب وھو الموفق**: عید کی نماز کے واسطے عورتوں کا جانا بلا ریب سنت ہے اس میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ اس سنت کا ترک کرنا بلا ضرورت شدیدہ نہیں چاہئیے ہاں جس عورت سے خوف فتنہ کا ہو یا اس پر خوف فتنہ کا ہو یا راستہ میں تزاحم رجال ہو یا عیدگاہ پر مردوں کا اژدحام ایسا ہو کہ بالکل مردوں اور عورتوں میں اختلاط ہو تو اس موقع پر نہیں جانا چاہئیے کیوں کہ اس میں گناہ ہے اور تعمیل سنت کے واسطے گناہ کا مرتکب ہوجانا جائز نہیں کہ ترک سنت میں صورت مذکورہ میں گناہ لازم نہیں آتا اور جانے میں مرتکب گناہ ہوتا ہے۔ خیر الخیرین کو کرنا اور شر الشرین کو چھوڑنا فقاہت فی الدین ہے۔ جو اس میزان سے بے خبر ہیں اس کو دین میں فقاہت نہیں۔ جو لوگ بسبب فساد اہل زمانہ کے اس سنت کے تارک یا اس سنت کے مانع ہیں جیسا کہ عروہ، یحییٰ انصاری، قاسم، مالک، ابو یوسف اور ابو حنیفہ فی قول ہیں اور بی بی عائشہ کے اس قول سے تمسک کرتے ہیں لَوْ رَأَیٰ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ کَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تو وہ لوگ ماول ہیں اور ماول پر مسائل فرعیہ میں خطاء اجتہادی کا حکم ہوتا ہے۔ ان کو بدعتی یا فاسق یا گمراہ کہنا سلف الصالحین کے طریق سے بالکل خلاف ہے۔ حررہ الراجی الی رحمۃ ربہ القوی ابو داؤد عبدالجبار الغزنوی　　فتاوے غزنویہ ص۹۵

---

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس میں کہ ایک شخص تکبیرات عیدین سات تکبیر قبل قرأۃ کہتا ہے۔ سوا تکبیر تحریمہ کے اس طریق پر کہ اول تکبیر افتتاح کی کہتا ہے بعد اس کے سبحانک اللھم یا غیرہ پڑھتا ہے، پھر

---

لے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ وہ حالت جو انہوں نے نئی نکالی ہے۔ دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روکتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئی تھیں۔ ۱۲

سات تکبیریں کہہ کر قرأۃ شروع کرتا ہے اور متصل تکبیر افتتاح کے دمنع دست ماست بر چپ کرلیتا ہے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل قرأۃ کہہ کر چھٹی تکبیر رکوع کی جب کہتا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ اور محمد بن اسمٰعیل نے کہا اور دوسرا شخص سات تکبیریں مع تکبیر افتتاح کے کہتا ہے اور متصل تکبیر افتتاح کے چپ تکبیر کہتا ہے۔ اور بعد تکبیروں سبعہ کے قرأۃ شروع کرتا ہے۔ اور سبحانک اللھم نہیں پڑھتا اگر پڑھنے کا قائل بھی ہے تو بعد سات تکبیر متصلہ کے اور رفع یدین نہیں کرتا وقت تکبیرات سبعہ کے بلکہ ارسال کرتا ہے جب قرأۃ ثانیا پڑھے تو رفع یدین کرتا ہے تکبیروں میں قول ابن قیمؒ کا پیش کرتا ہے۔ اور ارسال میں قائل ہے بسبب نہ پانے دلیل جدید کے، دونوں میں کس کا قول قرین ثواب ہے؟ بینوا توجروا

**الجواب**: حدیثوں کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر افتتاح کے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الضحیٰ میں اول رکعت میں سات تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں پانچ، اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور تکبیر افتتاح کے سات تکبیروں کے خارج ہونے کے واسطے کوئی بین دلیل چاہیئے اور جب کوئی دلیل بین (ظاہر) نہیں پائی جاتی۔ تو صاف ظاہر ہے کہ تکبیر افتتاح انہی سات تکبیروں میں داخل ہے۔ زاد المعاد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر افتتاح کے سمیت سات تکبیریں پے در پے کہتے تھے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے عمدہ میں لکھا ہے کہ آپ پہلی رکعت میں مع تکبیر تحریمہ کے سات تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے سوا پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ ابن ابی زید مالکی جو کہ اکابر متقدمین مالکیہ سے ہیں اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ نمازی پہلی رکعت میں مع تکبیرات تحریمہ کے سات تکبیریں کہے اور دوسری میں تکبیر قیام کے سوا پانچ تکبیریں۔ اور تکبیر تحریمہ کے بعد دعا استفتاح پڑھنے کے وقت ہاتھ باندھنا افضل اور بہتر ہے۔ جس طرح سے کہ اور نمازوں میں کیا جاتا ہے حنفیہ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی پسندیدہ قول یہی ہے۔ کبیری شرح منیہ میں لکھا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو زیر ناف رکھے اور دعا استفتاح شروع کرے، شرح منہاج میں امام نوویؒ شمس الدین محمد بن احمد شافعی نے لکھا ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر سینہ کے نیچے رکھنا مستحب ہے جیسا کہ تکبیر تحریمہ میں کیا جاتا ہے۔ حنابلہ نے ہر قیام میں ہاتھ باندھنے کو اختیار کیا ہے۔ قیام بعد الرکوع میں بھی حنابلہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام ابوالقاسم رافعی نے شرح وجیز غزالیؒ میں لکھا ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک درمیانی آیت کی مقدار ٹھہرنا چاہیئے یہ شافعیؒ کے لفظ ہیں، ابن مسعودؓ کا قول اور فعل بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں اس حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے موقوف روایت کیا ہے اور سند اس کی قوی ہے اور اسی بارہ میں حذیفہؓ اور ابی موسیٰؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ علامہ ابن قدامہ مقدسی نے عمدہ میں لکھا ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاوے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان اللہ کی حمد کرے اور رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ محمد بن عبد الوہاب نے اپنی کتاب مختصر میں لکھا ہے دعا افتتاح یعنی سبحانک اللھم وغیرہ پڑھی جاوے اول ان کے ہیں اور درمیان ہر دو تکبیروں کے اللہ کی حمد کی جاوے اور ثنا کہی جائے اس پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے۔ منہاج میں لکھا ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک درمیانی آیت کی مقدار ٹھہرے اور لا الہ الا اللہ پڑھے اور اللہ کی بڑائی اور بزرگی بیان کرے۔ اور تحفہ شرح منہاج میں لکھتے ہے کہ اس کو بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود سے قولاً و فعلاً نقل کیا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا پڑھنا اچھا ہے۔ اور تحفہ شرح منہاج میں لکھتے ہے کہ اگر یہ پڑھے جس کو لوگ پڑھتے ہیں اور وہ یہ ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا تو بہت اچھا ہے۔ ابن الصباغ نے اس کو کہا ہے۔ اور روض شرح زاد میں لکھا ہے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان یہ کہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا کیوں کہ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود سے سوال کیا کہ تکبیرات عید کے بعد کیا کہے تو اس نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ اس کو اثرم اور حرب نے روایت کیا اور امام احمدؒ نے اسی کے ساتھ حجت پکڑی ہے۔

خلاصہ جونکہ ثنا اور حمد کا پڑھنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مثل عبد اللہ بن مسعود و حذیفہ اور ابو موسیٰ سے قولاً و فعلاً صحیح اسنادوں کے ساتھ ثابت اور دوسری نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا اور حمد پڑھنے کے وقت ہاتھوں کا باندھنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس پر قیاس کر کے اور جمہور امت کی اقتدا کے لحاظ سے قول راجح ہاتھوں کا باندھنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما — فتاویٰ غزنویہ ص ۹۲/۹۲

**مسئلہ** عیدین میں لڑکیوں یا بہنوں کو خوشی سے نقد یا اور کچھ تحفہ دینا نہ لازم ہے نہ ممنوع، مباح ہے بدعت کسی امر غیر مشروع کو امر شرعی بنا کر باعث ثواب قرار دینا ہے۔ سو یہ اس سے خارج ہے۔ خلاصہ یہ کہ زید

کی بات غلط اور باطل ہے وہ بالکل کج رو ہے۔ طالب دنیا معلوم ہوتا ہے۔ نہ طالب حق۔ فقط والسلام
الراقم ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی ۲۵ ر ذوالحجہ ۱۳۶۰ھ نقل از مکاتیب شرفیہ

---

**سوال**: نماز عید کا سلام پھیرنے کے بعد ہی خطبہ کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیے دعا نہ کرنا اور خطبہ ایک ہی پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

**جواب**: اس بارہ میں صراحتہً کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ سلام پھیرنے کے بعد ہی فوراً خطبہ کے لئے کھڑے ہونا چاہیے یا کچھ دیر بعد، لیکن صحیحین میں ابو سعیدؓ سے مروی ہے قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ الْاَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَامَ فَوَعَظَ النَّاسَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحی یا عید الفطر کے دن مصلی میں نماز پڑھائی پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر کھڑے ہو کر لوگوں کو وعظ فرمایا۔ اس حدیث میں لفظ ثم دلالت کرتا ہے کہ نماز کے بعد آپ نے کچھ تاخیر فرمائی اور فی الفور خطبہ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے۔ مگر دعا وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں، لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ دعا کرنا ہر نماز کے بعد ثابت ہوا ہے۔ خواہ عید ہو یا غیر عید ہاتھ اٹھا کر کی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے، صلوٰۃ عید کو بھی اس میں شامل ہونا چاہیے، عیدین میں دو خطبوں کا پڑھنا کسی حدیث سے صحیح ثابت نہیں، صرف اس قدر ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز عید خطبہ پڑھا اور وعظ فرمایا۔ دو خطبے پڑھنے والے جمعہ پر قیاس کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

فتاویٰ عمر پوری ص

**توضیح**: ایک خطبہ کی بھی صراحت موجود نہیں، ہاں ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں عید کے دو خطبوں کی نص موجود ہے اگرچہ اس کی سند میں کچھ کلام ہے لیکن قیاس کے موافق ہے اور تعامل امت سے تقویت حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

حررہ علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال

---

**سوال**: نماز عیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میدان میں ہوتی یا نخلستان میں؟

**الجواب**: آپ نے ہمیشہ عیدین کی نماز صحرا (میدان) میں پڑھی ہے۔ جیسا کہ احادیث صحاح سے ثابت ہے وَکَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی اَیْ اِلَی الْجَبَّانَۃِ وَھِیَ الصَّحْرَاءُ خَارِجُ الْمَدِیْنَۃِ وَمَسِیْرُھَا مِنَ الْحُجْرَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَلْفُ خُطْوَۃٍ۔ مگر ایک مرتبہ آپ نے بوجہ بارش شدید کے نماز عید مسجد نبوی میں ادا فرمائی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ
رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی دہلوی    اہل حدیث دہلی جلد ۱ ش ۲۷

---

**سوال**: جمعہ کی طرح عیدین میں بھی دو خطبے اولیٰ وثانیہ پڑھنا مسنون امر ہے یا صرف عیدین میں ایک ہی خطبہ پر اکتفا کیا جائے۔ زید کہتا ہے کہ عیدین میں بھی جمعہ کی طرح دو خطبے ہیں مگر بکر کہتا ہے کہ عیدین میں صرف ایک ہی خطبہ ہے اور دوسرا خطبہ پڑھنا بدعت ہے۔ دونوں میں کونسا صحیح ہے۔ پہلا قول زید کا کہ عیدین میں جمعہ کی طرح دو خطبے ہیں۔ اگر صحیح ہے تو اس کی دلیل کتاب وسنت سے تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیے؟ بینوا توجروا

**جواب**: دو خطبے ہونے چاہئیں۔ حضرت عبیداللہ فرماتے ہیں۔ السنة ان يخطب الامام فى العيدين خطبتين يفصل بينهما بجلوس۔ (دارقطنی)    اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۱ ش ۳

---

**سوال**: عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھنی افضل ہے۔ یا چھ تکبیروں سے، و نیز تکبیر تحریمہ کے علاوہ بارہ تکبیریں ہیں یا تکبیر تحریمہ سمیت؟

**جواب**: عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھنی سنت ہے۔ اس پر حدیث ذیل دلیل ہے۔ ان النبى صلى الله عليه كبر فى العيدين سبعا قبل القرأة وفى الاخر خمسا قبل القرأة (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں کہیں اور پانچ تکبیریں دوسری میں قراۃ سے قبل۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ودیگر اجلہ صحابہ کرام کا ہے حضرت امام مالک وامام شافعی وامام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف وکتب شروح حدیث چھ تکبیروں والی روایت سنداً سخت ضعیف ہے۔ اور عملاً بھی غیر والی ہے اس لئے قابل عمل نہیں ہے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ بارہ تکبیریں ہونی چاہئیں۔

مولانا محمد یونس دہلوی مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب

اہل حدیث گزٹ دہلی
جلد ۸ شمارہ ۱۳

# بزرگانِ دیوبند اور اہلحدیث

حضرات ناظرین! آج کل دیوبندی حضرات کی تحریرات و تقریرات سن کر اور دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس وقت وہ جماعت اہلحدیث کے مخصوص مسائل پر مذہبی نزلہ گراتے ہیں اور ان کو لامذہب و غیر مقلد و ظاہر پرست وغیرہ کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ مسائل وہ ہیں مقبولہ و مسلمہ جن کو بزرگانِ دیوبند جیسے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی و مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی تسلیم کر چکے ہیں۔

آہ کیا وہ متبعین علماء دیوبند جو نسبت حنفیت کے ساتھ اپنا رشیدی و محمودی ہونا بھی فخر سمجھتے ہیں۔ آج کیا ان اقوال بزرگانِ دیوبند سے انحراف و اعتساف کو عمل فرما کر اپنے بزرگوں سے منہ پھیریں گے؟ ہمارا فرض ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپ کے بزرگانِ دیوبند کے وہ اقوال جو حق پر مبنی ہیں اور مسائل مخصوصہ اہلحدیث کی اپنے اقوالِ حق میں تصدیق حق فرما چکے تھے آپ کے گوش گزار جان کر دیئے جائیں۔ ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سنیئے! سرگروہ دیوبند حضرت مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی کو ایک مرید خاص بھوپال سے استفتاء بھیجتے ہیں۔
کہ اہل بھوپال تکبیرات عیدین خلافِ مذہب حنفیہ کہتے ہیں ان کی اقتداء کروں یا نہیں؟
مولانا رشید احمد صاحب جواب میں لکھتے ہیں:۔
کہ عیدین میں جس قدر تکبیرات امام وہاں کا کہا کرے تم بھی باتباع اس کے اسی قدر کہا کرو۔ یہ مسئلہ صحابہؓ میں مختلف ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تین تکبیروں کو پسند کیا اور دیگر ائمہ نے زیادہ کو قبول کیا۔ اہل بھوپال تیرہ تکبیر کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ تم خلاف مت کرو۔ امام کی اطاعت کرو۔ ایسی صورت میں اطاعتِ امام ضروری ہے۔ (دیکھو مکاتیب رشیدیہ ص ۹۶) کتبہ ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلوی حال دہلوی فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۴۸

---

سوال: کیا مکہ میں حاجیوں کے لیے عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لمبی حدیث یوں ہے:

اتی الجمرۃ التی عند الشجرۃ فرماھا بسبع حصیات یکبر مع کل حصاۃ منھا مثل حصی الخذف

رمی من بطن الوادی ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلثا و ستین بدنة بیدہ - (مشکوٰۃ باب قصۃ حجۃ الوداع صفحہ ۲۲۵)
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے قریب ہے۔ اس کو چھوٹے سات کنکر مارے جو دو انگلیوں سے مارے جاتے ہیں۔ پھر قربان گاہ کی طرف لوٹے پس ترسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کیے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی پر نماز عید نہیں۔ اگر نماز عید ہوتی تو آپ جمروں سے فارغ ہوکر نماز عید پڑھ کر قربانی کرتے، کیوں کہ قربانی نماز عید کے بعد ہوتی ہے۔ (فتاوے اہلحدیث صفحہ ۔۔)

---

**سوال**: ہمارے یہاں یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ کہ عید کی نماز مسجد میں پڑھنی چاہیے یا میدان میں، فریقین نے اپنے اپنے دلائل بیان کیے جو حسب ذیل ہیں۔

زید کے دلائل: کھلے میدان میں نماز عید ادا کرنی مسنون ہے۔ کسی عذر یا خوف بارش وغیرہ کے بغیر مسقف مسجد میں عید پڑھنا درست نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کھلے میدان میں عید پڑھتے رہے۔ لہذا میدان میں نماز پڑھنی مسنون و افضل ہے۔

بکر کے دلائل: میدان میں بعض وقت نجاست بھی ہوتی ہے۔ جب مسجد (جو مسقف ہو یا غیر مسقف) کافی سے زیادہ جگہ کی گنجائش ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ میدان میں نمازیں پڑھی جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان میں نماز عید گزارنا صرف اس وجہ سے تھا کہ مسجد نبوی میں جگہ کی تنگی تھی۔ اور قرب وجوار کے لوگوں کا اجتماع صلوٰۃ عیدین کے لیے کثیر ہوتا تھا اس لیے حضور علیہ السلام نے میدان میں نماز عید ادا کی۔ ورنہ جس مسجد میں ایک رکعت پر پچاس ہزار رکعتوں اور دو رکعتوں پر ایک لاکھ رکعتوں کا ثواب ملتا ہو۔ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کو اتنے کثیر ثواب سے ہرگز محروم نہ فرماتے۔ اگر صلوٰۃ عیدین میدان ہی میں پڑھنا افضل ہوتا تو وہ اہل مکہ کو حکم فرماتے کہ مسجد حرام میں نماز عید نہ پڑھا کرو۔ بلکہ بیرون شہر میدان میں جایا کرو۔ نہ خلافت راشدہ میں ممانعت ہوئی، نہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے نو سالہ عہد خلافت میں ایسا حکم ہوا۔ آج تک مسجد حرام میں صلوٰۃ عیدین برابر ادا کی جاتی ہے۔

**جواب**: امام شافعی رح اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک اس میں اختلاف ہے۔
امام شافعی رح کہتے ہیں مسجد فراخ ہو تو مسجد بہتر ہے۔ دلیل یہی دیتے ہیں جو بکر نے دی ہے یعنی مکہ شریف کے لوگ باہر نہیں نکلتے۔ اور امام مالک رح وغیرہ کہتے ہیں، میدان افضل ہے۔ اور اس پر دو دلیلیں دیتے ہیں۔
۱۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عید کی نماز میدان میں پڑھی ہے۔ اور جس کام پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشگی تحریں۔ وہ مقام افضلیت سے نہیں اتر سکتا۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ میدان کی طرف نکلے اور فرمایا۔

لَوْ لَا اَنَّہُ السُّنَّۃُ لَصَلَّیْتُ فِی الْمَسْجِدِ۔ (سبل السلام)

یعنی اگر میدان کی طرف نکلنا مسنون نہ ہوتا تو میں نماز مسجد میں پڑھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ باہر پڑھنے کی وجہ بیان کرنا کہ مسجد تنگ تھی یہ کسی روایت میں نہیں آیا۔ صرف مکہ کی حالت دیکھ کر یہ خیال کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ مکہ کے باہر نزدیک کوئی فراخ میدان نہیں۔ یہ اہلِ مکہ کے لیے معقول عذر ہے۔ اس لیے اہلِ مکہ کی حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نماز پڑھنے کی وجہ مسجد کی تنگی بیان کرنا درست نہیں۔

اس کے علاوہ جمعہ میں ہجوم کم نہیں ہوتا تھا۔ مگر باوجود اس کے جمعہ آپ مسجد ہی میں پڑھتے رہے۔ رہا بکر کا یہ کہنا کہ مسجد نبوی میں پچاس ہزار نماز کا ثواب ہے۔ اگر مسجد کی تنگی کی وجہ نہ ہوتی تو اتنے بڑے ثواب سے کیوں محروم رہتے؛ اس کی بابت عرض ہے کہ بعض دفعہ اور وجوہات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن سے غیر بہتر عمل بہتر ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسجد سب جگہوں سے بہتر ہے۔ مگر نفل نماز گھر میں افضل ہے۔ جس میں اہل مدینہ بلکہ اہلِ مکہ بھی داخل ہیں۔ پھر حضرت علی کا ارشاد مذکور اس بارہ میں صاف ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں کوئی تسلی بخش دلیل نہیں جس کی بنا پر ہم صحابی سے آگے بڑھیں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ نماز عید باہر پڑھی جائے۔ ہاں اگر کوئی عارضہ ہو جیسے سوال میں ذکر ہے۔ کہ میدان میں نجاست ہے تو پھر کوئی حرج نہیں مسجد میں پڑھ لی جائے۔ مگر نجاست ایسی ہو کہ صاف نہ ہو سکے۔ اگر صاف ہو سکے تو میدان بہتر ہے۔ ہاں زید کا کہنا کہ مسجد میں درست نہیں یہ بے دلیل ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے افضلیت ہی سمجھی ہے۔ چنانچہ "لولا انہ السنۃ لصلیت فی المسجد" کے الفاظ سے واضح ہے۔ نیز سبل السلام میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہے۔ واستخلف من یصلی بضعفۃ الناس فی المسجد یعنی حضرت علی کرم وجہہ نے عورتوں اور بوڑھوں وغیرہ کے لیے ایک خلیفہ مقرر کیا۔ جو ان کو مسجد میں نماز پڑھائے۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ سب باہر جاتے تھے۔ نیز یہ کسی کا مذہب نہیں جو زید نے اختیار کیا ہے۔ صرف افضلیت اور غیر افضلیت میں اختلاف ہے۔ جواز عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ پس زید کا مذہب سلف کے بالکل خلاف ہے۔ البتہ بلا عذر ہمیشہ نماز عید ہمیشہ مسجد میں پڑھنا، اس میں مکروہ کی صورت ضرور پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ [illegible] افضلیت کا ہمیشہ ترک کرنا ہے۔

چنانچہ شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

والاولی ان تقام فی الصحراء وتکرہ فی الجامع الا لعذر (غنیہ)

یعنی عید کی نماز جنگل میں پڑھنی چاہیئے اور جامع مسجد میں بلا عذر عید پڑھنی مکروہ ہے۔

عبداللہ امرتسری فتاویٰ اہلحدیث ص۳۰۳

---

**سوال:** عید کے دن جمعہ کی رخصت ہے تو کیا نماز ظہر بھی معاف ہے یا صرف جمعہ کی رخصت ہے۔ ہمارے ہاں دو صاحب علم بزرگوں کے ارشادات اس سلسلہ میں جُداگانہ ہیں۔

ایک صاحب فرماتے ہیں۔

عید کے دن صرف جمعہ کی رخصت ہے نماز ظہر پڑھنی ضروری ہے۔

دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے جب عید کے دن جمعہ معاف ہے۔ تو نماز ظہر بھی معاف ہونی چاہیئے۔

اس مسئلہ میں صحیح رہنمائی فرمائی جاوے۔

**جواب:** عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عید اور جمعہ اکٹھے آگئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عید پڑھائی اس کے بعد عصر تک گھر سے نہیں نکلے۔

اس واقعہ سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید کے دن نماز ظہر بھی نہیں پڑھی۔ لیکن یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ اور یہ اصول مسلّمہ ہے کہ "وقائع الاعیان لا یحتج بہا علی العموم" یعنی خاص واقعہ سے عام استدلال نہیں ہو سکتا۔ اس میں احتمال ہے کہ شاید گھر میں اکیلے یا باجماعت نماز پڑھ لی ہو، اور مسجد میں آکر نمازیوں کے ساتھ باجماعت اس لیے نہ پڑھی ہو کہ عام طور پر جو لوگ پیچھے آتے ہیں۔ اور خطبہ نہیں پاتے ان کو اشتباہ نہ پڑے کہ جمعہ پڑھا گیا ہے۔ یا ممکن ہے کہ گھر سے نہ نکلنے کی کوئی اور وجہ ہے۔ اس قسم کے بعض استدلال اور بھی ہیں۔ جو تسلی بخش نہیں اور معاملہ فرض کا ہے۔ اس لیے احتیاطاً نماز ظہر پڑھنی چاہیئے۔

رہی یہ بات کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے۔ جب جمعہ معاف ہے تو نماز ظہر بھی معاف ہونی چاہیئے۔ یہ الٹا استدلال ہے کیوں کہ قائم مقام کے جانے سے اصل آجاتا ہے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پائے، وہ دوسری ساتھ ملالے اور جس کو ایک رکعت بھی نہ ملے وہ

ظہر پڑھے۔

اس بناء پر جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں جیسے عورت، مسافر، غلام وغیرہ ان کو نماز ظہر پڑھنے کا حکم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قائم مقام یعنی جمعہ کے جانے نماز ظہر کی نفی نہیں ہوتی۔ پس عید اور جمعہ ایک دن اکٹھے آجائیں تو ایسی صورت میں جمعہ کی رخصت ہے۔ پڑھے یا نہ پڑھے اگر جمعہ نہ پڑھے تو ظہر ضرور پڑھنی چاہیئے۔ بہتر جمعہ پڑھنا ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا "وانا مجمعون انشاء اللہ" یعنی ہم جمعہ پڑھیں گے انشاء اللہ

نوٹ:۔ اس مسئلہ میں دو فریق اور ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے جمعہ کے دن اصل جمعہ فرض ہے۔ اور ظہر اس کا بدل ہے۔ اس لیے اگر جمعہ معاف ہوا تو ظہر بھی معاف ہے۔ لیکن مشکوٰۃ کی مذکورہ بالا حدیث اس کی تردید کرتی ہے۔ اس میں بعد نہ ملے تو ظہر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن پر جمعہ فرض نہیں ان کو ظہر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ ظہر کی دو رکعت کم کر کے ان کے قائم مقام خطبہ کر دیا گیا ہے۔ یہ صاف دلیل ہے کہ نماز ظہر اصل ہے اور جمعہ اس کا بدل ہے۔

## ظہر احتیاطی

دوسرا فریق کہتا ہے کہ جمعہ کے دن دو فرض ہیں۔ جمعہ اور ظہر اس بناء پر وہ جمعہ کے بعد بھی ظہر پڑھتے ہیں اس کا نام احتیاطی رکھتے ہیں۔ یہ مذہب بھی غلط ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید میں نماز جمعہ ہونے کے بعد کاروبار کے لیے جانے کی رخصت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض۔

اس کے علاوہ تعامل خیر القرون بھی اس کے خلاف ہے۔ اس میں سے کسی سے بھی جمعہ کے بعد نماز ظہر پڑھنا ثابت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلے مذہب کو ہر صورت ترجیح ہے۔ یعنی جمعہ قائم مقام ظہر ہے۔ اگر کسی وجہ سے جمعہ نہ پڑھے تو نماز ظہر ضرور پڑھنی چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ عید کے بعد جمعہ کے لیے بھی حاضری ضروری ہوتی تو عید کی خوشی میں رکاوٹ اور سیہ لطفی سی پیدا ہو جاتی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی فتاوٰے اہلحدیث ص۴۴۶

---

**سوال:** نماز عید میں کتنی تکبیرات کہی جاتی ہیں اور ان کا محل کیا ہے؟

**جواب:**۔ کثیر بن عبداللہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ کہیں۔ (مشکوٰۃ)

۲: جعفر بن محمد سے مرسل روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رض، عمر بن عبدالعزیز نے عیدین میں اور نماز استسقاء میں پہلی رکعت میں سات دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھی اور قرأت بلند آواز سے پڑھی (مشکوٰۃ)

اس میں اختلاف ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے ساتھ مراد ہیں یا تکبیر تحریمہ کے بغیر لیکن ظاہر حدیث سے دوسری صورت ظاہر ہوتی ہے۔ ہاں حضرت عائشہ صدیقہ رض سے دارقطنی میں حدیث ہے۔ سوی تکبیرۃ الافتتاح یعنی رکوع کی تکبیروں کے سوا لیکن اس اسناد ضعیف ہیں۔

چونکہ صریح صحیح دلیل کسی طرف نہیں۔ اس لیے اس میں تشدد نہ کرنا چاہیئے۔ کوئی تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کے سوا سات پانچ کہے یا اس کے ساتھ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ پہلا امام شافعی رح کا مذہب ہے۔ دوسرا امام مالک رح کا تحفۃ الاحوذی صفحہ ۳۷۳ ۔ سعید بن عاص رض کہتے ہیں۔ میں نے ابوموسیٰ رض اور حذیفہ رض سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور فطر میں کس طرح کہتے تھے۔ ابوموسیٰ رض نے کہا جیسے جنازہ پر چار تکبیریں کہتے ہیں۔ اس طرح چار کہتے تھے حذیفہ رض نے تصدیق کی کہ ابوموسیٰ رض نے سچ کہا۔

مگر اس حدیث کی اسناد میں عبدالرحمٰن بن ثوبان راوی ضعیف ہے۔ اور دوسرا راوی ابوعائشہ ہے۔ وہ مجہول ہے۔ سات پانچ والی روایت کی کئی سندیں ہیں۔ جو حسن کے درجہ سے کم نہیں۔ اس لیے راجح یہی ہے۔ کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہے اور دوسری میں پانچ کہے اور کہے بھی قرأت سے پہلے۔

عبداللہ امرتسری فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۳۹۵

---

سوال: تکبیرات عیدین پہلی رکعت میں الحمد شروع کرنے سے پہلے اور سبحانک اللھم پڑھنے کے بعد ادا کرنی چاہئیں یا سبحانک اللھم پڑھنے سے پہلے تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اس کا جواب صحیح حدیث سے تحریر فرمائیں۔

جواب: حدیث میں عیدین کی تکبیریں قرأت سے پہلے کہنے کا ذکر آیا ہے۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیدین کی تکبیریں سبحانک اللھم کے بعد ہیں۔ ورنہ قرأت سے پہلے کی بجائے سبحانک اللھم سے پہلے کا

ذکر ہوتا، لیکن اگر کوئی پہلے کہہ لے تو بھی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث میں صراحت کسی جانب نہیں آتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی　　　فتاویٰ اہلحدیث ص۴۰۲

---

سوال: ہمارا معمول ہے کہ ہم اہلحدیث نماز عیدین کی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرتے ہیں۔ لیکن اس سال نماز عید الفطر کے موقع پر ایک مولوی صاحب نے خطبہ میں بیان کیا کہ تکبیرات عیدین میں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں، نیز تکبیرات کے درمیان کوئی ذکر کرنا بھی ثابت ہے یا نہیں؟

**جواب** مغنی ابن قدامہ میں ہے:

روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ مع التکبیر قال احمد اما اریٰ ان ھذا الحدیث یدخل فیہ ھذا کلہ وروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع فی کل تکبیرۃ فی الجنازۃ وفی العید رواہ الاثرم ولا یعرف لہ مخالف فی الصحابۃ انتھی

یعنی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہر نماز کی تکبیر کو شامل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنازے میں اور عیدین میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس اثرم نے روایت کیا ہے۔ اور صحابہ کرام میں اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خلاف کرنے والا کوئی معلوم نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو بیہقی نے بھی جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

نیز ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی کے بقیہ کے واسطے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو ہر تکبیر میں رکوع سے پہلے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ نماز پوری ہو جاتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں۔ کہ امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اس حدیث سے تکبیرات عیدین میں ہاتھ اٹھانے پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث عام ہے۔ اور بقیہ کی موافقت ابن اخی الزہری نے بھی کی ہے۔ بقیہ راوی ضعیف ہے۔ لیکن ابن اخی الزہری کی موافقت سے اس کی تلافی ہو گئی۔ دارقطنی (عیدین کی تکبیروں کے درمیان ذکر کرنے کے متعلق صرف حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے۔

جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن جابر قال مضت السنة ان یکبر والصلوٰة فی العیدین سبعا وخمسا یذکر الله ما بین کل تکبیرتین۔ (اخرجہ البیھقی جلد ۳ ص ۲۹۲)

حضرت جابر رض سے روایت ہے۔ کہ اس بارہ میں سنت گذر چکی ہے۔ کہ عیدین میں سات اور پانچ تکبیریں ہیں۔ اور ہر دو تکبیروں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا ذکر ہے۔ اس کو بیہقی نے ذکر کیا ہے۔

اس روایت کی سند میں بعض راویوں کے حالات معلوم نہیں۔ اگرچہ روایت ضعیف ہے۔ لیکن علما کا یہ سیدا اصول ہے۔ کہ ہلکے درجے کی ضعیف روایت پر فضائل اعمال میں عمل درست ہے۔ جب کہ اس کے خلاف کوئی صحیح روایت نہ ہو۔ اور ذکر کوئی معین نہیں۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے یا کوئی اور ذکر سب صحیح ہے۔

(فتاوے اہلحدیث جلد دوم ص ۱۴۳)

**توضیح المرام:** حضرت جابر رض کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رض کا قول اور فعل بھی منقول ہے۔ اور حضرت حذیفہ رض اور ابو موسیٰ رض سے بھی منقول ہے۔ جیسا کہ مجموعہ فتاوے غزنویہ میں مع الفاظ کے مذکور ہے۔ الراقم علی محمد سعیدی۔

---

**سوال:** عید میں ایک ہی خطبہ ہے۔ یا جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھیں جائیں؟

**جواب:** کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی طرح عید کے بھی دو خطبے پڑھے ہوں۔ البتہ ابن ماجہ میں حضرت جابر رض سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں نکلے۔ پس آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ پھر بیٹھ گئے۔ پھر اٹھے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں اسماعیل بن مسلم راوی ہے۔ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ نیز اس میں ابوبحر راوی ہے وہ بھی ضعیف ہے۔ بزار میں سعد بن ابی وقاص رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی اور دو خطبے دیے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کیا۔ ہیثمی رح نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں مجہول الحال راوی ہیں۔

ابن مسعود رض سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے۔ کہ عیدین کے دو خطبے پڑھے جائیں اور دونوں کے درمیان بیٹھا جائے۔ لیکن نووی رح نے کہا ہے خلاصہ میں کہ یہ قول بھی ضعیف اور غیر متصل ہے۔

دو خطبہ کی روایتیں اگرچہ ضعیف ہیں۔ مگر جمعہ پر قیاس سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ کہ عیدین کے جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھے جائیں۔ (فتاوٰی اہلحدیث ج ۲ ص)

---

سوال نماز عید سے پہلے کچھ کھانا چاہیے یا بغیر کچھ کھائے نماز عید کے لیے جانا چاہیے!

جواب: بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن چند کھجوریں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ میں پڑھنے سے پیشتر نہیں کھاتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

عید فطر کے دن نماز سے پہلے کھجوریں کھانے میں یہ حکمت ہے کہ روزے کا شبہ نہ ہو کیوں کہ پہلے سارا مہینہ روزوں کا گذرا ہے۔ نیز خالی پیٹ میٹھی شے معدہ اور نظر کو طاقت دیتی ہے۔ خاص کر کھجوروں میں اور بہت سی خصوصیات ہیں جن سے بعض احادیث میں بھی آئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو شخص مدینہ کی عجوہ قسم کھجوریں سات عدد ہر روز صبح کھائے تو اس کو زہر اور جادو نقصان نہیں دے گا۔ اور طاق کھانے میں حکمت یہ ہے۔ کہ خدا یاد آجائے۔ حدیث میں ہے۔ "ان اللہ وتر یحب الوتر" اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو دوست رکھتا ہے۔

عید الاضحیٰ میں بعد کھانے میں یہ حکمت ہے کہ کھانے پینے کے شغل میں نماز کی تاخیر ہو کر کہیں قربانی میں زیادہ دیر نہ ہو جائے۔ کیوں کہ قربانی نماز کے بعد ہوتی ہے۔ بعض علماء نے یہ حکمت بھی بیان کی ہے کہ قربانی کا گوشت برکت والی شے ہے۔ اس لیے یہ پیٹ میں پہلے جانا چاہیے۔ اور قربانی چونکہ نماز کے بعد ہے۔ اس لیے کھانا بھی بعد کو مسنون ہے۔ یہی وجہ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز عید الاضحیٰ بہت جلد پڑھتے تھے۔ یعنی تھوڑا سا سورج اوپر آتا تو پڑھ لیتے۔

مسند میں حدیث ہے۔ ولا یاکل یوم الاضحیٰ حتی یرجع فیاکل من اضحیتہ (منتقی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ میں نہ کھاتے یہاں تک کہ لوٹیں۔ نماز سے فارغ ہو کر قربانی کا گوشت کھاتے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی فتاوٰے اہلحدیث جلد دوم ص ۳۹۹

---

سوال: آج کل بعض مولوی نماز عید سے پہلے خطبہ بیان کرتے ہیں۔ کیا نماز عید سے پہلے تلاوت قرآن کوئی وعظ، خطبہ اور نعت وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب :۔ نمازِ عید سے پہلے خطبہ خلاف سنت ہے۔ حدیث میں خطبہ نماز عید کے بعد آیا ہے۔ پہلے خطبہ پڑھنا مروان نے جاری کیا تھا۔ جس پر ابو سعید خدری رضی نے سخت انکار کیا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین نعت یا تلاوت قرآن مجید یا پھر وعظ یہ سب خطبہ میں شامل ہیں۔

(فتاوٰے اہلحدیث جلد دوم ص ۳۹۵)

سوال : خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہئے یا خطبہ کے بعد اور عیدگاہ میں منبر لے جانا کیسا ہے؟

جواب : ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نکلتے۔ پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی نماز کی جگہ بیٹھے ہوتے۔ اگر کسی لشکر بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو بھیج دیتے یا کوئی اور حاجت ہوتی تو اس کا حکم دیتے اور کہتے صدقہ کرو۔ صدقہ کرو۔ صدقہ کرو زیادہ صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتیں۔ پھر فارغ ہو جاتے۔ مروان کے زمانہ تک یہی حال رہا۔ جب مروان بر سر اقتدار آیا تو میں مروان کے ساتھ نکلا۔ یہاں تک کہ ہم عیدگاہ تک پہنچے۔ کثیر بن الصلت نے مٹی اور اینٹ سے منبر بنایا تھا۔ مروان نے مجھ سے ہاتھ چھڑا کر منبر کی طرف جانا چاہا۔ میں نے اس کو نماز کی طرف کھینچا اور میں نے کہا نماز شروع کرنے کا حکم کہاں گیا ہے۔ مروان نے کہا اے ابو سعید! جو باتیں تو جانتا ہے۔ وہ چھوڑی گئیں۔ میں نے کہا جو میں جانتا ہوں۔ اس سے بہتر تم نہیں لا سکتے۔ پھر ابو سعید چلے گئے۔ (مشکوٰۃ)

اِس حدیث سے کئی مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز خطبہ سے پہلے ہے۔ دوسرا یہ کہ عیدگاہ میں منبر خلاف سنت ہے۔ تیسرا یہ کہ مجمعوں میں چندہ وغیرہ کی تحریک جائز ہے۔ چوتھا یہ کہ خطبہ میں وقتی ضروریات لشکر وغیرہ کے بھیجنے کا پروگرام بھی مرتب ہو سکتا ہے۔ پانچواں یہ کہ خواہ کتنا بڑا شخص ہو۔ اگر وہ خلاف سنت کرے تو اس پر انکار کرنا ضروری ہے۔ چھٹا یہ کہ نماز عید باہر کسی میدان میں پڑھنی چاہیئے۔ ہاں اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو مسجد میں بھی پڑھنی جائز ہے۔ (عبد اللہ امرتسری روپڑی)

## تعاقب

حضرت محدث روپڑی نے لکھا ہے۔ کہ عیدگاہ میں منبر سنت کے خلاف ہے۔ اس استدلال پر مولوی سفیر الدین نے حسب ذیل تعاقب کیا ہے۔

آپ نے مذکورہ بالا ابو سعید خدری کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ کہ عیدگاہ میں منبر خلاف سنت

ہے۔ اس کے متعلق خیال یہ ہے کہ عیدگاہ میں منبر لے جانا مسنون طریقہ ہے۔ چنانچہ بروایت ابی داؤد شرح عون المعبود جلد ثالث ص۱۵ میں ہے:۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْاَضْحٰى فِي الْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهٗ نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهٖ۔ اس حدیث کی شرح میں مولانا شمس الحق صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

فِيْهِ ثُبُوْتُ وُجُوْدِ الْمِنْبَرِ فِي الْمُصَلّٰى وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ عَلَيْهِ

یعنی اس حدیث سے عیدگاہ میں منبر کا ثبوت ملتا ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ دیتے تھے۔

## جواب

یہ حدیث جس میں منبر کا ذکر ہے۔ ضعیف ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک راوی مطلب ہے۔ جو جابرؓ سے روایت کرتا ہے۔ اس نے جابر سے سنا نہیں۔ (عون المعبود جلد ۳ ص۵) پس یہ روایت منقطع ہوئی جو ضعیف کی قسم ہے اور ممکن ہے منبر سے مراد اونچی جگہ یہاں ہو۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی ایک حدیث میں حرف نزل ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُترے۔ اس پر عون المعبود میں لکھا ہے، وَيَدُلُّ عَلٰى اَنَّ خُطْبَتَهٗ كَانَتْ عَلٰى شَيْءٍ عَالٍ۔ (عون المعبود جلد اول ص۴۴۲) یعنی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ آپ کا خطبہ کسی بلند شے پر تھا۔ اس طرح سے سب احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ اگر منبر نکالنا مسنون ہوتا۔ تو مروان پر صحابہ کے عام مجمع میں انکار نہ ہوتا۔

عبداللہ امرتسری		(فتاوےٰ اہلحدیث جلد دوم ص۴۹۳)

---

سوال: کیا عورتوں کو عیدگاہ میں جانا ضروری ہے؟

**جواب**: اُم عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا۔ کہ حیض والیوں، پردہ والیوں کو بھی عیدین میں نکالیں تاکہ مسلمانوں کی دعا اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ لیکن حائضہ عورت نماز کی جگہ سے الگ رہے۔ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ! بعض دفعہ ہم سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی۔ تو فرمایا اس کی سہیلی اپنی چادر سے اُس کو پہنا دے۔ (مشکوٰۃ)

اس سے ظاہر ہے کہ عورتیں ضرور عیدین میں پردے کے ساتھ شامل ہوں۔ لیکن خوشبو وغیرہ نہ لگائیں اور زینت بھی ظاہر نہ کریں۔ یہ سنت بھی متروک ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

(فتاوےٰ اہلحدیث جلد دوم ص۴۹۳)

فتوےٰ میر واعظ پنجاب

# فی حضور النساء فی العیدین بالحجاب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

اما بعد! پس فرمایا اللہ جلشانہ نے یہ آیہ شریفہ پہلے پارہ میں ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ۔ تفسیر جلالین ومدارک میں "ای لا احد اظلم" اور تفسیر خازن میں "اظلم" کے معنی میں "اکفر واعتی" لکھا ہے۔ یعنی بہت بڑا کافر اور بڑا سرکش ہے اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی مسجدوں سے کسی کو نماز پڑھنے سے روکے۔" اللہ جلشانہ نے جمع کے لفظ سے ارشاد فرمایا ہے۔ خواہ عیدگاہ یا جامع یا کوئی مسجد ہو، نماز کے واسطے جو کوئی آوے مرد ہو یا عورت عید کی نماز ہو یا جمعہ کی یا نمر پانچ وقتی ہو۔ روکنے والا اللہ جلشانہ اور رسول علیہ السلام کا بہت دشمن ہوگا۔ حدیثیں تو بہت ہیں مگر اس وقت چار یا پانچ پر کفایت کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لو استاذنت امرۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعہا متفق علیہ۔ یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطے امر وجوب کے ہے۔ یعنی جب عورت مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے اذن مانگے، تو مرد پر واجب ہے۔ کہ اذن دے اگر نہیں دے گا، تو گنہگار ہوگا۔ اور خاص کر عید کی نماز کے لیے تو سخت تاکید ہے۔ جیسا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم عیدین میں حائضہ اور پردے والی عورتوں کو لیجایا کریں۔ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک رہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے بعض کے پاس چادر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اس کے ساتھ والی عورت اپنی چادروں میں لیجاوے۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کنواری اور نوجوان اور پردے والیوں کو اور حیض والیوں کو عیدگاہ میں لے جایا کرتے تھے۔ ۳ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں اور بیویوں کو عیدین میں لے جایا کرتے تھے۔

۴ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت عورتوں کی طرف بھیجا کہ تم عیدین میں حائضہ عورتوں اور جوان لڑکیوں کے ساتھ آیا کرو۔

۵ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے بعد پہلے مردوں کو پیچھے عورتوں کو خطبہ سناتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ ہر عورت پر عیدین پر عیدگاہ جانا واجب ہے۔ رواہ ابن ابی شیبہ اور علی رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ ہر ایک عورت پر جس کے پاس چادر ہو، عیدگاہ جانا واجب ہے۔ (رواہ ابو بکر فی مصنفہ) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی تمام عورتوں اور بال بچوں کو عیدین میں عیدگاہ لیجایا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس مسئلہ پر تمام صحابہ کا اجماع نقل کرتے ہیں۔ امام علقمہ اور اسود دونوں اپنی عورتوں کو عیدگاہ لے جایا کرتے تھے۔ ابن جریج نے حضرت عطا تابعی سے کہا کہ کیا آج کل بھی امام کے ذمہ ضروری ہے کہ مردوں کو خطبہ سُنا کر پھر عورتوں کے پاس آکر انہیں سنائے؟ انہوں نے کہا قسم ہے کہ ان پر واجب ہے۔

اور نہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی عورت کو منع کیا ہے۔ ہاں سب مردوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے گھروں میں تاکید سے کہہ دیں کہ عورتیں زیب و زینت اور عطر وغیرہ سے معطر ہو کر نہ جائیں۔ سیدھے سادے لباس میں جائیں۔ اور بعض فقہا نے جو منع کیا ہے تو اللہ اور رسول علیہ السلام اور صحابہؓ کے حکم کے مقابلہ میں اُن کے قول پر عمل کرنا گناہ ہے۔ وَمَا علینا الا البلاغ ہے ہمارا کام سمجھانا ہے یارو ؛ اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

راقم محمد علی واعظ عفا اللہ عنہ۔ محلہ قلوخسـ اسیاں۔ امرتسر (مہر)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ؛ مولانا محمد علی صاحب میر واعظ سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عورتوں کے عیدگاہ جانے اور اہل اسلام کی صلوٰۃ و دُعا میں شریک ہونے کے بارے میں لکھا ہے۔ بہت صحیح ہے اور احادیث صحیح اس پر شاہد عدل ہیں۔ "اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل" جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا اسلاف صالحین کا اس پر عملدرآمد رہا۔ اب کسی کی کیا مجال کہ چون و چرا کرے۔ ابو سعید محمد شرف الدین مدرس اول مدرسہ دار العلوم ندوۃ العلماء۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح ابوالحسن عفی عنہ۔ الجواب صحیح محمد بن ابراہیم مدرس مدرسہ محمدیہ اجمیری دروازہ دہلی۔ الجواب صحیح العاجز عبداللہ پشاوری۔ الجواب صحیح بندہ غلام اکبر اگروہی ضلع حصار۔ الجواب صحیح عبدالرزاق مالدہی۔ الجواب صحیح عبدالمجید۔ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ محمد عبدالرحمن مدرس مدرسہ مسجد فتحپوری۔ الجواب صحیح نجم الدین راحت شاہی۔ الجواب صحیح ابوالمجد علی عفی عنہ بسوی۔ الجواب صحیح عبدالرشید عفا عنہ الحمید مدرس مدرسہ محتسب۔ الجواب صحیح حررہ عبدالستار کلانوری (مفتی) مدرس مدرسہ حمیدیہ عربیہ کوری دروازہ دہلی۔ الجواب صحیح حررہ العاجز ابو محمد عبدالوہاب الملتانی امام جماعت غرباء اہلحدیث دہلی۔ الجواب صحیح حررہ احمد عبدالصمد مدرس مدرسہ حاجی علی جان (مہر)۔ الجواب صحیح عبدالرحمن بن علی بن حسن العرب آل علی ساکن مسجد مولانا نذیر حسین۔ الجواب صحیح کتبہ عمر بن ناصر عرب نجدی۔ آلان مسجد میاں صاحب مرحوم۔ الجواب صحیح حررہ العبد الاحقر محمد قیسر عفی عنہ۔ الجواب صحیح ابو محمد عبداللہ مدرس مدرسہ کشن گنج۔

نیز فتاویٰ نذیریہ یا اسم معروف سید محمد نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی۔ جلد پہلی صفحہ ۲۰

میں اس مسئلہ کو بڑے زور شور سے ثابت کیا ہے۔ کہ عورتوں کو عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ میں جانا ضروری نہایت مؤکدہ ہے۔ اور اس فتوے پر چند علمائے کرام کے دستخط تائیدی بھی ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

سید محمد نذیر حسین۔ سید شریف حسین۔ نور الحسن ۱۲۹۲۔ محمد تلطف حسین۔ محمد جمیل۔ محمد عبد العزیز۔ سید احمد حسن نعم المولیٰ و نعم النصیر ۱۲۹۲۔ امیر حسین ساکن بہار۔ ملا حسن خان۔

اسی طرح علامہ زمان نواب صدیق حسن خان صاحب والی ریاست بھوپال نے اپنی کتاب بدور الاہلہ صفحہ ۱۷۸ میں بڑے شدومد سے اس بات کو مفصل مدلل احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت کیا ہے۔ کہ عورتوں کو نماز عید کے لیے عیدگاہ جانا واجب اور ضروری ہے۔ اہلحدیث امرتسر ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء

ج ۲ ش ۱۴ ص ۱۲۱

## سنت نبوی کے مطابق نماز عید کا طریقہ

باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے تکبیر تحریمہ کہتا ہوا سینے پر ہاتھ باندھ کر اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ الخ یا کوئی اور دعاء افتتاح پڑھے۔ پھر قرأت سے پہلے ٹھہر ٹھہر کر سات تکبیریں اور کہے۔ ہر تکبیر پر رفع یدین کر کے سینہ پر ہاتھ باندھے۔ زائد تکبیروں کے درمیان یہ دعا پڑھے۔ جو کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حذیفہ اور ابو موسیٰ الاشعری رضہ سے مروی ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَّصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ پھر اعوذ پڑھ کر امام با آواز بلند اور مقتدی آہستہ سے الحمد شریف پڑھیں پھر امام اونچی آواز سے قرأت پڑھے اور مقتدی خاموشی سے سنیں۔ بہتر ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ قٓ۔ اور دوسری میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ پڑھے یا سَبِّحِ اسْمَ اور ھَلْ اَتٰکَ یا عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ اور وَالشَّمْس پڑھے۔ پھر عام نماز کی طرح رکعت کو پوری کر کے جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو قرأت شروع کرنے سے پہلے مذکورہ بالا طریقہ پر پانچ تکبیریں کہے۔ پھر دوسری رکعت کے بعد سلام پھیر دے۔ نماز کے بعد امام اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر مسنون خطبہ پڑھے۔ اور لوگ اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے سنتے رہیں۔ بعد میں امام اور مقتدی سب ملکر بارگاہ والہٰی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کریں۔ یہ بہت خضوع اور خشوع سے کریں۔ بعد میں راستہ بدلتے ہوئے تکبیرات کہتے ہوئے واپس آئیں۔ علی محمد سعیدی

# باب السفر والقصر

**سوال**: سفر میں نماز قصر کرنا صرف جائز ہے یا واجب، اصل فتویٰ کیا ہے؟

**جواب**: علمائے سلف و خلف میں سے بہت سے وجوب قصر کے قائل ہیں۔ خطابیؒ معالم میں فرماتے ہیں اکثر علماء سلف اور فقہاء عصر کا خیال ہے کہ یہ واجب ہے۔ حضرت علیؓ، عمرؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے علاوہ عمر بن عبد العزیز قتادہؒ و حسنؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حماد بن سلیمانؒ تو اس قدر فرماتے ہیں اگر سفر میں کوئی چار رکعت پڑھ لے تو وہ دوبارہ نماز پڑھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر وقت باقی ہے تو دہرا لے۔ نووی نے بھی بہت سے اہل علم کی طرف اسے منسوب کیا ہے اور حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ اس کی رخصت کے قائل ہیں، ابن عباسؓ (ایک روایت میں) شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی خیال ہے نووی نے اس فعل کو بھی اہل علم کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل میں سے صحیحین کی یہ حدیث ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان لا یزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر و عمر و عثمان یعنی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اسی طرح ابو بکرؓ، عمرؓ و عثمان کا عمل تھا۔ لیکن اس حدیث سے استدلال درست نہیں صرف مداومت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے فرضت الصلوٰۃ رکعتین فاقرت صلوٰۃ السفر واتمت صلوٰۃ الحضر (متفق علیہ) جیسا کہ پہلے صرف دو رکعت نماز فرض ہوئی، پھر حضر میں چار رکعتیں کر دی گئیں لیکن سفر میں وہی دو رکعت ہی فرض رہی، یہ استدلال یوں ہے کہ حضر میں چار رکعت سے زیادہ پڑھنا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح سفر میں دو رکعت سے زیادہ پڑھنا ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے اور وہ فرضیت نماز کے وقت حاضر نہ تھیں۔ یہ جواب اتنا عمدہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں، لہٰذا یہ مرفوع حکمی میں داخل ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ کا بوقت فرضیت نماز حاضر نہ ہونا قادح نہیں اس لئے کہ انہوں نے کسی صحابی ہی سے سنا ہوگا۔ اور مراسیل صحابہ باجماع اہل الحدیث حجت ہیں۔ اسی دلیل پر یہ اعتراض بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ

کی روایت سے متعارض ہے روایت یوں ہے فرضت الصلوٰۃ فی الحضر اربعاً وفی السفر رکعتین (مسلم) یعنی حضر میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں تطبیق ممکن ہے کہ شب معراج تو دو رکعت ہی فرض ہوئی لیکن بعد میں زیادہ کر دی گئی چنانچہ ابن حبان ابن خزیمہ اور بیہقی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے فرضت الصلوٰۃ فی الحضر والسفر رکعتین رکعتین فلما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ واطمأنّ زیدت فی صلوٰۃ الحضر وترکت صلوٰۃ الفجر لطول القرأۃ وصلوٰۃ المغرب لانھا وتر النھار یعنی سفر و حضر میں دو رکعتیں فرض تھیں جب آپ مدینہ میں تشریف لائے اور امن ہو گیا تو حضر میں نماز کی رکعتیں بڑھا دی گئیں، نماز فجر اسی طرح رہی کیونکہ اس کی قرأت لمبی ہوتی ہے اور نماز مغرب دن کے وتر ہیں۔ رخصت کے قائلین اس حدیث کا معنی یہ کرتے ہیں فرضت بمعنی قدرت ہے لیکن یہ تاویل تکلف محض ہے، نیز حدیث کا دوسرا حصہ فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر اس کی نفی کرتا ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قصر کرنا چاہے اس پر یہی فرض ہے لیکن یہ پہلے سے بھی زیادہ تکلف ہے۔

قائلین وجوب کی تیسری دلیل مسلم کی یہ روایت ہے عن ابن عباس قال ان اللہ فرض الصلوٰۃ علی لسان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم علی المسافر رکعتین وعلی المقیم اربعاً والخوف رکعۃ" یعنی اللہ تعالے نے اپنے نبی کے ذریعے سے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی ہیں اور مقیم پر چار اور بحالت خوف صرف ایک رکعت۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ بحالت سفر فرض ہی دو رکعت ہے اللہ کی فرض کی ہوئی رکعات پر زیادتی درست نہیں۔

چوتھی دلیل ان کی حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جو نسائی میں ہے۔ صلوٰۃ الاضحیٰ رکعتین وصلوٰۃ الفجر رکعتین وصلوٰۃ المسافر رکعتین تمام غیر قصر علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے رجال صحیح بخاری کے ہیں اس میں تصریح ہے کہ مسافر کی نماز دو رکعت ہی ہے اور یہ قصر نہیں بلکہ مکمل ہے۔

پانچویں دلیل ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی یہ روایت ہے امرنا ان نصلی رکعتین فی السفر (النسائی) یعنی ہمیں سفر میں دو رکعت پڑھنے کا ہی حکم ہے، اور قصر کو جو واجب نہیں سمجھتے ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے:۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز قصر کرو۔ یہ الفاظ رخصت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے، قصر دو چیزوں میں ہے۔ تعداد رکعات میں اور ارکان میں اسی طرح اس کا نقص بھی دو چیزوں سے ہے ضرب فی الارض (سفر) اور خوف ہو نگے تو ارکان میں بھی قصر ہوگا اور تعداد رکعات میں بھی۔ اگر خوف بحالت اقامت ہو تو تعداد مکمل رہے گی۔ لیکن ارکان میں

قصر ہوگا۔ اسی طرح جب سفر ہو لیکن خوف نہ ہو اس وقت قصر تعداد ہوگا، لیکن ارکان مکمل ادا کئے جائیں گے، ظاہر ہے یہ آیت صلوٰۃ الخوف کے متعلق ہے اس میں قصر عدد کا ذکر نہیں بلکہ قصر ارکان کا ذکر ہے۔

قائلین رخصت کی دوسری دلیل مسلم اور سنن کی یہ روایت ہے عن یعلی بن امیۃ قال قلت لعمر بن الخطاب فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منہ فسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صدقۃ تصدق اللہ بہا علیکم فاقبلوا صدقتہ یعنی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ تعالیٰ نے بحالت خوف نماز قصر کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب تو امن ہو چکا اب قصر کرنے کی کیا ضرورت ہے تو حضرت عمرؓ نے کہا مجھے بھی یہی تعجب ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے۔ اس کا صدقہ قبول کرو۔ اس سے استدلال یوں ہے کہ صدقہ کے الفاظ دلالت کرنے میں واجب نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاقبلوا صدقتہ اللہ کا صدقہ قبول کرو۔ اس لئے یہ دلیل ان کے خلاف جاتی ہے۔ تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ صحابہؓ نے ایک دفعہ آنحضرتؐ کے ہمراہ سفر کیا۔ بعض نے روزہ رکھا بعض نے افطار کیا۔ بعض نے نماز قصر کی بعض نے پوری پڑھی کسی نے دوسرے پر اعتراض نہ کیا۔ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن ہمیں اس میں نہیں ملی۔ اس کا جواب یوں ہے کہ اس حدیث میں ذکر نہیں کہ آں حضرت کو بھی اس امر کی اطلاع تھی۔ اس کے برعکس آپ کے اقوال و افعال اس کے خلاف موجود ہیں حضرت عثمانؓ نے جب منیٰ میں پوری نماز پڑھی تو کئی صحابہؓ اس پر معترض ہوئے۔

قائلین رخصت کی چوتھی دلیل نسائی دارقطنی اور بیہقی کی یہ روایت ہے عن عائشۃ قالت خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عمرۃ فی رمضان فافطر وصمت وقصر واتممت فقلت بابی وامی افطرت وصمت وقصرت واتممت فقال احسنت یا عائشۃ قال الدارقطنی ھذا اسناد حسن یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئی، آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا، آپ نے نماز قصر ادا کی اور میں نے پوری نماز پڑھی، پھر آپ سے دریافت کیا تو فرمایا تو نے اچھا کیا اے عائشہؓ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں علی بن زہیر بن عبدالرحمن بن یزید بن الاسود نخعی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس کے متعلق ابن حبان کہتے ہیں ثقات سے نہیں، البتہ ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا سماع بھی مختلف ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں وہ حضرت عائشہؓ کے پاس اس وقت گیا جبکہ

ابوحاتم کا قول ہے کہ اس کی حضرت عائشہ کے پاس حاضری بحالت صغرسنی ہوئی۔ اُس نے اُن سے کچھ بھی نہیں سُنا۔ ابوبکر نیشاپوری کہتے ہیں اس کا عن عائشہ کہنا غلط ہے۔ اس کے باوجود دارقطنی نے سنن میں اس اسناد کو حسن قرار دیا۔ بدرمنیر میں ہے کہ اس حدیث کا متن منکر ہے۔ اس لئے کہ آں حضرت نے چار عمرے کئے ان میں سے رمضان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئیں۔ آپ کے چاروں عمرے ذوالقعدہ میں ہیں۔ البتہ جو عمرہ آپ نے حج کے ساتھ کیا اس کا احرام ذوالقعدہ میں باندھا لیکن اسے ذوالحجہ میں کیا۔ شوکانی فرماتے ہیں بعض اہل علم نے اس حدیث کی توجیہات بیان کی ہیں۔ لیکن یہ توجیہات سے زیادہ تاویلات ہیں۔ ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ ھذا الحدیث لاخیر فیہ ابن جوزیؒ نے آپ کی تردید کرنا چاہی ہے مگر کر نہیں سکے۔ الہدیٰ میں ہے۔ وابن قیمؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہ حضرت عائشہ پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔

ان کی پانچویں دلیل دارقطنی کی یہ روایت ہے۔ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقصر فی السفر ویتم ویفطر ویصوم یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قصر بھی کرتے تھے کبھی پوری بھی پڑھ لیتے تھے۔ اسی طرح کبھی روزہ رکھتے لیکن افطار بھی کر لیتے۔ دارقطنی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو منکر قرار دیا۔ چنانچہ صاحبِ التلخیص نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں وصحتہ بعیدۃ کہ اس کا صحیح ہونا بعید از امکان ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے آں حضرتؐ کی وفات کے بعد نماز پوری پڑھنی شروع کی۔ عروہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی حضرت عثمان کی طرح تاویل کی۔ اگر حضرت عائشہ کے پاس کوئی مرفوع روایت ہوتی تو عروہ اسے نہ کہتے۔ الہدیٰ میں منقول ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے بھی کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا۔ الغرض اس طرح کی ضعیف روایات قائلین وجوب کے دلائل کے معارض ہونے کے قابل نہیں۔ تحقیق یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ رخصت نہیں۔ چنانچہ شوکانی وبل الغمام میں لکھتے ہیں۔ حق بات یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ احادیث کا مقتضی یہی ہے۔

قصر نماز اس طرح ہوتی ہے کہ چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھے۔ مغرب میں شارع علیہ السلام نے قصر نہیں کیا۔ شوکانی فرماتے ہیں "یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں اس لئے کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور ہر ایک مسلمان یہ جانتا ہے۔ یہ نماز قصر سفر کی ہے۔ رہی صلوٰۃ الخوف تو احادیث میں ایک رکعت بھی وارد ہے۔

بظاہر دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قصر اور افطار کے مسئلہ میں سفر معصیت اور سفر اطاعت میں فرق نہیں، شوکانی فرماتے ہیں قصر کے دلائل افطار کے دلائل سے عام ہیں۔ اس لئے کہ قصر واجب ہے اور شریعت نے صرف مطیع کو ہی حکم نہیں دیا بلکہ عاصی بھی اس حکم میں شامل ہے۔ البتہ افطار (روزہ نہ رکھنا) رخصت ہے واجب نہیں۔ یہ اصل میں صرف مطیع کو ہی حاصل ہے اگرچہ بظاہر عام ہے۔ اس لئے قصر کو افطار پر قیاس کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم

الدلیل الطالب ص ۲۶۹

**سوال**: کوئی شخص اپنی دکان کا سامان خریدنے دوسرے شہروں کو جاتا ہے کیا وہ دوگانہ پڑھ سکتا ہے اگر پڑھ سکتا ہے تو اپنے شہر کے کتنے فاصلہ پر (جبکہ وہ لاری یا ریل میں سفر کر رہا ہو) دوگانہ شروع کر دے؟

**جواب**: دکان کے لئے سامان خریدنے جائے یا کسی اور ضرورت کے تحت سفر پر روانہ ہو تو دوگانہ پڑھ سکتا ہے۔ سفر خواہ ریل کا ہو یا لاری کا جب اپنے گاؤں یا شہر کی حدود سے نکل جائے تو دوگانہ شروع کر دے کیوں کہ حدود سے نکلنے کے ساتھ ہی دوگانہ شروع ہو جاتا ہے۔ (مولانا حافظ) محمد عبداللہ روپڑی لاہور

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۲۶

**سوال**: مقامی امام جب چار رکعت فرض ادا کر رہا ہو مسافر جماعت کے ساتھ شامل ہو کر دوگانہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اگر پڑھ سکتا ہے تو دو رکعت ادا کر کے سلام پھیر دے یا چار رکعت امام کے ساتھ ادا کرے بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقامی امام ایک رکعت ادا کر چکا ہوتا ہے۔ اور مسافر ساتھ ملتا ہے کیا مسافر دوگانہ پڑھ کر سلام پھیر دے؟

**جواب**: مقامی امام کے ساتھ پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ خواہ آخری التحیات میں ملے۔ کیوں کہ اس کی نماز کی بنا امام کی تکبیر تحریمہ پر ہے اور اس نے چار کی نیت باندھی ہے اور اگر امام مسافر ہو اور وہ پوری نماز پڑھے تو مقتدی مسافر کو بھی اس کے ساتھ چار پڑھنی پڑتی ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے پیچھے چار رکعت پڑھا کرتے تھے کسی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ آپ تو مسافر کے لئے چار رکعت کے قائل نہیں، پھر آپ حضرت عثمانؓ کے پیچھے چار رکعت کیوں پڑھتے ہیں۔ جواب دیا اَلْخِلَافُ شَرٌّ یعنی مقتدی کو امام کی مخالفت کرنی بری ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام مقیم ہو تو اس کے پیچھے بطریق اولیٰ پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

(مولانا حافظ محمد) عبداللہ روپڑی

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد ۱۸ ش ۲۲

**سوال:** جس مسافت پر نماز قصر کی جا سکتی ہے اس کی صحیح مقدار کیا ہے؟

**جواب:** اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے۔ ابن منذر نے تقریباً بیس مختلف اقوال نقل کئے ہیں، سب سے کم مقدار جو ان اقوال میں ہے ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ ایک دن کی مسافت قصر کے لئے کافی ہے۔ بعض ایک (بریدہ) اور بعض ایک میل قرار دیتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق ابن عمرؓ کا مسلک یہی ہے ابن حزم بھی اسی رائے کے حامیین سے ہیں۔ کوئی تین میل اور بعض تین فرسخ کے قائل ہیں اسی طرح اس مسئلہ میں بیس سے کہیں زیادہ قول ہیں۔ ابن حزمؒ نے اس مسئلہ میں صحابہ تابعین اور ائمہ کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں لیکن ہم صرف راجح کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار سے استدلال کیا ہے اور بعض نے ان احادیث سے کہ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا ومعہا ذو محرم اخرجہ الجماعۃ الا النسائی کہ کسی مسلمان عورت کے لئے حلال نہیں کہ ایک دن رات سفر کسی ذو محرم کی رفاقت کے بغیر کرے، نیز یہ کہ لا تسافر المرأۃ ثلثۃ ایام الا مع ذی محرم (البخاری) یعنی عورت تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔ ابوداؤد میں ہے۔ لا تسافر المرأۃ بریدا۔ لیکن کسی روایت میں بھی دلیل نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار سے دلیل اس لئے نہیں لی جا سکتی کہ ان میں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے کم مسافت پر قصر جائز نہیں ہے اور جن احادیث میں عورت کو بغیر محرم سفر کرنے سے روکا گیا ہے ان میں زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ اس حدیث میں "سفر" تین دن کے سفر کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک دن اور ایک برید کی روایات بھی۔ ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے کم مقدار میں قصر جائز نہیں ہے۔ نیز اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ عورت ذو محرم کے علاوہ سفر نہ کرے، قصر نماز کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ طبرانی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل مکہ لا تقصروا فی اقل من اربعۃ برد من مکۃ الی عسفان کہ اے اہل مکہ چار برید سے کم مسافت میں قصر نہ کرو، اور یہ مکہ سے عسفان تک ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو واضح دلیل ہوتی لیکن اس کی سند میں عبدالوہاب بن مجاہد بن جبیر ہے اور وہ متروک ہے۔ بعض اسے وضاع بھی کہتے ہیں۔ ازدی کا قول ہے اس سے روایت بیان کرنا جائز نہیں، اس سے اسمٰعیل بن عیاش نے روایت کی ہے۔ اور وہ حجازیوں سے روایت کرنے میں ضعیف ہے اور عبدالوہاب حجازی ہے۔ یہ روایت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مطابق موقوف ہے۔ مسلم، مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد میں شعبہ کے طریق سے یہ روایت مروی ہے۔ عن یحیی بن یزید قال سألت عن قصر الصلوٰۃ

فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او ثلثۃ فراسخ صلی رکعتین یعنی جب آپ تین میل یا تین فرسخ کا سفر کرتے تو قصر فرماتے، تردد شعبہ کو ہوا۔ بہتر یہ ہے تین فرسخ مراد لئے جائیں کہ اس میں تین میل بھی آجاتے ہیں۔ جو لوگ اس مسافت کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اتنی مسافت طے کرنے کے بعد قصر شروع کرنی چاہیے یہ انتہائے مسافت نہیں ہے۔ لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ یحییٰ بن یزید نے انسؓ سے جواز قصر کی مسافت پوچھی تھی۔ ابتدائی نہیں۔ یہی مقدار درست معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آپ نے بقیع کا سفر کیا کہ قبروں کو دیکھیں اس سفر میں آپ نے قصر نہیں کی۔ شعبہ بن منصور نے ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سافر فرسخا نقصر الصلوٰۃ یعنی ایک فرسخ پر قصر فرماتے اگر اس روایت کی صحت ثابت ہو جائے تو اسے حضرت انسؓ کی روایت پر مقدم سمجھا جائے لیکن مسند سعید بن منصور موجود نہیں۔

اب یہ جاننا چاہیے کہ جب مسافر اپنی بستی یا شہر کے نکلنے کے بعد نماز بر وقت ہو جائے تو وہ قصر کرے خواہ ابھی وہ اتنی دور گیا ہو کہ بستی میں پتھر پھینک سکتا ہو اس لئے کہ وہ مسافر ہے اسی طرح واپس بستی یا شہر میں داخل ہونے تک قصر کرتا رہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ایک میل کا سفر طے نہ کر لیں قصر نہ کریں گے لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ صرف چلنے کو لغت میں سفر نہیں کہتے، بلکہ اسے مسافر کہتے ہیں جو اپنا سامان باندھے اور عصا کندھے پر رکھ کر چلے اسے مسافر کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ لغت کا نہیں شریعت کا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کم مسافت میں قصر نہیں پڑھی۔ اگر مسئلہ لغت ہی سے حل کرنا ہے تو اہل عرب ایک دو یا تین چار میل کو سفر نہیں کہتے، بلکہ وہ اپنے ریوڑ چراتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ اور اسے سفر نہیں کہتے۔ اسی طرح ایک دوسرے کو ملنے کے لئے اسی طرح مسافتیں طے کرتے لیکن اسے سفر نہ کہتے اور سامان باندھ کر اور عصا کندھے پر رکھ کر آئیں یا جاتے ہوں۔ بہرحال بنیاد اس مسئلہ میں دلیل شرعی پر ہی ہو سکتی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ کا سفر تین فرسخ یا اس سے زیادہ ہوتا تو باہر آکر قصر کر لیتے چنانچہ ثابت ہے کہ آپ ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور عصر کی نماز بمقام ذی الحلیفہ قصر پڑھی۔ حالاں کہ یہ فاصلہ چھ میل ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس مسافت پر بھی قصر جائز ہے کیوں کہ ذوالحلیفہ منزل نہ تھی، منزل مقصود مکہ تھا۔

تین فرسخ کی حدیث سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ابتدائے سفر ہے۔ بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ

اس مسافت پر آپ قصر کیا کرتے تھے لفظ کان اسی پر دلالت کرتا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں تردد ہے۔ کہ تین میل یا تین فرسخ تو احتیاطاً اسی میں ہے کہ فرسخ مراد لیے جائیں۔ شوکانی "دبل الغمام" میں فرماتے ہیں "اس مسئلہ میں مراد وہ مسافت لی جائے گی۔ جس پر شرعاً لغۃً اور عرفاً لفظ سفر کا اطلاق ہو۔ دارقطنی کی روایت اہل مکہ لا تقصروا فی اقل من اربعۃ برد ضعیف ہے۔ اس سے دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم　دلیل الطالب ۲۷۳ تا ۲۷۴

سوال: سفر کی مسافت کم از کم کتنی ہے جس میں نماز قصر کی جا سکے؟

جواب: کم از کم مسافت تین فرسخ ہے۔ عون المعبود شرح ابی داؤد ۴۶۴ سبل السلام ۱۵۵ زاد المعاد ۱۳۴۔ اگرچہ ائمہ نے اس مسئلہ پر خوب بحث کی ہے۔ اور اختلاف بھی کیا ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک ۹ میل کی روایت صحیح ہے۔ جس پر نماز قصر کی جا سکتی ہے۔　اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۲۹

سوال: کیا مسافر کے لئے دو فرضوں کے لیے سنن اور نوافل پڑھنے بھی ضروری ہیں؟

جواب: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو فرض ہی پڑھا کرتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ سنن اور نوافل ضروری نہیں، ہاں فجر کی دو سنت اور وتر آپ پڑھا کرتے تھے اگر وقت مل جائے تو نفل بھی پڑھ سکتا ہے۔ بعض صحابہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ مگر ضروری نہیں۔ زاد المعاد ۱۳۴　اہل حدیث سوہدرہ ۳ ہر نومبر ۱۹۵۱ء

سوال: موٹر یا گاڑی کا ڈرائیور جو اکثر سفر میں رہتا ہے اور بطور پیشہ یا ملازم مسافر کہلاتا ہے۔ کیا نماز قصر کر سکتا ہے؟

جواب: وہ نماز قصر نہیں کر سکتا۔　اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۳۱، ۳۲

سوال: ایک ملازم اپنی ملازمت کی جگہ سے اگر چند یوم کے لئے اپنے اصل گھر میں جائے تو کیا مسافر سمجھا جائے گا؟

جواب: اگر اس کا اہل و عیال اہل گھر میں ہو تو وہ اس کا اصل گھر ہے۔ نماز قصر نہ کرے۔ اگر اہل و عیال ساتھ ہو گھر خالی پڑا رہتا ہو اور کبھی کبھار وہاں آ جاتا ہو تو مسافر سمجھا جائے گا۔ نماز قصر کرنا جائز ہو گا۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۴۴

**سوال**: کیا مسافر کے لیے دو فرضوں کے علاوہ سنن اور نوافل پڑھنے بھی ضروری ہیں؟ لال الدین ...

**جواب**: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو فرض پڑھا کرتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ سنن اور نوافل ضروری نہیں ہاں فجر کی دو سنت اور وتر آپ پڑھا کرتے تھے اگر وقت مل جائے تو نفل بھی پڑھ سکتا ہے بعض صحابہ پڑھ لیا کرتے تھے مگر ضروری نہیں۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ ش ۳۱، ۲۲

---

**سوال**: مسافر پر کم از کم کتنے میل کے سفر کے بعد نماز قصر لازم آتی ہے۔ اگر مسافر بجائے قصر کے پوری نماز ادا کرے تو گیا گناہ لازم آئے گا؟ کیا سفر میں نماز کے لیے قبلہ رو کھڑا ہونا ضروری ہے؟ ریل میں بوقت نماز کس طرف منہ کرنا چاہیے؟

**جواب**: ۹ کوس کے سفر پر دوگانہ درست ہے۔ اس کی بابت صحیح مسلم شریف میں حدیث آئی ہے مسافر اپنے گاؤں یا شہر کی حدود سے باہر نکلتے ہی دوگانہ شروع کر سکتا ہے۔ چنانچہ دوسری روایات میں آیا ہے:- اور دوگانہ کا [illegible] نماز پڑھے۔ حدیث میں ہے ان اللہ یحب ان تؤتی رخصۃ۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی رخصت قبول کی جائے۔ فرضی نماز میں قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔ خواہ ریل کا سفر ہو یا کوئی اور وہاں تھوڑے بہت فرق کا کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ حدیث مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ قِبْلَۃٌ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عین بیت اللہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ وہ جانب کافی ہے۔

تنظیم اہلحدیث جلد ۲۰ ش ۳۲

---

**سوال**: جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہوں جیسے جہاز کے سارنگ یا خلاصی وغیرہ ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہوں، جیسے جہاز کے خلاصی وغیرہ وہ شرعاً مقیم نہیں ہیں۔ بلکہ مسافر ہیں، کیوں کہ وطن کی تین ہی قسمیں ہیں، وطن اصلی، وطن اقامت و وطن سکنی، فتح القدیر میں ہے:-

الاوطان ثلثة وطن اصلی وهو مولد الانسان او موضع تأهل به ومن قصده التعیش به لا الارتحال ووطن اقامة وهو ما ینوی الاقامة فیه خمسة عشر یوما ووطن سکنی وهو ما ینوی الاقامة فیه اقل من خمسة عشر یوما ترجمہ وطن تین ہیں، وطن اصلی یہ انسان کی رہائش کی جگہ ہے۔ اور وطن اقامت جہاں پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو اور وطن سکنی یہ وہ جگہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

اور مخفی نہیں، کہ خلاصی وغیرہ ان تینوں اوطان سے خالی ہیں پس بلاشبہ وہ مسافر ٹھہرے، پس احکام سفر ان پر لازم رہیں گے۔ ونیز احادیث وآیات قرآنیہ عام ہیں، چنانچہ آیت واذا ضربتم فی الارض اور او کنتم علی سفر میزان شعرانی میں ہے، قال الائمۃ الثلاثۃ ان الملاح اذا سافر فی سفینۃ فیہا اھلہ وما لہ لہ القصر وقال احمد انہ لا یقصر وقال احمد کذلک المکاری الذی یسافر دائما لما لفیہ الائمۃ الثلاثۃ ایضا فقالوا ان لہ الترخص بالقصر والفطر۔ پس ثابت ہوگیا، کہ دائم السفر کو بھی قصر کرنا چاہیے، چنانچہ تاجر جو ہمیشہ تجارت کے لئے سفر میں رہتے ہیں "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ہے، قال حدثنا وکیع عن الاعمش عن ابراھیم قال جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی رجل تاجر اختلف الی البحرین فامرہ ان یصلی رکعتین ھذا مرسل۔ واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ سید محمد نذیر حسین

فتاوےٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۵۶

**سوال** ، ما قولہم رحمہم اللہ تعالےٰ دریں مسئلہ کہ نماز فرض در ریل گاڑی کہ دریں ولایت شیوع یافتہ است، در زمان حرکتش وسکونش بدون عذر جائز است یا نہ، وہم قصر صلوٰۃ واجب خواہد بود یا نہ؟ بینوا توجروا

**الجواب** ، باید دانست کہ نماز بر ریل گاڑی در حالت سیر بلا عذر ہم جائز است بشرطیکہ استقبال قبلہ فوت نشود چنانکہ بر سریر وچارپائی صحت کہ جبہہ بر آن قرار گیرد رواست ونماز ریل گاڑی در حکم سواری بروا بہ نیست، کہ فرض النفل بلا عذر بر آن جائز نہ باشد، چراکہ ریل گاڑی بمعاونت دخان دہوا بر زمین میرود، چناں کہ نماز فرض بر کشتی در حالت سیر نیز رواست۔ واما الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر او لا تسیر فہی صلوٰۃ علی الدابۃ فیجوز فی حالۃ العذر المذکور فی التیمم لا فی غیرہا وان لم یکن طرف

---

لہ ملاح جب کشتی میں اپنے اہل وعیال کو ہمیت سفر کرے۔ تو تینوں اماموں کے نزدیک وہ قصر کرے۔ امام احمد قصر کے قائل نہیں ہیں۔ اور کرایہ پر کام کرنے والے تانگا گاڑیوں کے ڈرائیور اور جانوروں کے ساتھ وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں۔

لہ ایک آدمی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ میں ایک تاجر آدمی ہوں، سمندر میں بحرین جاتا رہتا ہوں۔ آپ نے اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آج کل ریل گاڑی عام ہو چکی ہے اس کی حرکت اور سکون کے وقت اس میں فرض نماز پڑھنی بغیر عذر کے جائز ہے یا نہیں، اور ریل کے سفر میں دوگانہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ ریل گاڑی میں اس کی حرکت کے وقت بھی بغیر عذر کے نماز پڑھنا درست ہے۔ بشرطیکہ رخ قبلہ کی طرف ہو جیسا کہ کسی تخت یا چارپائی پر نماز پڑھنا درست ہے کہ اس پر پیشانی پوری طرح رکھی جا سکے اور ریل گاڑی کی نماز سواری کی نماز جیسی نہیں

علی الدابة جاز تنویر الابصار من در المختار قوله علی العجلة هی ما یؤلف مثل المحفة یحمل علیها الاثقال مغرب قوله او لا تسیر کذا فی الزیلعی والخانیة ومثله فی البحر عن الظهیریة قوله فهی صلوٰة علی الدابة اما اذا کانت تسیر فهی ظاهر واما اذا کانت لا تسیر وکانت علی الارض وطرفها علی الدابة فمشکل لانها فی حکم المحمل اذا رکز تحته خشبة فتکون کالارض وقد یفرق بانها اذا کان احد طرفیها علی الارض والاخر علی الدابة لم یصر قرارها علی الارض فقط بل علیها وعلی الدابة بخلاف المحمل لانه انما تصح الصلوٰة علیه اذا کان قراره علی الارض فقط بواسطة الخشبة لا علی الدابة تامل وسیاتی ما لو کان کلها علی الارض شامی قوله وان لم یکن الخ کان المناسب ذکره قبل بیان الاعذار قوله لو واقفة در مختار کذا قیده فی شرح المنیة ولم اره لغیره یعنی اذا کانت العجلة علی الارض ولم یکن شیٔ منها علی الدابة وانما لها حبل مثلا تجره الدابة به تصح الصلوٰة علیها لانها حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی هذا التعلیل انها لو کانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوٰة علیها بلا عذر وفیه تامل لان جرها بالحبل وهی علی الارض لا تخرج به عن کونها علی الارض ویفیده عبارة التاتارخانیة عن المحیط وهو لو صلی علی العجلة ان کان طرفها علی الدابة وهو تسیر تجوز فی حالة العذر لا فی غیرها وان لم یکن طرفها علی الدابة جازت وهو بمنزلة الصلوٰة علی السریر اه فقوله وان لم یکن الخ یفید ما قلنا لانه راجع الی المسئلة وقد قیدها بقوله وهو تسیر ولو کان الجواز مقیدا بعدم السیر لقیده به فتامل شامی، و مراد از عجله مثل کرانچی وچوپهیا و شکرم که در روش وسعی قابل گذاردن نماز آن تختهائے چوبین مفروش می باشد صاحب قاموس می گوید العجلة بالتحریك الاٰلة التی تجرها الثور وخشب یؤلف یحمل علیها الاثقال۔

جواب سوال دوم:۔ اینکه مسافت سه روزه را بسیر وسط ومعتدل در قصر صلوٰة معتبر است و سیر برید و سیر عجله واسپ سریع السیر که مسافت راه دو روزه و سه روزه را یک روز طے کنند یا سیر بطی چهکڑه که راه یک روزه را در دو روز طے نماید پس در قصر صلوٰة معتبر نیست پس اگر ریل گاڑی یا اسپ سریع السیر یا برید سه روزه را در یک روز طے

---

ہے۔ کہ یہ شرعاً جائز نہ ہوسکے۔ کیونکہ ریل گاڑی زمین پر حرکت کرتی ہے۔ تو اس کی نماز کشتی کی نماز کی طرح بالکل درست ہوگی۔ اور ٹانگہ یا بگھی وغیرہ کی نماز کا یہ حکم ہے۔ کہ اگر ٹانگہ کی ساخت اس طرح کی ہو۔ کہ اس کا کچھ حصہ جانور کی پیٹھ پر بھی ہو تو وہ جانور کی سواری کی نماز سمجھی جائے گی۔ اور اگر پہیوں وغیرہ کی مدد سے زمین پر چلتا ہو کسی رسہ یا لکڑی وغیرہ کے ذریعے جانور اس کو کھینچے۔ تو وہ نماز زمین پر نماز

کتنا ہم قصر صلوٰۃ واجب نخواہد بود شرح آنچنان کہ از کتب فقہ مستفاد می گردد، کما لا یخفیٰ علی العالم بالفقہ، واللہ اعلم بالصواب

فاعتبروا یا اولی الابصار، حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　[سید محمد نذیر حسین]　فتاوے نذیریہ ج ۱ ص

---

**سوال**: اگر زمیندار، بیوپاری، ملازم، کاریگر وغیرہ جن کی معاش کا ذریعہ دار الاقامت سے بیرونی ممالک میں ہے۔ اس کو علی الدوام اسی مقام پر جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کے لئے قصر نماز ادا کرنے کے لئے کیا حکم ہے۔ درمیانی مسافت کے دن قصر نماز لازم آتی ہے یا اس سے زیادہ دن مسافری کے لئے ہے؟

**جواب**: محدثین کے نزدیک بحکم حدیث تین روز کی نیت اقامت کرنے پر قصر کرنا جائز ہے چار روز کی کرے گا تو قصر جائز نہ رہیگا۔ گھر سے نکلتے ہی قصر کا حکم لگ جاتا ہے۔　فتاوے ثنائیہ جلد اول ص ۵۹۰

---

**سوال**: قصر نماز کی حالت میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء جمع کرکے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

**جواب**: سفر میں ظہر، عصر۔ مغرب، عشاء کا جمع کرنا جائز ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے۔

فتاوے ثنائیہ جلد اول ص ۵۹۱

---

**سوال**: فرضوں میں قصر کرنا لازم آتا ہے۔ یا سنتوں میں بھی قصر کرنا ضروری ہے۔ بعض آدمی سفر کی حالت میں فقط فرضوں کی قصر کرتے ہیں۔ اور سنتیں مؤکدہ بھی نہیں پڑھتے۔ کہتے ہیں فرضوں میں قصر ہونے کی وجہ سے سنت کا ادا کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے کیا حکم ہے؟

**جواب**: فرضوں کی رکعات کی کمی قصر ہے۔ سنتوں میں تاکید کم ہو کر بطور نفل رہ جاتی ہے۔ پڑھے تو ثواب ہے۔

فتاوے ثنائیہ جلد اول ص ۵۹۱

---

پڑھنے کے مترادف ہوگی۔ اور بالکل درست ہوگی۔ اور اس کی مثال اس تخت پوش کی سی ہوگی۔ جو زمین پر بچھا ہو کر اس پہ بلا شبہ بھی نماز درست ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ درمیانہ چال سے اگر سفر تین روز کا ہو جائے تو اس پر قصر کرنا جائز ہے۔ خواہ گاڑی والے ایک ہی دن میں طے کرے۔ اور اسی طرح اگر منزل درست سے تین روز کا سفر بھی ہو تو قصر درست نہ ہوگا۔ مثلاً پیکر جو ایک دن کا سفر دو دن میں کرتا ہے۔ لغ یعنی بعض محدثین کا مسلک ہے جو حاجی کے لئے بعد از فتح تین روز کی اجازت سے مستنبط ہے اور امام بخاری نے صحیح میں باب منعقد کیا ہے۔ باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ثم ذکر حدیث ابن عباس قال اقام صلی اللہ علیہ وسلم تسعۃ عشر یقصر فنحن اذا سافرنا تسعۃ عشر قصرنا وان زدنا اتممنا ۱۲ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

**سوال:** سفر میں کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیئے، قرآن وحدیث سے مدلل بیان فرمائیں اجرکم اللہ عن جمیع المسلمین خیراً

**جواب:** نصوص شرعیہ میں مطلق سفر وارد ہے۔ کوئی صحیح روایت سفر کی حد میں میری نظر سے نہیں گزری، صحابہ کے اقوال بھی اس میں مختلف ہیں۔ عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن عباس اڑتالیس میل میں دوگانہ پڑھتے تھے۔ طبرانی و دارقطنی میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔ لا تقصروا فی اقل من اربعۃ برد۔ مگر یہ حدیث بالاتفاق المحدثین ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے۔ کہ یہ ابن عباسؓ کا اپنا قول ہے۔ حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں والصحیح عن ابن عباس من قولہ قال الشافعی اخبرنا سفیان عن عمرو عن عطاء عن ابن عباس انہ سئل انقصر الصلوٰۃ الی عرفۃ قال لا ولکن الی عسفان والی جدۃ والی الطائف واسنادہ صحیح وروی البیہقی عن عطاء بن ابی رباح ان عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عباس کانا یصلیان رکعتین ویفطران فی اربعۃ برد فما فوق ذلک واخرجہ البخاری تعلیقا۔ ابوداؤد میں ہے۔ عن نافع ان ابن عمر کان یخرج الی غابۃ فلا یفطر ولا یقصر۔ کتاب مراصد میں لکھا ہے۔ کہ غابۃ مدینہ منورہ سے ایک برید کی مسافت پر ہے اور دحیہ کلبی اور بعض اہل علم تین میل کو سفر کہتے ہیں اور اس میں قصر کو جائز جانتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے عن منصور الکلبی ان دحیۃ بن خلیفۃ خرج من قریۃ من دمشق الی قدر قریۃ عقبۃ من الفسطاط وذلک ثلاثۃ امیال فی رمضان ثم انہ افطر وافطر معہ ناس وکرہ آخرون ان یفطروا فلما رجع الی قریتہ قال واللہ لقد رأیت الیوم امرا ما کنت اظن انی اراہ ان قوما رغبوا عن ھدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ مگر اس روایت کی صحت میں گفتگو ہے۔ قال الخطابی ولیس ھذا الحدیث بالقوی اور لفظان

---

۱؎ چار برید سے کم مسافت پر نماز قصر نہ کرو۔ ۱۲ ۲؎ اور صحیح یہی ہے کہ یہ ابن عباس کا اپنا قول ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ خبر دی ہم کو سفیان نے انہوں نے عمرو سے انہوں نے عطاء سے وہ ابن عباسؓ سے کہ ان سے پوچھا گیا کیا ہم عرفات پر نماز قصر کریں تو انہوں نے فرمایا کہ نہ، ہاں عسفان اور جدہ اور طائف پر کرلو۔ لہٰذا اس کی اسناد صحیح ہے۔ اور بیہقیؒ نے عطاء بن ابی رباح سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم چار برید یا اس سے زیادہ فاصلے پر نماز دوگانہ پڑھتے تھے۔ اور روزہ بھی نہ رکھتے تھے۔ اور امام بخاریؒ نے اس کو تعلیقاً بیان کیا ہے۔ ۱۲

۳؎ نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ غابہ جگہ کو جاتے تو افطار کرتے اور نہ قصر کرتے۔ ۴؎ منصور کلبی سے روایت ہے کہ دحیہ بن خلیفہ رمضان شریف میں دمشق سے اتنی دور گئے جتنا کہ فسطاط سے عقبہ ہے۔ اور یہ تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تو اس نے اپنے بعض ساتھیوں سمیت روزہ افطار کیا۔ اور بعض نے اس بات کو مکروہ جانا۔ جب اپنے گاؤں کو واپس آیا تو کہا کہ واللہ میں نے آج ایک ایسا کام دیکھا جو میرے گمان میں (بقیہ

قوما رغبوا عن هدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔ مراد اس ہدی سے سفر میں افطار ہے نہ تحدید سفر۔ قال البیہقی[1] والذی رویناعن دحیۃ الکلبی ذلک فکانہ ذھب فیہ الی ظاھر الآیۃ فی الرخصۃ فی السفر واراد بقولہ رغبوا عن سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فی قبول الرخصۃ لا فی تقدیر السفر الذی افطر انتہی۔ اور سعید بن منصور نے ابو سعید سے روایت کی ہے کان[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سافر فرسخا یقصر الصلوٰۃ۔ مگر یہ حدیث طبقہ رابعہ یا خمسہ کی ہے اور اس طبقہ کی حدیث جب تک اس حدیث کی تصحیح نہ کریں قابل اعتماد و وثوق و استناد نہیں اور اس کی تصحیح کسی سے مروی نہیں اور صحیح مسلم میں ہے۔ کان[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او ثلاثۃ فراسخ صلی رکعتین شعبۃ الشاک اس میں شعبہ کا شک ہے کہ تین میل ہے یا تین فرسخ لہٰذا یہ حدیث دو معنی کی محتمل ہے یعنی سفر کی تحدید میں یا سفر کی طول میں اقامت کی جگہ سے تین میل یا تین فرسخ دور ہو کر دوگانہ شروع کرتے تھے غرض کہ اس باب میں یہ حدیث بھی نص صریح نہیں۔ عوالی مدینہ جو مدینہ منورہ سے بمسافت تین چار میل کے تھے روزمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کو آیا کرتے تھے مگر کہیں ثابت نہیں کہ ان کو آپ نے فرمایا ہو کہ تم مسافر ہو تم دوگانہ پڑھو یا تم پر جمعہ فرض نہیں اور نہ کہیں ثابت ہے کہ کسی نے اہل عوالی سے اس آمدورفت میں دوگانہ نماز پڑھی ہو یا مواشی کے چرانیوالے جو ہر روز پانچ چھ میل چکر کھا کر اپنے قیام کی جگہ پر آتے ہیں۔ کسی نے دوگانہ نماز پڑھی ہو یا ان کو رسول

(بقیہ نمبر ۱)  رفیقہ بخاتا۔ کہ دیکھوں گا۔ (وہ یہ) کہ ایک قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روگردانی کی ۱۲۔ شہ خطابی نے کہا کہ یہ حدیث قوی نہیں۔ ۱۲

[1] بیہقی نے کہا کہ وہ جو ہم نے دحیہ کلبی سے روایت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وہ مطلق سفر میں دوگانہ پڑھنے اور افطار کرنے میں ظاہر آیۃ کی طرف گیا ہے۔ اور اس نے اپنے قول سے کہ ایک قوم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابؓ کے طریقے سے روگردانی کی (روگردانی) قبول رخصت میں مراد لیا ہے۔ نہ اس سفر کے اندازہ میں جس میں اس نے افطار کیا۔

[2] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب ایک فرسخ یعنی تین میل کی مسافت تک سفر کرتے۔ تو نماز دوگانہ پڑھتے۔

[3] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ کی مسافت پر جاتے۔ تو نماز دوگانہ پڑھتے تھے۔ ۱۲

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوگانہ کا حکم دیا ہو، صحیح بخاری میں ہے، و[1]بعض العوالی من المدینة علی اربعة امیال
پس معلوم ہوا کہ تین چار میل سفر نہیں تو میل از روئے حدیث مسلم سفر ہے۔ اگر محتمل باحتمال ثانی اگرچہ ضعیف ہے ہوتا
لہذا امام بخاری اپنے جامع میں لکھتے ہیں: باب[2] فی کم یقصر الصلوٰۃ وسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم السفر یوما ولیلة
مطلب اس کا یہی معلوم ہے کہ جو شخص اس قدر مسافت پر جاوے جو گھر کو اسی روز واپس نہ آسکے بلکہ رات کو اسکو
باہر رہنا پڑے وہ سفر ہے۔ پیادہ پا آدمی درمیانہ رفتار والا ایک برید (بارہ میل) سے واپس نہیں آسکتا ہے۔
ابوداؤد میں بجائے یوم ولیل ایک روایت میں برید ہے مطلب دونوں روایتوں کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔
اور یہی مذہب امام باقر وجعفر صادق وغیرہ اہل بیت کا ہے۔ نیل الاوطار میں ہے۔ و[3]ذھب الباقر والصادق
واحمد بن عیسیٰ والقاسم والھادی الی ان مسافة برید فصاعدا وقال انس وھو مروی عن
الاوزاعی ان مسافة یوم ولیلة اور فتح الباری میں ہے و[4]قد اورد البخاری ما یدل علی ان اختیاره
ان اقل مسافة القصر یوم ولیلة یعنی قوله فی صحیحه وسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم السفر یوما و
لیلة بعد قوله باب فی کم یقصر الصلوٰۃ اور اسی کی مؤید ہے حدیث الجمعة علی من اواہ اللیل الی اھله
رواہ الترمذی یعنی جو جمعہ پڑھ کر گھر کو پہنچ سکے اس پر جمعہ فرض ہے۔ کیوں کہ وہ مسافر نہیں، یہ حدیث اگرچہ
ضعیف ہے۔ مگر میں نے توابع وشواہد کے طریق پر نقل کیا فقط
یہی حدیث اثبات مدعا کے واسطے کفایت نہیں کرتی اس مسئلہ میں بقدر بیس قول مختلف اہل علم
سے منقول ہیں میرے فہم میں امام بخاری وائمہ اہل بیت کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاوےٰ غزنویہ ص ۱۹۵)

---

[1] مدینہ منورہ کی بعض حوالی ہر میل ہے۔ یعنی چار میل تک مدینہ کی حد میں داخل ہے۔ ۱۲ ع

[2] باب ہے اس بیان میں کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیے اور اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن رات کی مسافت کا نام سفر رکھا ہے۔ ۱۲ ع [3] امام باقر اور جعفر صادق اور احمد بن عیسیٰ اور قاسم اور ہادی اس طرف گئے ہیں کہ قصر کے سفر کی مسافت ایک برید (یعنی بارہ میل یا زیادہ اس سے ہے) اور اوزاعی سے مروی ہے۔ کہ انس نے کہا کہ اس کی مسافت ایک دن رات ہے ۱۲ ع

[4] امام بخاری بھی اپنے قول (باب ہے اس بیان میں کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیے) کے بعد ایسی عبارت لائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ قصر کی مسافت ایک دن رات ہے۔ وہ عبارت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن رات کی مسافت کا نام سفر رکھا۔ ۱۲ عزیزی

# باب الجمع بین الصلوتین

**سوال** : نماز جمع کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اور کب جمع کرنی جائز ہے؟

**جواب** : نماز سفر میں جمع کی جا سکتی ہے۔ یا جب بارش ہو رہی ہو اور عوام کا دوبارہ مسجد میں جمع ہونا مشکل ہو یا باعث تکلیف ہو ایسی حالت میں ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشاء جمع ہو سکتی ہیں۔ اگر ظہر کے ساتھ عصر پڑھ لی جائے تو جمع مقدم کہلائے گی، اور اگر ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھیں تو جمع مؤخر۔ شارع علیہ السلام نے دونوں صورتوں کو جائز رکھا ہے۔ اور اسے ہماری سہولت پر چھوڑا ہے۔ سفر میں تو سنن ویسے ہی معاف ہیں۔ صرف دوگانہ فرض پڑھتے ہوں گے۔ مگر حضر میں جب نماز جمع کی جائیگی تو درمیانی سنتیں معاف ہو جائے گی۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۴۶

**توضیح الکلام** : حضر میں بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع تقدیم کرنا صریح نص سے ثابت نہیں، ہاں بارش کی وجہ سے اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ کہہ کر نماز گھر پڑھنے کی اجازت دے دینا ثابت ہے۔

ہاں جمع صوری ثابت ہے جیسا کہ مستحاضہ عورت کو ظہر عصر مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے شاگرد نے پوچھا کہ یہ نمازیں بین بین پڑھی ہوں گی۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

---

**سوال** : حضر میں نمازیں جمع کرنے کی حدیث صحیح ہے؟ نیز اس جمع کا کیا حکم ہے؟

**جواب** : امام ترمذیؒ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جامع میں صرف معمول بہ روایات لائیں گے، اگرچہ اہل علم کا مختصر گروہ ہی اس پر عمل کرتا ہو، البتہ دو احادیث اس شرط پر نہیں ہیں۔ ایک تو حضرت ابن عباسؓ کی روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بغیر کسی خوف کے مغرب و عشاء اور ظہر و عصر اکٹھی پڑھیں۔ دوسری حدیث اِذَا شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ یعنی شراب پینے والے کو درے لگاؤ البتہ اگر وہ چوتھی مرتبہ اس جرم کا مرتکب ہو تو اسے قتل کر دو۔"

جہاں تک مؤخر الذکر حدیث کا تعلق ہے اس کا نسخ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ اس حدیث کے بعد ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ کا قول روایت کیا ہے۔ کہ آپ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی آپ نے اسے درے لگوائے لیکن قتل نہیں کیا اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی میں قبیصہ بن ذویب کی روایت میں ہے۔ ثُمَّ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْنِیْ فِی الرَّابِعَۃِ فَجَلَدَہٗ وَدَفَعَ الْقَتْلَ یعنی آپ نے کوڑے لگوائے لیکن قتل نہیں کیا۔ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ یوں روایت کرتے ہیں۔ فَاُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِسَکْرَانَ فِی الرَّابِعَۃِ فَخَلّٰی سَبِیْلَہٗ یعنی آپ کے پاس چوتھی مرتبہ شراب پینے والا لایا گیا آپؐ نے اسے چھوڑ دیا۔

اوّل الذکر حدیث بلا خوف ولا مطر کے الفاظ سے بھی مروی ہے۔ اور بلا خوف ولا سفر بھی۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔ تینوں الفاظ اکٹھے کسی حدیث میں بھی نہیں آئے مشہور یہی ہے۔ بلا خوف ولا سفر" اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ابن عباسؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس طرح نمازیں جمع کرنے سے آپ کا کیا مقصد ہے تو انہوں نے کہا اس لئے کہ آپ کی امت تنگی محسوس نہ کرے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے یہ روایت طبرانی اوسط کبیر میں اور ہیثمی مجمع الزوائد میں بایں الفاظ مروی ہے جَمَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء فقیل لہ فی ذلک فقال صنعت ذالک لئلا تحرج امتی یعنی آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کرکے پڑھا تو لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا امت پر دست امر ظاہر کرنے کے لئے۔ اس روایت کی سند میں ابن عبد القدوس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ لیکن یہ ضعف قادح نہیں ہے اس لئے کہ اس لئے متعلق کہا جاتا ہے کہ ضعفاء سے روایت کرتا ہے یا یہ کہ شیعی تھا اور اس روایت میں اعمش سے روایت کرتا ہے کسی ضعیف سے نہیں جہاں تک تشیع کا تعلق ہے وہ اس وقت تک قادح نہیں ہے۔ جب تک ایسا غاص سے متجاوز نہ ہو، ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ بخاریؒ نے اسے صدوق قرار دیا اور ابن ابی حاتمؒ نے لَا بَأْسَ بِہٖ فرمایا۔ الغرض یہ حدیث جب مسلم وغیرہ میں مروی ہے۔ تو اس کی صحت میں شک نہیں۔

جو لوگ اس حدیث سے جمع کو مطلقاً جائز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ عادت نہ بنا لے۔ فتح الباری میں ہے کہ ابن سیرینؒ ربیعہ، ابن منذر اور قفال الکبیر کا یہی مذہب تھا۔ خطابیؒ نے بعض اہلحدیث کی طرف منسوب کیا ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے جائز نہیں ہے۔ صاحب بحر زخار نے بعض اہل علم کے حوالہ سے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ جمہور اس حدیث کے بہت سے جوابات دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بوجہ مرض ایسا کیا

نوویؒ نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ فرماتے ہیں۔ یہ جواب درست نہیں۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا کرنی چاہیئے تھی۔ حالاں کہ ابن عباسؓ نے تصریح کی ہے کہ یہ نمازیں با جماعت ادا کی تھیں۔ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ بادل چھائے ہوئے تھے ظہر کی نماز ادا کی، بادل ہٹا تو معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ تو عصر بھی ادا کی۔ نوویؒ فرماتے ہیں یہ احتمال ظہر و عصر میں تو ممکن ہے۔ لیکن مغرب و عشاء میں نہیں اس لئے یہ جواب بھی درست نہیں، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت ممتد ہے اس لئے یہ احتمال وہاں بھی موجود ہے۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ جمع صوری تھی۔ ظہر کو آخر وقت اور عصر کو اول وقت میں پڑھا۔ نوویؒ نے اسے بھی ضعیف اور باطل قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس جواب کو قرطبیؒ نے پسند کیا ہے۔ امام الحرمینؒ نے اسے راجح قرار دیا ابن ماجشون اور طحاوی نے بھی پسند کیا۔ ابن سیدالناس فرماتے ہیں۔ کہ یہی جواب صحیح ترین ہے اس لئے کہ ابن عباسؓ سے روایت کرنے والا ابوالشعثاء اس کا قائل ہے۔ شوکانی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ بدر تمام شرح بلوغ المرام میں ہے کہ اس حدیث سے جواز جمع پر استدلال کرنا درست نہیں اس لئے کہ اس میں تقدیم یا تاخیر کا یقین نہیں اور کسی احتمال کو راجح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا مقررہ اوقات سے بغیر عذر کے عدول ممکن نہیں۔ البتہ مسافر کا ان احکام سے استثناء ثابت ہے یہی جواب بہتر ہے۔

بعض آثار صحابہ و تابعین سے بھی بعض لوگوں نے جمع مطلق پر استدلال کیا ہے۔ لیکن ان آثار سے حجت نہیں پکڑنی چاہیئے اس لئے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

بعض لوگ اس جمع کو صوری کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔ نسائی کی روایت میں ابن عباسؓ نے صراحۃً فرمایا۔ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْمَدِیْنَۃِ ثَمَانِیًا جَمْعًا وَسَبْعًا جَمْعًا اَخَّرَ الظُّھْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ یعنی آپ کے ساتھ میں نے آٹھ رکعت بھی اکٹھی پڑھیں اور سات بھی وہ یوں کہ ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو مقدم اسی طرح مغرب کو ذرا دیر سے اور عشاء کو جلدی پڑھا۔

تعجب ہے کہ نوویؒ نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا حالاں کہ متن حدیث میں تصریح موجود ہے۔ ایک ہی قصہ میں اگر ایک روایت مطلق ہو اور دوسری مقید تو مطلق کو مقید پہ محمول کرنا چاہیئے۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔ اس حدیث کے کسی طریق میں بھی یہ مذکور نہیں کہ جمع کس وقت میں کی گئیں۔ اب یا تو اس کو مطلق رکھا جائے تو بغیر کسی عذر کے نماز کو اس کے وقت سے نکالنا لازم آتا ہے۔ یا اسے مقید و مخصوص سمجھا جائے اب یہ لازم نہیں ہے۔ لہٰذا احادیث میں تطبیق کی یہی صورت اولیٰ ہے کہ یہ جمع صوری تھی۔ شوکانیؒ فرماتے ہیں: یہ جمع ہے کیوں کہ ہر نماز اصل

میں اپنے وقت میں ہوئی جیسے بخاری، امام مالک، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

آپ نے مدینہ میں جو نمازیں جمع کر کے پڑھی ہیں تو اس راوی حدیث (ابن عباس رضی اللہ عنہ) کی تصریح بعض طرق میں موجود ہے۔ کہ یہ جمع صوری تھی۔ اس کی وضاحت ہم نے ایک مستقل رسالہ میں کی ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کہ بلا عذر نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں یا نہیں۔ البتہ صحیح احادیث سے نمازیں وقت پر پڑھنے کا حکم ثابت ہے۔ اور دوسرے اوقات میں پڑھنے سے نہی بھی وارد ہے۔ نیل الاوطار میں ہے۔ جمع صوری کے مؤیدات میں ابن مسعودؓ کی یہ روایت بھی ہے جیسے بخاری، امام مالک، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰى صَلٰوةً لِغَيْرِ مِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلٰوتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو نمازیں وقت کے بغیر پڑھیں ایک مزدلفہ میں کہ مغرب و عشاء کو جمع کیا اور دوسرے اسی دن نماز فجر کو وقت سے پہلے پڑھ لیا۔ ابن مسعودؓ بھی مدینہ میں جمع کرنے کی روایت کے راویوں میں سے ہیں۔ اور یہاں فرماتے ہیں آپ نے صرف مزدلفہ میں نمازیں جمع کیں ظاہر ہے۔ تعارض سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ مدینہ والی روایات کو جمع صوری پر محمول کیا جاوے۔" ابن جریر کہتے ہیں جمع صوری کی تائید ابن عمرؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَكَانَ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُعَجِّلُ الْعَصْرَ فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُعَجِّلُ الْعِشَاءَ فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا (مسند عبدالرزاق) یعنی آپ ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کر لیتے اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کر کے اکٹھی پڑھتے۔ ظاہر ہے یہ جمع صوری ہے۔ ان تمام روایات سے جمع صوری کے اقوال کو تقویت ملتی ہے۔ مزید براں اصول کے مطابق لفظ جمع نمازوں کے اوقات کو شامل نہیں بلکہ اس سے مراد صرف ہیئت اجتماعیہ ہے۔ چنانچہ اصول کی سب کتابوں مثلاً المنتہی اور اس کی شرح الغایہ اور اس کی شرح میں ہے۔ اور یہ ہیئت اجتماعیہ ہر قسم کی جمع میں حاصل ہے۔ تقدیم ہو یا تاخیر اور خواہ صوری ہو۔ لیکن خیال رہے ان تین اقسام میں سے کوئی بھی باقی دو کو شامل نہ ہوگی۔ اس لئے ثابت شدہ اصول ہے۔ کہ فعل مثبت میں عموم نہیں ہوتا۔ اب ہم ان تین صورتوں میں سے صرف ایک مراد لے سکتے ہیں لیکن اس کی تعیین دلیل کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جمع صوری ہونے کے دلائل و مؤیدات (جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) موجود ہیں۔ لہٰذا یہاں صرف یہی مراد لی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد شوکانیؒ فرماتے ہیں۔ ترمذی نے ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث نقل کی ہے۔ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ اَتٰى بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ الْكَبَائِرِ یعنی جس نے بلا عذر نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ یہ حدیث صحیح نہیں جیسا کہ خود ترمذی نے کتاب العلل میں لکھا ہے۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز وقت پر چاہیئے اور عذر کے بغیر نماز جمع کرنا درست نہیں، پھر فرماتے ہیں تو واضح ہے یہ حدیث (جمع فی المدینہ) صحیح ہے۔ جمہور کے اس پر عمل ترک کر دینے سے اس کی صحت پر اثر نہیں آتا صرف استدلال ساقط ہے۔ اگرچہ ترمذی کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کسی نے بھی یہ مذہب اختیار نہیں کیا۔ لیکن کئی دوسروں نے بعض اہل علم کی طرف اس مذہب کو منسوب کیا ہے۔ اور مثبت کو ترجیح حاصل ہے۔ الغرض احادیث جمع میں صرف جمع صوری مراد ہے جسے تفصیل مطلوب ہو وہ ہمارا رسالہ "تشنیف السمع بابطال ادلۃ الجمع" پڑھے۔

امام علامہ ابوالبرکات مجدالدین ابن تیمیہ حرانی "منتقی" میں ابن عباسؓ کی حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں۔ یہ حدیث اپنے الفاظ سے دلالت کرتی ہے کہ بارش، خوف یا بیماری کی وجہ سے نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں۔ اس لئے کہ اس کے ظاہر (جمع بلا خوف ولا مطر) کے خلاف اجماع ہوچکا ہے۔ نیز اوقات کی احادیث بھی اس کے متعارض ہیں لہٰذا صرف مذکورۃ فی الصدر دلالت باقی رہ جاتی ہے۔ صحیح احادیث سے مستحاضہ کے لئے نماز جمع کرنا ثابت ہے۔ لیکن استحاضہ بیماری ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ نافع فرماتے ہیں جب اُمراء مغرب اور عشاء کو بارش میں جمع کرتے تو ابن عمرؓ بھی ان کے ساتھ جمع کرلیتے۔ اثرم نے اپنی سنن میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کا قول نقل کیا ہے۔ کہ یہ سنت ہے۔ کہ جب بارش ہو تو مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھا جائے۔

الغرض تمام دلائل کو سامنے رکھ کر یہ واضح ہوا کہ حضر میں بلا عذر جمع بین الصلوتین جائز نہیں ہے اور آپ نے جو جمع کی وہ صوری تھی جو اس جمع کا قائل ہے وہ بھی اسے عادت بنا لینے کو جائز نہیں کہتا۔ ثابت ہوا کہ جمہور کے مذہب پر عمل ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب　الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۳۴۴ تا ص۳۵۰

**سوال:** مزدلفہ کے علاوہ بھی کسی جگہ نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔ یا نہیں؟

**جواب:** مزدلفہ میں جمع کرنا ثابت ہے اسی طرح سفر میں جمع تاخیر صحیحین وغیرہما کی روایات سے ثابت ہے اور جمع تقدیم صحیحین میں نہیں البتہ دوسری کتب حدیث کی روایات سے ثابت ہے۔ اور یہ روایات درجہ صحت تک پہنچ جاتی ہیں۔ اسی طرح بارش کے لئے بھی جمع کرنا ثابت ہے۔ البتہ بلا عذر جمع کرنا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، ہر زمانے میں خاص طور پر اس زمانے میں اس پر بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں۔

جو لوگ مطلق جواز کے قائل ہیں وہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو صحیحین میں بایں الفاظ وارد ہے۔

ا۔ بارش میں جمع تقدیم کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں صرف استدلال یا بعض تابعین کا قول ہے جو نص صریح کے مقابل حجت نہیں۔ سعیدی

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ سَبْعًا وَّ ثَمَانِیًا اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ مسند احمد صحیح مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں بایں الفاظ مروی ہے۔ جمع بین الظہر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا سفر یعنی آپ نے بلا خوف اور بلا سفر نمازیں جمع کیں۔ جمہور کی طرف سے اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آں حضرت نے بوجہ مرض ایسا کیا، لیکن ایسی صورت میں اس کا ذکر دینا چاہیئے تھا۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی معیت میں ایسا کیا، تعجب ہے کہ نوویؒ نے اس جواب کو قوی قرار دیا ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ بادل کی وجہ سے وقت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو بادل پھٹا معلوم ہوا کہ نماز عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ بظاہر یہ جواب تکلفات سے معمور ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لئے کیا ہے کہ امت تنگی میں نہ پڑے۔ اگر بادل کا قصہ درست ہے۔ تو اس قول کا مطلب کیا ہوگا۔ ایک جواب یہ ہے کہ جمع حقیقی نہ تھی صوری تھی اس جواب کو نوویؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن حافظؒ فرماتے ہیں جس جواب کو نوویؒ ضعیف قرار دے رہے ہیں قرطبی نے اسے مستحسن قرار دیا۔ امام الحرمین نے اسے راجح کہا۔ ابن ماجشون اور طحاوی نے اسے پسند کیا۔ ابن سید الناس نے اسے قوی قرار دیا۔ انہوں نے تصریح کی ہے کہ ابوالشعثاء کہ جو اس حدیث کو ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بھی اسے جمع صوری قرار دیتے ہیں۔ شوکانیؒ نے بھی اسی توجیہ کو ترجیح دی ہے پھر نسائی کی ایک روایت میں صراحت بھی موجود ہے۔ صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظهر والعصر جميعا والمغرب والعشاء جميعا اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء یعنی آپؐ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء جمع کیں ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کیا۔ اس روایت سے حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے۔ نیز حضرت جبریل کی حدیث اور اس پر مزید آنحضرتؐ کا زندگی بھر کا عمل کہ ہر نماز اس کے اپنے وقت پر پڑھی جاتی تھی، پھر بھی اسی موقف کی تائید کرتے ہیں کہ یہ جمع صوری تھی۔ اس کے علاوہ صحیحین میں عمرو بن دینار سے منقول ہے کہ انہوں نے ابوالشعثاء سے پوچھا اظنہ اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنہ یعنی میرا خیال ہے آپ نے ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا ہوگا۔ اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کر لیا ہوگا۔ ابوالشعثاء نے کہا ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ اسی طرح ابن مسعودؓ سے بخاری، مؤطا امام مالک، نسائی اور ابوداؤد میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ بغیر میقاتھا الا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفۃ کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے وقت کے بغیر کوئی نماز پڑھی ہو البتہ مزدلفہ میں دو نمازیں پڑھیں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا۔ (دوسری فجر کہ اسے وقت

سے پہلے پڑھا) یاد رہے ابن مسعودؓ بھی مدینہ میں جمع صلوتین کی حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ اب اس روایت اور دوسری روایات جمع فی المدینہ میں تعارض ختم کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ اس جمع کو جمع صوری قرار دیدیا جائے ابن جریر کی یہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ عن ابن عمر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یؤخر الظھر و یعجل العصر فیجمع بینھما و یؤخر المغرب و یعجل العشاء فیجمع بینھما یعنی ظہر کو تاخیر سے اور عصر کو جلدی پڑھا اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کیا اور جمع کرکے پڑھا۔ ظاہر ہے یہ جمع صوری ہے۔ ابن عمرؓ بھی ان صحابہ میں سے ہیں جو جمع فی المدینہ کے راوی ہیں لہٰذا کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جمع صوری شارع علیہ السلام سے وارد نہیں تو غلط فہمی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مستحاضہ کو کہا وان قویت علی ان تؤخری الظھر و تعجل العصر فتغتسلین و تجمعین بین الصلوتین اگر تو ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کرکے غسل کے بعد ان دو نمازوں کو جمع کرکے پڑھ سکے (تو ایسے کرے) اسی طرح مغرب اور عشاء کے متعلق فرمایا۔ یہ حدیث ثابت ہے اور حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ یہ بلاشبہ جمع صوری ہی ہے۔ خطابیؒ کا خیال ہے کہ اسے جمع صوری پر محمول کرنا درست نہیں اس لئے کہ اس طرح نمازوں کو ان کے وقت میں پڑھنا بہت مشکل ہے عوام تو کجا خواص بھی اس کو محسوس نہیں کر سکتے اس لئے یہ سہولت کی بجائے تنگی ہے لیکن خطابیؒ کا یہ کہنا درست نہیں اس لئے کہ آپ نے اوقات نماز معہ علامات اس وضاحت سے بتائے ہیں کہ عوام و خواص ان سے مطلع ہیں اور انہیں آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں۔ نیز سہولت یہ ہوگی کہ دو بار کی بجائے ایک ہی دفعہ نماز کی تیاری کرنا پڑے گی۔ اللہ تعالےٰ کا حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساری حیات طیبہ کا عمل یہی ہے۔ کہ نماز اول وقت میں پڑھی جائے لیکن اس جمع صوری سے آپ نے امت کے لئے سہولت کر دی کہ نمازوں میں سے کسی کا وقت بھی فوت نہ ہو اور انہیں جمع کرکے بھی پڑھ لیا جائے۔ رہی جمع تاخیر یا جمع تقدیم تو وہ صرف مزدلفہ میں ثابت ہے۔ یا سفر اور بارش کی حالتوں میں، ورنہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا کے مصداق نماز اپنے وقت کے ساتھ فرض ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لیس التفریط فی النوم انما التفریط فی الیقظۃ بان تؤخر الصلوۃ حتی یدخل وقت اخری اگر کوئی نماز کے وقت نیند سے مغلوب ہو جائے تو کوئی حرج کی بات ہے کہ جاگتے ہوئے دانستہ اتنی تاخیر کر دے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ نیز فرمایا من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر۔ کہ جس نے بلا عذر دو نمازیں جمع کرکے پڑھیں اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے نماز کو وقت پر نہ پڑھنے والوں کی مذمت فرمائی۔ شوکانی فرماتے ہیں کہ بلا عذر جمع کو جائز کہنے والے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔ اور جن دلائل سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ وہ ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتے۔ وعلی نفسہا براقش تجنی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۳۸۶

**سوال** نماز ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء ساتھ جمع کر کے پڑھے تو سنت نفل پڑھے یا چھوڑ دے؟

**جواب**: جمع صلوٰتین کی صورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرض پڑھا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لم یسبح بینہما یعنی نمازوں کے جمع کرنے میں نوافل، سنتیں نہیں پڑھیں۔ فتاوے ثنائیہ ج۱ ص۵۸۵

**سوال**: مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ فرصت رہتی ہے۔ عصر میں فرصت نہیں ملتی کیا ظہر کے وقت عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے! (عبد الحفیظ)

**جواب**: واقعی اگر وقت عصر نہیں ملتا ظہر کے ساتھ جمع کر لیا کریں۔ صحیح بخاری میں ملتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر اور مغرب وعشاء جمع کی تھیں۔ اللہ اعلم

**شرفیہ**: حوالہ صحیح ہے۔ مگر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ صحیح بخاری کی یہ حدیث مجمل ومختصر ہے اس سے گو بظاہر جمع حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ حالاں کہ یہ جمع صوری ہے۔ اور صوری بھی جمع تقدیم نہیں جمع تاخیر ہے۔ سنن نسائی میں یہی حدیث اسی راوی سے مطول ومفصل ہے۔ دونوں حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ صحیح بخاری کی حدیث یہ ہے باب تاخیر الظہر الی العصر عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمدینۃ سبعا وثمانیا الظہر والعصر والمغرب والعشاء فقال ایوب فی لیلۃ مطیرۃ قال عسی انتہی ج۱ ص۷۸ سنن نسائی کی حدیث یہ ہے۔ عن عمرو عن جابر بن زید عن ابن عباس قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء انتہی ص۹۸ ج۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی اور دوسری نسائی کی روایت میں ہے ثمان سجدات لیس بینہما شئی انتہی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لیس بینہما شئی کثیر من الزمان۔ التنوین للتعظیم لان الروایۃ الاولی مبینۃ للمراد فانہ فرما دیں د خلاصہ یہ کہ ایسی صورت میں اگر جمع صوری تاخیر مل سکے تو فبہا ورنہ ملازمت ترک کرنی لازم ہے۔ اس لئے کہ جس ملازمت سے فریضہ الہیہ کی ترک

لازم ہو، وہ ملازمت واجب الترک ہے۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے۔ اور صورت پیدا کرے گا۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ۵۶۷

**سوال:** کیا بارش کے روز نماز جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر نماز جمع کر کے پڑھنے کی بابت جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں وہ سب ضعیف اور متروک العمل ہیں آپ اس مسئلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بالوضاحت حل فرما کر مشکور فرماویں؟

**الجواب:** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم منتقی باب جمع المقیم للمطر وغیرہ میں ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمدینۃ سَبْعًا وَّ ثَمَانِیًا الظُّھْرَ وَالْعَصْرَ وَ الْمَغْرِبَ وَ الْعِشَاءَ متفق علیہ وفی لفظ للجماعۃ الا البخاری وابن ماجۃ جَمَعَ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ وَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ والعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ قِیْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا اَرَادَ بِذٰلِکَ قَالَ اَرَادَ اَنْ لَّا یُحْرِجَ اُمَّتَہٗ۔ یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں پڑھیں یعنی ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو جمع کیا۔ (یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے)
بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ اور مسند احمد میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف اور بارش کے بغیر ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز مدینہ میں جمع کر کے پڑھی۔
ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ارادہ کیوں کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں ابن عباسؓ نے فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ارادہ اس لئے کیا تاکہ آپ اپنی امت کو تنگی میں نہ ڈالیں۔" یہ حدیث لکھ کر امام ابن تیمیہ صاحب منتقی میں فرماتے ہیں: وھذا یدل بفحواہ علی الجمع للمطر وللخوف وللمرض وانما خولف ظاھر منطوقہ فی الجمع لغیر عذر للاجماع ولاخبار المواقیت فتبقی فحواہ علی مقتضاہ وقد صح الحدیث فی الجمع للمستحاضۃ والاستحاضۃ نوع مرض ولمالک فی الموطا عن نافع ان ابن عمر کان اذا جمع الامراء بین المغرب والعشاء فی المطر جمع معھم وللاثرم فی سننہ عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ قال من السنۃ اذا کان یوم مطیر ان یجمع بین المغرب والعشاء۔ یہ حدیث اپنے مفہوم سے بارش، خوف، اور بیماری کی وجہ سے نمازوں کے جمع کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور بغیر عذر کے جمع کرنے پر اس کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ لیکن اجماع اور ان احادیث کی وجہ سے جن میں نمازوں کے اوقات مقرر کئے گئے ہیں۔ اس حدیث کا ظاہر چھوڑ دیا گیا ہے اور

اس کا مفہوم اپنے تقاضا پر باقی رہے گا۔ یعنی بارش، خوف اور بیماری کی وجہ سے جائز جمع جائز ہوگی۔
اور مستحاضہ کے لئے نمازوں کے جمع کرنے کی صحیح حدیث ثابت ہے۔ اور استحاضہ بیماری کی ایک قسم ہے اس سے بیماری کے لئے جمع کرنے کی تائید ہوتی ہے۔ اور موطا امام مالکؒ میں نافع سے روایت ہے کہ جب امراء مغرب اور عشاء کی نماز بارش کی وجہ سے جمع کرتے تو حضرت ابن عمرؓ بھی ان کے ساتھ جمع کرتے۔ اور امام اثرمؒ نے اپنی سنن میں ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ جب بارش کا دن ہو تو مغرب و عشاء میں جمع کرنا یہ سنت میں سے ہے۔

یہ معلوم رہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اتباعِ سنت میں نہایت سخت تھے اور بہت محتاط رہتے تھے۔ اس کے باوجود ان کا امراء کے ساتھ نماز جمع کرنا یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ کہ جمع کرنا جائز ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کا یہ کہنا کہ "یہ سنت سے ہے" یہ بھی جمع کی مستقل دلیل ہے کیوں کہ سنت کا لفظ مرفوع کے حکم میں ہے۔ چنانچہ اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اور اگر سنتِ صحابہؓ سمجھی جائے تو بھی صحابہ کا عمل ثابت ہوگیا جو مفہوم حدیث کا مؤید ہے۔ خلاصہ یہ کہ بارش کی وجہ سے نماز جمع کرنے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ (نوٹ) سوال میں جو مذکور ہے کہ ان احادیث پر عمل متروک ہے۔ تو اس سے مراد اگر اجماعاً متروک العمل ہیں تو یہ غلط ہے۔ اس لئے ترمذیؒ ملاحظہ ہو اس میں صاف یہ لفظ ہیں۔

قال بعض اهل العلم يجمع بين الصلوتين فى المطر وبه يقول الشافعى واحمد واسحاق اور اگر یہ مراد ہے۔ کہ بعض اس پر عمل نہیں کرتے تو اس کا کوئی حرج نہیں، بعض کے عمل نہ کرنے سے حدیث نہیں چھوڑی جاسکتی۔ (ترمذی جلد اول باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین ص ۲۶) تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۲۷

له ترمذیؒ امام بخاریؒ کے سب سے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور مسلم، ابو داؤد اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں علم حدیث کی طلب میں بصرہ، کوفہ، واسط، رَے، خراسان اور حجاز میں بہت سال گزارے۔ جامع ترمذی ان کی بہت مشہور اور مقبول تصنیف ہے۔ فنِ حدیث میں بے مثل اور امام بخاریؒ کے صحیح جانشین مشہور ہیں۔ ۱۳ رجب ۲۷۹ھ میں شب دو شنبہ کو خاص ترمذ میں امام ترمذیؒ کی وفات ہوئی۔ (سعیدی)

له اہل علم دلائل اور اقوال سے مطلق جمع ثابت ہو رہی ہے لیکن بارش وغیرہ میں جمع تقدیم کی تفصیل نہیں۔ لہٰذا بارش میں تقدیم کے لئے نص کی ضرورت ہے۔ کہ جس سے آیت الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً کی تخصیص ہو سکے ورنہ احتمالات سے تخصیص جائز نہیں۔ (علی محمد سعیدی)

**سوال**: کیا حضر میں بغیر عذر شرعی ظہر عصر اور شام عشا نمازیں جمع ہو سکتی ہیں؟

**جواب**: حضر میں شرعی عذر کے بغیر ظہر اور عصر اور اسی طرح مغرب اور عشا کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، قرآن حکیم میں ہے ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (سورہ نساء) یعنی اہل ایمان پر اپنے وقتوں میں نماز پڑھنا فرض ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ شب معراج میں نماز فرض ہونے کے بعد دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام نماز کی تفصیل اور اس کے اوقات کی تعین کے لیے تشریف لائے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، پہلے دن پانچوں نمازیں اول وقت پڑھائیں اور دوسرے دن بجز مغرب آخری وقت میں، پھر فرمایا اَلْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ۔ ہر نماز کا وقت وہ ہے جس میں وہ ان دونوں میں پڑھی گئی، نیز فرمایا بِهٰذَا أُمِرْتَ یعنی اس طرح آپ کو ہر روز اپنے اپنے وقت پر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (موطا شریف مع زرقانی باب الوقت)

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حضر میں نماز اپنے اپنے وقت میں ادا کرنی چاہیے، بلا عذر دو نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں، ہاں سفر، خوف، بارش اور مرض جیسے عذروں میں فقہائے محدثین کے نزدیک جمع کرنا جائز ہے۔ سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں تقدیم، تاخیر اور صوری تینوں طریق پر جمع کرنا ثابت ہے۔ دوسرے عذروں کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے، نیز بعض احادیث، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے آثار سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

کچھ لوگ حضر میں بوقت ضرورت بلا عذر شرعی دو نمازیں جمع کر کے پڑھنے کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ اس کو عادت نہ بنا لیا جائے اور اس کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو جامع ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سفر بارش اور خوف جیسے شرعی عذروں کے بغیر ظہر اور عصر، مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھا جب ان سے پوچھا گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب دیا کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی امت حرج اور تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

لیکن مذکورہ بالا آیت اور احادیث مواقیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے علمائے محققین نے اس حدیث کو جمع صوری سے محمول کیا ہے۔ یعنی آپ نے ظہر اور مغرب کو آخر وقت میں اور عصر اور عشا کو اول وقت میں پڑھا اس طرح دو نمازیں جمع بھی ہو گئیں اور اپنے اپنے وقت پر بھی پڑھی گئیں، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اسی کو ترجیح دی ہے اور اس سے نماز کو بغیر عذر شرعی اپنے وقت سے نکالنا بھی لازم نہیں آتا اور مختلف احادیث کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ شوکانی کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وھذا الجواب ھو اولی الاجوبۃ عندی واقواھا واحسنھا فانہ یحصل بہ التوفیق والجمع بین مفترق الاحادیث واللہ اعلم (تحفۃ الاحوذی ص۱۶۹)

حافظ محمد اسحاق شیخ الحدیث مدرسہ تقویۃ الاسلام غزنویہ لاہور — الاعتصام لاہور

**سوال:** بغیر عذر کے نمازوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟

**جواب:** جمہور علماء کے نزدیک بغیر عذر کے نمازوں کو جمع کرنا حرام ہے بلکہ بعض کتب میں اس حرمت پر اجماع بھی منقول ہے۔ لیکن صدر اول کے اجماع کے بعد کتب فروع میں جواز کی نسبت حضرت علیؓ و زید بن علی کی طرف کی جاتی ہے لیکن اس روایت کی صحت معلوم نہیں ہو سکی، کیونکہ انہیں سے اس کے خلاف بھی روایت منقول ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء)
یعنی نماز بقید وقت مسلمانوں پر فرض ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ نماز اس کے وقت کے علاوہ پڑھنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ اور جب جمع کرے گا تو لامحالہ ایک کو دوسری کے وقت میں پڑھے گا۔ جو کہ خلاف مقصود ہے اور حضور علیہ السلام نے اوقات مقرر کر دیئے ہیں جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ اگر ان سے انحراف کرے گا تب بھی مجرم ہے۔ بہرکیف بغیر عذر جمع نہیں کر سکتا۔ حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ جس نے بغیر عذر کے نماز جمع کی وہ گناہ کبیرہ کا مستحق ہے اور جو حضور علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے جمع کی تھی تو اس کا مطلب جمع حقیقی نہیں بلکہ جمع صوری ہے، جس کی یہ صورت ہے کہ ایک نماز کو مؤخر کیا جائے اور دوسری کو اس کے وقت میں مقدم دونوں علیحدہ علیحدہ اپنے وقت میں ادا کرنا۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اگر صلوتین جمع کی جائیں تو ان کی ایک یہ صورت بھی بنتی ہے کہ نماز جمعہ کے ساتھ نماز عصر کو جمع کیا جاتا ہے اور وہ یعنی نماز عصر قبل از وقت ادا کی جاتی ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق ایک حدیث بھی منقول نہیں کہ آپ نے بغیر عذر کے کسی نماز کو قبل از وقت ادا کیا ہو۔ ہاں بغیر عذر کے عرفہ میں جمع کر سکتا ہے۔

جو دلائل اس کے جواز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ نہایت کمزور اور مثل لاشئی ہے، جن کی وضاحت اصل میں ہو چکی ہے۔ ہم ان کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے۔

ففیہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ

(دلیل الطالب ص۳۰۹)

**سوال:** بغیر عذر شرعی کے جمع بین الصلاتین کرنا یعنی ظہر و عصر کو ایک ساتھ اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا۔ **جواب:** اس بارہ میں ہمارا یہ قول ہے کہ اگر اتفاقیہ کوئی شخص حالتِ اقامت میں دو نمازیں جمع کر لے تو کچھ قباحت نہیں۔ لیکن اس کی عادت ہرگز نہ پکڑے۔ اور نہ کثرت کرے۔ رسول اللہ صلعم سے بھی اتفاقی طور پر ثابت ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ابن عباس رضی سے مروی ہے۔ "قال جمع رسول اللہ صلعم بین الظہر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قیل لابن عباس ما اراد بذالک قال اراد ان لا یحرج امتہ وفی روایۃ من غیر خوف ولا سفر" یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا اس حالت میں کہ نہ کسی قسم کا خوف تھا اور نہ سفر نہ بارش۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے کیا غرض تھی۔ انہوں نے کہا اپنی امت سے تنگی کا دور کرنا۔ اور آسانی کا پیدا کرنا۔ (انعام المتبعین صلا)

---

## جمع بین الصلوتین کی وجہ

قرآن اور حدیث کے مطابق پنجگانہ نماز کا وقت مقرر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ مگر امت کی سہولت کے لیے جیسا کہ رکعات کی تعداد میں تخفیف کی گئی ہے۔ وقت میں بھی آسانی کی گئی ہے۔ لہذا مستحاضہ کی تکلیف کو ملحوظ کرتے ہوئے جمع بین کا حکم فرما دیا۔ مسافر کو سفر میں حیرانی پریشانی بہت ہوتی ہے۔ بسا اوقات ادائیگی نماز کے لیے وقت نہیں ملتا۔ پانی نہیں ملتا۔ اس لیے بجائے پانی کے تیمم کا حکم فرمایا۔ اور چار رکعت کے بجائے دو رکعت۔ وقت کے لحاظ سے جمع تقدیم جمع تاخیر کی اجازت فرمائی۔ بوقتِ ضرورت حضر میں جمع بین کا ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ حدیث ابن عباس رضی میں ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر سفر، مرض، بارش اور خوف کے مدینہ منورہ میں ظہر عصر، مغرب عشاء کو جمع کیا۔ تاکہ امت کو ادائیگی فرض میں تکلف نہ ہو۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم

حررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

# باب السنن والنوافل

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین آیت شریفہ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ میں مومنین سے صحابہ کرام مراد ہیں تو ان کے وہ اعمال جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کثرت سے ثابت ہوں بلکہ خود نبی علیہ السلام نے عمل کر کے فرمایا ہو کہ "ایسا کرو" اس کا روکنے والا زبان یا ہاتھ سے یا ایسے ذرائع اختیار کرے جس سے عامل کو لامحالہ وہ عمل ترک کرنا ہی پڑے۔ وعید مذکور آیۃ میں شامل ہوگا یا نہیں اگر مستثنیٰ ہے تو کس دلیل سے؟

۲: سمعت انس بن مالك يقول ان كان المؤذن ليؤذن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فيرى انها الاقامة من كثرة ما يقول فيصلى الركعتين قبل المغرب (ابن ماجہ) اس حدیث کے معنی میں دو شخصوں کا اختلاف ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اذان کے بعد لوگ کھڑے ہوتے تھے اور یہ صریح دلیل ہے کہ اطمینان سے لوگ سنت ادا کرتے تھے کہ مسجد میں اگر نیا شخص آجاتا تو اس اذان کی آواز کو اقامت تصور کرتا اور جانتا کہ فرض پڑھ کر اب لوگ سنتیں ادا کر رہے ہیں۔ اس معنی کی تائید انہیں انسؓ کی روایت جو مسلم شریف میں ہے کرتی ہے۔ رکعوا رکعتین حتى ان الرجل الغريب ليدخل المسجد فيحسب ان الصلوٰة قد صليت من كثرت من يصليها۔ مغرب کا وقت اس قدر تنگ نہیں ہے کہ اذان ہوتے ہی سنت شروع ہو جائیں اور تیزی سے پڑھے۔ کہ مؤذن کے صف میں آنے تک دو رکعت تمام کرے کہ فوراً اقامت ہو جائے اور اذان کے جواب اور وہ دعا جو آپ نے بتائی ہے۔ اس سے محروم رہے اگر ایسا تنگ وقت ہے تو مسلم شریف کی روایت مذکورۃ الصدر صحیح نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مغرب میں سورۂ اعراف پڑھنا عجیب بات ٹھہری کہ نماز کا اکثر حصہ اول وقت سے خارج میں ہوگا۔

دوسرے صاحب معنی فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت بہت ہی تنگ ہے اس لئے مؤذن کے اذان شروع کرتے ہی صحابہؓ سنت پڑھنے کے لئے اس تیزی سے پڑھتے تھے کہ حاضرین مسجد کو گمان ہوتا کہ وہ اذان نہ تھی۔ اقامت ہوئی۔ (یہ عجب اُن کی اس لئے تھی کہ فرض میں تاخیر نہ ہو، اذان کے بعد فوراً اقامت ہو جائے۔)

علماء محدثین سے گذارش ہے۔ کہ صحیح کیا ہے مفصل تحریر فرمادیں۔

"بین کل اذانین صلوٰۃ" (متفق علیہ) میں آپ کے فرمان کل سے کوئی وقت مستثنیٰ بھی ہے؟ وہ کونسا وقت ہے یا استثناء بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہونا چاہیے اور یہ نماز کس وقت شروع کرے؟ تخمیناً اذان ختم ہونے کے بعد اقامت کے شروع تک کتنا وقفہ ہونا چاہیے؟ ہر ایک سوال کا جواب نمبروار کتاب و سنت سے مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**: (سوال ۱) اس آیت کریمہ میں مومنین سے مراد صحابہؓ ہیں۔ اور صحابہ کے علاوہ دوسرے وہ تمام لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو سچے پکے مومن ہیں۔ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ صحابہؓ کا فلاں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کثرت سے پایا گیا اور آپ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو کر کے فرمایا ہو کہ ایسا کرو اور ساتھ اس کے اس شخص کو یہ بھی معلوم ہو کہ یہ عمل منسوخ نہیں ہوا ہے۔ پس اگر وہ شخص باوجود معلوم ہونے ان دونوں باتوں کے اس عمل سے لوگوں کو روکے اور منع کرے زبان سے یا ہاتھ سے یا کسی اور طریقے سے وہ شخص بلاشبہ اس آیہ کریمہ کی وعید میں شامل ہوگا۔

جواب سوال ۲: قبل نماز مغرب دو رکعت سنت پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کو اذان اور اقامت کے درمیان پڑھنا چاہیے اس کے ثبوت کے لئے عبداللہ بن مغفل کی حدیث متفق علیہ بین کل اذانین صلوٰۃ نص صریح ہے۔ اور یہ حدیث اپنے عموم پر باقی ہے۔ اس عموم سے مغرب کا وقت ہرگز مستثنیٰ نہیں ہے کسی حدیث صحیح سے اوقات فرائض پنجگانہ سے کسی وقت کو خارج و مستثنیٰ ہونا ثابت نہیں اور بزار کی روایت میں جو الا المغرب کی زیادتی آئی ہے۔ سو وہ زیادتی غیر محفوظ ہے۔ ناقابل استدلال ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کو مفصل و مدلل طور پر بیان کیا ہے۔ دیکھو فتح الباری صفحہ ۴۰۳ جلد ۱ مطبوعہ مطبع انصاری۔

مغرب کی اذان ختم ہونے کے ساتھ ہی بلا وقفہ درود پڑھنا چاہیے۔ اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ آخر تک پڑھنا چاہیے پھر سنت شروع کرنی چاہیے۔ اور مغرب کی سنتیں فجر کی سنت کی طرح ہلکی پڑھنی چاہییں، حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں ومجموع الادلۃ یرشد الی استحباب تخفیفھما کما فی رکعتی الفجر اذان کے ختم ہونے کے بعد اقامت کے شروع تک بس اسی قدر وقفہ ہونا چاہیے کہ درود پھر دعا مذکور کو پھر ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ لی جائیں۔ اس سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہیے۔ صحیح مسلم کی یہ روایت اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانہ من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ الخ اور صحیحین کی حدیث بین کل اذانین صلوٰۃ اور بخاری کی یہ روایت کان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب رسول اللہ یبتدرون السواری حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھم کذلک یصلون

رکعتین ولم یکن بین الاذان والاقامة بشیٔ وقال عثمان بن جبلة وابوداؤد عن شعبة لم یکن بینھما الا قلیل اور امام محمد بن نصر کی روایت میں ہے۔ وکان بین الاذان والاقامة یسیر۔ ان سب احادیث کے ملانے سے وہی بات ثابت ہوتی ہے۔ جو لکھی گئی اور جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے اذان سنتے ہی صحابہ سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اور ابن ماجہ کی حدیث مذکور فی السوال سے استدلال کرتے ہیں۔ ونیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت بہت تنگ ہے اس لئے صحابہ کرام ایسا کرتے تھے سو واضح ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث مذکور صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کو شعبہ نے علی بن زید بن جدعان سے روایت کیا ہے اور علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔ دیکھو تقریب التہذیب اور اس کے علاوہ اس حدیث کے اجمال اور کئی مطلب کا احتمال ہے۔ پس اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ اور اسی طرح پر یہ خیال کہ مغرب کا وقت بہت تنگ ہے اس لئے صحابہؓ اذان کے شروع ہوتے ہی سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ صحیح نہیں ہے۔ مغرب کا وقت تنگ ہے۔ مگر اتنا تنگ نہیں ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کی گنجائش نہ ہو اس خیال کا غلط ہونا احادیث مذکورہ بالا سے ونیز دیگر احادیث سے ظاہر ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالرحمٰن المبارکپوری

الجواب صحیح:۔ ابن ماجہ کی حدیث مذکور کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ اذان مغرب کے ہوجانے کے بعد اس کثرت سے لوگ دو رکعت سنت پڑھنے کو کھڑے ہوجاتے تھے کہ نیا آدمی جو آجاتا تو اس کو گمان ہوتا کہ اذان اذان بھی نہ تھی بلکہ اقامت تھی اور یہ لوگ جو اس کثرت سے کھڑے ہوگئے ہیں اور اس گمان کے ہونے کی وجہ اذان کے بعد کثرت سے لوگوں کا سنت پڑھنے کو کھڑے ہوجانا ہے۔ جیسا کہ اس لفظ پر من کثرة من یقوم صراحةً دلالت کرتا ہے۔ اور ابن ماجہ کی اس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مؤذن کے شروع کرتے ہی صحابہؓ سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور ابن ماجہ کی یہی حدیث بسند صحیح بخاری اور کتاب قیام میں مروی ہے۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ کان المؤذن یوذن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لصلوة المغرب لباب اصحاب رسول اللہ الخ ان الفاظ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ اذان ہونے کے بعد سنت شروع کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد اسماعیل المبارکپوری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ابو القاسم بنارسی (مہر)

الجواب ۱:۔ آیۃ مذکورہ فی السوال میں جو لفظ سبیل المؤمنین ہے اس سے مراد بےشک یہی سبیل صحابہ کرام مراد ہے۔

اس واسطے کہ صحابہ کرام نے جو راہ اختیار کی تھی وہ راہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام نے اپنے عمل و عقیدہ کی بنیاد اس نقشہ پر رکھی کہ جو نقشہ آں حضرت نے اپنے عمل و عقیدہ کا صحابہؓ کے سامنے پیش کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:۔ من کان منکم مستنا فلیستن بمن قد مضی فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد الحدیث لہذا صحابہ نے جو طرز عمل آپ کے عہد مبارک میں رکھا وہ نیز جو طرز بعد آں حضرت کے رکھا اس کا مخالف و رد کرنے والا زبان یا ہاتھ سے یا دیگر ذرائع سے جس سے عامل کو لامحالہ وہ عمل ترک کرنا پڑے ایسا شخص ضال و مضل ہے۔ اور وعید مذکور فی الآیہ میں شامل ہے۔ اس کے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ واسطے کہ احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو فرمایا کرتے تھے کہ صلوا قبل المغرب الحدیث (بخاری شریف) وغیرہ یعنی نماز مغرب کے پہلے سنتیں پڑھ لیا کرو۔ دوسری روایت بخاری میں یوں ہے کہ دو رکعت پڑھ لیا کرو۔ ابن حبان کی روایت میں یوں ہے صلی قبل المغرب رکعتین یعنی آں حضرت نے خود قبل مغرب دو رکعتیں پڑھیں۔ ان روایتوں سے بادی النظر میں یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ دو رکعتیں بعد اذان ہو جانے کے پڑھنی چاہئیں۔ نہ کہ اذان ہوتے وقت چنانچہ اسی معنیٰ کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین کل اذانین صلوٰۃ الحدیث (ابن ماجہ وغیرہ) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درمیان ہر اذان اور تکبیر کے نماز پڑھنی چاہیے لفظ بین کا یہی مقصد ہے۔ کہ سنتیں اذان و تکبیر کے بیچ میں ہونی چاہئیں نہ کہ اذان ہوتے ہوئے، چنانچہ صحابہ کرام کا یہی طرز عمل تھا۔ کہ نماز مغرب سے پہلے اذان کے بعد سنتیں پڑھتے تھے جیسا کہ اس روایت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ عن عبدالرحمن بن عوف قال کنا نرکعھا اذا احسنا یعنی بین الاذان والاقامۃ فی المغرب (قیام اللیل للمروزی) یعنی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان سنتیں پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں صلوٰۃ الاوابین ما بین الاذان واقامۃ المغرب (قیام اللیل) نماز اوابین کی درمیان اذان و اقامت مغرب کے ہوتی ہے۔ حضرت مکحول تابعی فرماتے ہیں۔ علی المؤذن ان یرکع رکعتین علی اثر الاذین (قیام اللیل) یعنی مؤذن کو چاہیے کہ اذان کے بعد دو رکعت پڑھ لیا کرے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا قبل الاذان ام بین الاذان والاقامۃ فقال بین الاقامۃ (قیام اللیل) یعنی مغرب کے قبل کی سنتیں اذان سے پہلے پڑھنی چاہئیں یا اذان کے بعد فرمایا اذان کے بعد اقامت سے پہلے۔ ان روایات مرفوعہ و آثار صحابہ و محدثین سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ سنتیں مغرب کی اذان کے بعد ہونی چاہئیں نہ کہ اذان ہوتے ہی۔ اگر اذان ہوتے ہی کسی نے سنتیں شروع کیں تو اذان کا جواب و بعد اذان کی دعا مسنونہ

ترک ہو جائے گی۔ لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ سنتیں بعد اذان پڑھنی چاہئیں اُن کا قول صحیح ہے اور جو لوگ فرماتے ہیں کہ سنتیں اذان ہوتے وقت پڑھنی چاہئیں اور اذان ہوتے ہی فرضوں کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے اُن کا قول غلط ہے اور یہ کہنا کہ نماز مغرب کا وقت تنگ ہو جائے گا۔ اگر بعد اذان سنتیں پڑھی جائیں گی یہ بھی غلط ہے اس واسطے کہ وقت نماز مغرب کا تھوڑا نہیں ہے۔ بلکہ غروب شمس سے غروب شفق تک ہے لہذا اذان کے بعد دو سنتیں پڑھ کر فرضوں کے لئے کھڑے ہو جانے سے کوئی تنگی وقت میں واقع نہ ہوگی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

۲۔ حدیث "بین کل اذانین صلوٰۃ" (بخاری وغیرہ) یہ حدیث عام ہے اور اپنے معنی میں واضح ہے کہ جاہیے جو نسے وقت کی نماز ہو اذان و تکبیر کے درمیان سنتیں پڑھنی چاہئیں اس میں کسی وقت کا استثنار نہیں اور نہ کسی اور روایت سے کوئی وقت مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اذان اور اقامت کے بیچ میں مقدار دو رکعت یا چار رکعت کا وقفہ ہونا چاہیے مقدار دو رکعت یا چار رکعت سے زیادہ وقفہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب کتبہ ابوالزبیر محمد یونس غفرلہٗ مدرس مدرسہ جناب میاں صاحب مرحوم پھاٹک حبش خاں دہلی۔

الجواب صحیح۔ سید ابوالحسن عفی عنہ (مہر)

المجیب مصیب۔ حررہٗ السید محمد عبدالحفیظ غفرلہٗ

الجواب صحیح: ابوسعید محمد شرف الدین مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم

مجیب کا جواب صحیح ہے۔ اذان و نماز فرض کے درمیان دو رکعت چار رکعت کا فاصلہ ہونا چاہیے۔ تاکہ سنتیں مقررہ مسنونہ ہے مغرب کے پہلے سنتیں پڑھنے والے کو کوئی روکے یا اس کو سنت نہ سمجھے وہ غلام اور بدعتی ہے۔ فقط ۱۹، ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ احمد اللہ۔ مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی (مہر)

جواب صحیح ہے، صحابہ بالخصوص کبار صحابہ مغرب کے قبل کی سنت التزام کے ساتھ پڑھتے اس سنت کو کبھی چھوڑتے نہ تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں کوڑے مارا جاؤں مگر اس سنت کو ترک نہ کروں گا۔ اولاد کو وصیت فرمائی کہ اسے ترک نہ کرنا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے۔ کان المؤذن لیؤذن بالمغرب ثم تضوع المجالس من الرجال یصلونھا۔ موذن اذان مغرب کی دے چکتا تھا اس کے بعد عموماً لوگوں کے کھڑے ہو جانے کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ لفظ ثم سے اذان کے بعد کھڑے ہونا خوب واضح ہے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے حق علی کل موذن اذا اذن ان یرکع رکعتین ہر موذن پر حق ہے کہ جب اذان دے چکے تو دو رکعت پڑھے۔ (یعنی اذان کے بعد دو رکعت نہ پڑھیں تو اس نے حق ادا نہ کیا) امام نووی؟

نے شرح مسلم میں لکھا ہے ۔ قول من قال ان فعلھا یؤدی الی تاخیر المغرب عن اول وقتھا خیال فاسد منابذ للسنۃ الخ جو یہ کہتا ہے کہ ان دو رکعتوں سے مغرب کی نماز میں تاخیر ہوتی ہے ۔ خیال فاسد ہے ۔ سنت کے پھینکنے کے لئے (یہ حیلے حوالے ہیں ان کی طرف دھیان نہ دینا چاہیئے) اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اگر اذان شروع ہوتے یہ سنت شروع کرنے کی کوئی حدیث ہوتی تو اس حیلہ کی ضرورت نہ پڑتی ۔ کیوں کہ اس صورت میں تاخیر ہی نہیں ہوتی اس سے روکنے والا اخدا سے ڈرے دیکھو سورۃ علق میں فرمایا أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ الخ اگر اپنی حرکت سے باز نہ آیا تو بڑی سزا کا قیامت کو مستحق ہوگا ۔ واللہ اعلم حررہ ابوالفضل غفرلہ ولوالدیہ بحمد اللہ مجیبین نے بہت بچے تلے صحیح اور مدلل اور مفصل جوابات دیئے ہیں جو بالکل سچ ہے جزاہم اللہ محمد جونا گڑھی دہلوی

اخبار محمدی دہلی جلد ۷ ش ۱۰ ۱۹۳۰ء

**سوال** : سنن رواتب کہ وہ نماز پنجگانہ میں معمول ہیں عوام کے ذہن میں اس قدر مستحکم ہے کہ عوام سمجھتے ہیں ۔ کہ مجموعہ رکعات سنت و فرض اصل نماز میں داخل ہیں ۔ حالاں کہ سنت فجر کے سوا اور جو باقی نماز سنت ہے اس کی اس قدر تاکید حدیث میں نہیں اور اکثر مسلمان مرد عورت بسبب زیادتی رکعات نماز کے پابندی نماز کی دشوار جانتے ہیں ۔ تو رات دن میں جو سترہ رکعت فرض ہے اگر صرف وہی ادا کرنے کے لئے حکم دیا جاوے تو لوگ آسانی سے پابندی نماز کی کر سکیں گے ۔

**جواب** : جو نماز سنت ہے اُس کے بارہ میں علماء ماوراء النہر نے سختی کی ہے ۔ حتیٰ کہ جہال عوام نے سنتوں کو قریب فرض کے سمجھ لیا ہے اور اس قدر احادیث سے ثابت نہیں اور یہی تحقیق ہمارے حضرت والد مرحوم کی ہے ۔ اور احادیث وآثار صحیحہ سے یہی ثابت ہے ۔ اور تشدد کنندگان علماء ماوراء النہر نے اس قدر تاکید نماز سنت کی فرمائی ہے ۔ کہ یہ نمازیں جو سنت ہیں عوام کے عقیدہ میں فرض کے مانند قرار پائی ہیں اور ہمارے والد مرحوم فرماتے تھے ۔ کہ یہ شریعت میں ایک طرح کی تحریف ہے ۔ یعنی سنت کے بارہ میں یہ عقیدہ کرا دینا کہ یہ فرض ہے شریعت میں ایک طرح کی تحریف ہے ۔ فتاوٰے عزیزیہ جلد ۱ ص ۱۲۳

**سوال** : ایک شخص سنتیں پڑھ رہا تھا ۔ جماعت کھڑی ہوگئی ۔ ایسی صورت میں کیا وہ نیت توڑ دے یا سنتوں کو پورا کر کے جماعت میں شرکت کرے ؟

**الجواب** : ایسی صورت میں نماز کی نیت توڑ دینی چاہیئے کیوں کہ فرض نماز کی اقامت کے بعد کوئی دوسری

نماز شروع کرنا یا پڑھتے رہنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (ترمذی) بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ الا المکتوبۃ التی اقیمت یعنی جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو پھر اس نماز کے سوا جس کے لیے اقامت کہی گئی ہے۔ دوسری کوئی نماز جائز نہیں ہے چنانچہ صحابہ کرام ایسی حالت میں لوگوں کی نیت تڑوا دیتے تھے۔ بعض لوگ فجر کی سنتوں کو جماعت کے ہوتے ہوئے پڑھتے رہتے ہیں۔ گھر سے مسجد میں آئیں یا وضو سے فارغ ہوں تو فرض نماز کو چھوڑ کر سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان سنتوں کو فرض سے پہلے پڑھنے کی اس درجہ کوشش کی جاتی ہے۔ کہ اگر امام التحیات میں ہے تو وضو میں دیر کریں گے۔ اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد علیحدہ نماز پڑھنے کو ترجیح دیں گے۔ یہ طریقہ کار شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف ہے۔ مشہور ہے کہ فجر کے فرضوں کے بعد سجدہ حرام ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رات کے فرشتے امام کے سلام پھیرتے ہی نامہ اعمال لپیٹ کر لے جاتے ہیں اور سنتیں نامچہ میں شامل نہیں ہوتی اس لیے ان سنتوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنا ضروری ہے یہ من گھڑت باتیں ہیں۔ احادیث میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ طریقہ فقہ حنفیہ کے خلاف ہے۔ امام قرآن پڑھ رہا ہے اور یہ سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ اس موقع پر آیت کریمہ "اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" نہ معلوم کیوں نظروں سے اوجھل رہتی ہے حدیث شریف میں ہے۔ اذا جاء احدکم فی المسجد والامام یصلی فلیفعل کما یفعل الامام یعنی جو شخص مسجد میں آئے اور امام نماز پڑھا رہا ہو تو آنے والے کو فوراً اس رکن میں شریک ہو جانا چاہیے جس کو امام ادا کر رہا ہے۔ صحیح مسئلہ یہی ہے کہ عصر اور فجر کے فرضوں کے بعد کوئی نماز جائز نہیں ہے۔ (یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے یا طلوع ہو جائے۔) مگر فوت شدہ نماز ان دونوں فرضوں کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ امام ترمذی نے لکھا ہے۔ وهو قول اکثر الفقهاء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدهم انهم کرهوا الصلوٰۃ بعد صلوٰۃ الصبح حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس واما الصلوٰۃ الفوائت فلا باس ان تقضی بعد العصر وبعد الصبح ایک صحابی فجر کے فرضوں کے بعد نماز پڑھنے لگے حضرت کے دریافت کرنے پر صحابی نے عرض کیا کہ فرضوں سے پہلے سنتیں نہیں پڑھی تھیں ان کو اب پڑھ رہا ہوں، حضور علیہ السلام نے فرمایا "اذا لا باس" اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی شیخ الحدیث ریاض العلوم دہلی ترجمان دہلی ۱۵ر جولائی ۱۹۶۲ء

---

**سوال:** نماز جمعہ کی فرض اور سنت مؤکدہ رکعتیں اور نفل سنت غیر مؤکدہ کی کتنی رکعت ہیں؟

**جواب:** جمعہ کے دن جمعہ کے لیے مسجد میں آئے تو جب تک امام منبر کی طرف نہ آئے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ اگر

خطبہ کی حالت میں ہے تو دو رکعت پڑھے اور جمعہ کے پہلے چار پڑھے اگر جمعہ سے پہلے نہیں پڑھ سکا تو ظہر کی سنتوں کی طرح پڑھے کیوں کہ جمعہ کی پہلی سنتوں کا حکم ظہر کی پہلی سنتوں کا ہے۔ (مولانا) حافظ عبداللہ روپڑی
تنظیم اہلحدیث جلد ۲ ش ۴۸/۲۷

**مسئلہ**: ظہر اور مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد چار چار رکعت نماز پڑھنی حدیثوں سے ثابت ہے اس فعل کو بدعت کہنا اور اس کے کرنے والے کو روکنا نادانی ہے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص چار رکعت نماز ظہر سے پہلے اور چار اس کے بعد پر نگہبانی کرے اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کرے گا اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن خزیمہ اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور مکحول سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز کے بعد بات چیت کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے۔ چار رکعت نماز پڑھے تو اس کی نماز مقام علیین میں پہنچائی جاتی ہے۔ روایت کیا اس کو رزین نے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی عشاء نماز پڑھ کر میرے پاس نہیں آئے مگر چار رکعت یا چھ رکعت نماز پڑھتے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور عشاء کی نماز کے بعد چار رکعت نماز پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں چنانچہ ان میں سے ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو کوئی عشاء نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر مسجد سے نکلنے سے پہلے چار رکعت نماز ادا کرے تو وہ اس کے لئے لیلۃ القدر میں جاگنے کے برابر ہوں گی۔ اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں بیان کیا ہے۔ اور عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کے بارے میں سوا ایک حدیث صحیح کے (جو آپ نے فرمایا کہ درمیان ہر اذان اور اقامت کے نماز ہے۔) اور کوئی حدیث اس وقت مجھے یاد نہیں۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاویٰ غزنوی صفحہ ۴۳)

**سوال**: نماز وتر خاص کر تین رکعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ثابت ہے یعنی نماز مغرب کی طرح یا کہ دو رکعت جدا اور ایک جدا یا تینوں رکعتیں ایک ہی تشہد آخری کے ساتھ اور جو تشہد کہ درمیان ہے وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہے یا نہیں اور جو کوئی وتر تین رکعت نماز مغرب کی طرح پڑھے اور قعدہ اولیٰ بھول جاوے تو اس پر سجدہ سہو ہو گا یا نماز قنوت کی دعا یا تکبیر کے بھول جانے سے سجدہ سہو ہو گا۔

یا نہ اور قنوت کی دعا یا تکبیر کے بھول جانے سے سجدہ سہو ہوگا۔ یا نہ با دلائل بیان فرماویں؟

**الجواب**: وتر تین رکعت نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر سندوں کے ساتھ دو طرح سے ثابت ہیں ایک یہ کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنا بعدہٗ ایک رکعت تنہا پڑھنی جیسے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت وتر کی نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تھے اور پھر ایک رکعت علیحدہ تنہا پڑھتے تھے اس حدیث کو امام احمدؒ نے بیان کیا ہے اور اس کو قوی کہا ہے۔ اور ابن حبان اور ابن سکن نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیحین میں بیان کیا ہے اور طبرانی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ اسی طرح تلخیص الحبیر میں ہے۔ دوسری یہ کہ تینوں رکعت پڑھ کر اخیر میں سلام پھیرنا۔ (چنانچہ) مائی عائشہ رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت نماز وتر پڑھتے اخیر کے سوا اور کہیں نہ بیٹھتے یعنی تینوں ایک ہی تشہد سے پڑھتے اس حدیث کو امام احمد اور نسائی اور بیہقی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور امام احمد اور حاکم کے لفظوں میں اختلاف ہے۔ مگر معنی سب کا یہی ہے۔ جو اوپر گزرا اور جیسے کہ اس زمانہ میں وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح پڑھتے ہیں میری نظر سے کوئی صحیح حدیث اس بارہ میں نہیں گذری۔ ہاں عبداللہ بن مسعود کا ایک قول ہے کہ نماز وتر نماز مغرب کی طرح ہے دارقطنی نے اس روایت کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کیا ہے۔ مگر بیہقی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضہ کا قول ہے۔ پس جب کہ نماز وتر میں قعدہ اولیٰ کا نہ ہونا صحیح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں قنوت اور رفیدین[1] اور تکبیر پر مداومت نہیں کی اس لئے اگلے اور پچھلے علماء کا ان کے ثبوت میں اختلاف ہے تو وتر میں قعدہ اولیٰ یا قنوت یا رفیدین یا تکبیر کے چھوٹنے سے سجدہ سہو کس طرح لازم ہوگا۔ حررہ عبدالجبار الغزنوی عفی عنہ فتاوٰے غزنویہ ص۴۹

---

**سوال**: سوال وتر میں دعا قنوت پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب**: دعاء قنوت جو وتر میں اللھم اھدنی الخ یہ امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے سنن وغیرہ میں اور عبداللہ بن عباس رضہ اور محمد بن حنفیہ سے بیہقی میں اور عبداللہ بن عمر رضہ سے حاکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مروی ہے اور حضرت علی رضہ سے اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک الخ اس طور سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے وتر میں اس کو پڑھا کرتے تھے اور بیہقی اور حاکم نے اپنی اس حدیث میں اس دعا کو خاص قنوت میں پڑھنا بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور اس باب میں ایک اور حدیث بھی ہے جو دارقطنی میں حضرت علی اور حضرت ابوبکر رضہ

[1] وتر میں دونوں ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھانا مراد ہے۔ سعیدی

اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے اور نسائی اور ابن ماجہ میں ابی بن کعبؓ سے اور دارقطنی اور ابن ابی شیبہ اور دارقطنی اور بیہقی میں ام عبد سے مروی ہے ان سب روایتوں میں اگرچہ علماء گفتگو کرتے ہیں مگر مجموعہ ان سب کا لائق حجت اور قابل اعتماد ہے۔ یہ سب روایتیں نیل الاوطار میں تفصیل وار مذکور ہیں۔ وہاں دیکھو۔

حررہ عبدالجبار بن الشیخ العارف باللہ عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ صفحہ ۵۵)

---

**سوال:** بعض لوگ عشاء کے فرضوں کے پہلے جو چار سنت ادا کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ جس نے چار سنت عشاء کے فرضوں سے پہلے ادا کیں اور تہجد ادا نہ کی تو بجائے تہجد کے یہ سنتیں ہو جاتی ہیں؟

**جواب:** عشاء سے پہلے چار رکعتیں نوافل ہیں مگر اتنی فضیلت کہ وہ تہجد کی نماز کے قائم مقام ہو سکتی ہیں کسی حدیث میں نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ وتر کے بعد دو رکعت نوافل کے لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ رات کو آدمی نہ اٹھ سکے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ العلم عند اللہ مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری

(الاعتصام جلد ۱۵ ش ۹)

---

**سوال:** بوقت فجر دو رکعت سنت ہے۔ اور دو رکعت فرض ہے اور بوقت ظہر چار رکعت سنت ہے، اور چار رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت ہے اور بوقت عصر چار رکعت فرض ہے اور بوقت مغرب تین رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت ہے اور بوقت عشاء چار رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت اور تین رکعت وتر ہے یہ سب میں پڑھتا ہوں اس کے سوا پانچ وقت میں کون کون سی نماز کس کس وقت پڑھنا ضروری ہے؟

**جواب:** فرض اور سنت مؤکدہ اس قدر ہے۔ اگر ہو سکے تو چار رکعت نماز ایک سلام سے زوال آفتاب کے بعد اور نماز ظہر کے قبل ادا کرنا چاہیئے یہ مسنون ہے اور چار رکعت نماز فرض عصر کے قبل مستحب ہے اور نماز مغرب اور عشاء کے درمیان صلوٰۃ الاوابین ہے اور یہ بھی مستحب ہے۔ اور یہ نماز چھ رکعت بھی ثابت ہے اور بیس رکعت بھی ثابت ہے جس قدر ہو سکے ادا کرنا چاہیئے اور نماز اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سے ایک پہر دن آنے تک رہتا ہے۔ اور چاشت کی نماز کا وقت ایک پہر دن گذرنے کے بعد سے قریب زوال تک رہتا ہے اور تہجد کی نماز آدھی رات کے بعد سے صبح صادق تک ادا کرنا چاہیئے اور اشراق کی نماز دو رکعت ہے اور چار رکعت بھی ثابت ہے۔ اور چاشت کی نماز چار رکعت اور تہجد کی نماز دو رکعت سے بارہ رکعت تک ہے۔ یہ

نماز بطور تراویح کے پڑھنا چاہیئے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا چاہیئے اور چار رکعت کے بعد تسبیح و تہلیل پڑھنا چاہیئے اور پھر دوسرا ترویحہ شروع کرنا چاہیئے۔ (فتاوےٰ عزیزی جلد ۱ ص ۱۱۲)

---

**سوال:** نماز فرض میں اگر سنتیں نہ پڑھی جائیں تو فرضی نماز میں کوئی نقص وارد ہوا یا نہیں؟

**جواب:** حدیث شریف میں ہے اگر فرائض میں نقص ہوگا۔ تو اس کو سنن اور نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ اور اور ظاہر ہے کہ نماز کو شرائط اور ارکان و سنن سے ادا کرنا اور اس کے ظاہری اور قلبی حقوق ادا کرنے میں تغافل ہو ہی جاتا ہے۔ اس لیے سنن اور نوافل کا یقینی طور پر نہیں تو نوعی طور پر تو لازم ہو ہی جاتی ہے۔

مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی گوجرانوالہ — الاعتصام جلد ۱۲ ش ۱۲

---

**سوال:** نماز تحیۃ المسجد واجب ہے یا سنت؟ بالوضاحت بیان فرمائیں؟

**جواب:** یہاں تین بحثیں ہیں اول دلائل وجوب، دوم چند اصولی مباحث۔ سوم دلائل عدم وجوب کا جواب۔
دلائل وجوب دو طرح کے ہیں بعض میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ دوسرے دلائل پڑھے بغیر بیٹھنے سے نہی پر مشتمل ہیں۔
قسم اول کے دلائل، مثلاً ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین اخرجہ الجماعۃ کلھم یعنی جب کوئی مسجد میں آئے تو دو رکعتیں پڑھے امام بخاری نے یہ روایت تین طرق سے تخریج کی ہے۔
طریق اول یوں ہے: عن عمرو بن دینار عن جابر قال جاء رجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس یوم الجمعۃ فقال اصلیت یا فلان فقال لا قال قم فارکع رکعتین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے اس سے پوچھا نماز پڑھ لی ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ تو فرمایا اٹھ اور دو رکعتیں پڑھ۔ دوسرے طریق میں الفاظ یوں ہیں: عن عمرو بن دینار سمع جابراً قال دخل رجل یوم الجمعۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت قال لا فقال فصل رکعتین۔ طریق سوم بایں الفاظ ہے۔ اخبرنا عمرو بن دینار قال سمعت جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین۔ طریق اول و دوم ابواب صلوٰۃ الجمعہ میں ہیں اور طریق سوم باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی میں۔ کتاب البیع میں ایک چوتھا طریق بھی ہے۔ امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے دس طریق سے بیان کیا ہے۔ ۱ دخلت علیہ ای علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال صل رکعتین

یعنی میں گیا تو آپ نے فرمایا دو رکعتیں پڑھو۔ ۳ اشتری منی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعیرا فلما قدم المدینۃ امرنی ان اٰتی المسجد فاصلی رکعتین یعنی آپ نے مجھ سے اونٹ خریدا۔ مدینہ میں آئے تو مجھے حکم فرمایا کہ میں مسجد میں آؤں اور دو رکعتیں پڑھوں ۴ فدعبطلك وادخل المسجد فصل رکعتین اونٹ کو چھوڑ اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو۔ قال فدخلت فصلیت ثم رجعت یعنی مسجد میں آیا نماز پڑھ کر پھر لوٹا۔ ۵ عن جابر قال بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ اذ جاء رجل فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت یا فلان قال لا قال قم فارکع۔ یعنی آپ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے فرمایا نماز پڑھلی؟ اس نے کہا نہیں فرمایا پڑھو۔ ۶ اس طریق میں بھی چوتھے کی طرح رکعتین کا ذکر نہیں ۷ اس کے الفاظ بھی وہی ہیں البتہ رکعتین کے الفاظ اس میں ہیں۔ ۸ جاء رجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر یوم الجمعۃ یخطب فقال لہ ارکعت رکعتین قال لا قال ارکع ۹ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب فقال اذا جاء کم یوم الجمعۃ وقد خرج الامام فلیصل رکعتین۔ ۱۰ جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد علی المنبر فقعد سلیک الغطفانی قبل ان یصلی فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارکعت رکعتین قال لا قال قم فارکعھما۔ ۱۱ جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فجلس فقال یا سلیک قم فارکع رکعتین وتجوز فیھما، ثم قال اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما یعنی سلیک الغطفانی آئے اور آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ بیٹھ گئے تو فرمایا سلیک اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو اور ذرا تخفیف کے ساتھ پڑھو۔ پھر فرمایا جب کوئی جمعہ کے دن خطبہ کے دوران آئے تو وہ مختصر سی رکعتیں پڑھے۔

آخری چھ طرق امام مسلمؒ نے کتاب صلوٰۃ الجمعہ میں ذکر کئے۔

سنن ابوداؤد میں تین طرق سے یہ روایت منقول ہے۔ ۱ عن جابر ان رجلا جاء یوم الجمعہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت یا فلان قال لا قال قم فارکع۔

(۲) جاء سلیک الغطفانی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت شیئا قال لا قال صل رکعتین تجوز فیھما (اختصار سے دو رکعتیں پڑھو۔)

(۳) طریق دوم کی ہی مثل ہے یہ الفاظ زائد ہیں۔ ثم اقبل علی الناس ثم قال اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین یتجوز فیھما۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگر کوئی خطبہ کے دوران آئے تو دو مختصر رکعتیں

پڑھے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے۔

اس کے علاوہ یہی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسائی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں کئی طرق سے مروی ہے لیکن بغرض اختصار ہم انہیں نقل نہیں کرتے۔

دوسری قسم کے دلائل:۔ صحیح بخاری میں ابوقتادہؓ سلمی سے مروی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین یعنی جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے نہ بیٹھے۔

مسلم میں یوں ہے۔ عن ابی قتادۃ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال دخلت المسجد ورسول صلی اللہ علیہ وسلم جالس بین ظہرانی الناس قال فجلست فقال رسول اللہ صلی علیہ وسلم مامنعک ان ترکع رکعتین قبل ان تجلس قال فقلت رایتک جالسا والناس جلوس قال فاذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یرکع رکعتین حضرت قتادہ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا آنحضرت لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے میں بیٹھنے لگا تو فرمایا دو رکعتیں کیوں نہیں پڑھتا میں نے عرض کیا کہ آپ کو بیٹھا دیکھا اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس لئے میں بھی بیٹھنے لگا۔ فرمایا جب مسجد میں آؤ تو دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے نہ بیٹھو۔ اگرچہ تمام دواوین حدیث میں ایسی روایات موجود ہیں مگر ہم صرف صحیحین کی احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

مبحث دوم:۔ اس مسئلہ میں دو اصولی بحثیں ہیں۔ ایک کا تعلق دلائل مشتمل بر امر پر ہے اور دوسری بحث دلائل نہی میں۔

صنف اول: ابن حاجب نے مختصر المنتہی میں لکھا ہے والجمہور حقیقۃ فی الوجوب یعنی امر جمہور کے نزدیک وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ شارح نے اس کی تشریح یوں بیان کی "الجمہور انہ حقیقۃ فی الوجوب" ابن حاجبؒ نے بہت مشہور دلائل سے اس مذہب کو راجح ثابت کیا ہے۔ اسی طرح اس کے شارح نے بھی۔ علامہ سعدالدین تفتازانیؒ نے بھی مطول اور بعض حواشی میں تصریح کی ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں واکثرھم علی کونہ حقیقۃ فی الوجوب محقق ابن الامام نے غایہ اور اس کی شرح میں اس مذہب کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے عقلی اور نقلی دلائل سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ امر کا لغۃً و شرعاً مقتضی وجوب ہی ہے۔ المہدی نے المعیار میں تصریح کی ہے اسی طرح شارح الفصول نے بھی صراحت سے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ محلی میں ہے کہ ابواسحٰق شیرازی کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ ابن ابی شریف نے شرح المنہاج کے حوالے سے امام الحرمین کا بھی یہی مسلک لکھا ہے۔ امام الحرمین نے مختصر التقریب میں لکھا ہے۔ ان الاکثر من القائلین باقتضاء الصیغۃ الوجوب علیہ ای علی انہ حقیقۃ فی الوجوب۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ آرا رجال کے رو سے یہ ہونا مناسب نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ لغت کے مسئلہ میں اجتہاد و قیاس و استنباط کا دخل نہیں، لہٰذا یہ مسئلہ ائمہ و الاشان کے اقوال سے حل ہوگا، ہر انصاف پسند جانتا ہے کہ لغت کے مسئلہ میں خبر واحد پر بھی عمل واجب ہے۔ اور یہاں یہ حال ہے جمہور نے الامر للوجوب لغۃ و شرعاً تصریح کر دی ہے اور ظاہر ہے۔ احکام شریعت کا انہی دو ماخذ سے تعلق ہے۔

صنف دوم :۔ (حکم نہی) ابن حاجب نے اس بحث کو "امر" کی بحث پر مبنی قرار دیا ہے فرماتے ہیں جو امر کا حقیقی معنی وجوب سمجھتے ہیں ان کے نزدیک نہی موجب تحریم ہوگی پھر غضون میں اسی مذہب کو راجح ثابت کیا ہے۔ ان کے شارح بھی اس باب میں انہیں کے پیرو ہیں۔ محقق ابن الہمام نے غایہ (شرح الغایہ) میں صراحت کی ہے کہ نہی حقیقۃً تحریم کے لئے ہے نیز فرماتے ہیں اصح المذاہب یہی ہے ہمارے ائمہ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

مبحث سوم :۔ اعتراضات کا جواب، منکرین وجوب تحیۃ المسجد کی ایک دلیل یہ ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضمام بن ثعلبہ نے پوچھا کتنی نمازیں فرض ہیں فرمایا پانچ اس نے دریافت کیا اس کے علاوہ؟ فرمایا لا الا ان تطوع یعنی نہیں البتہ تم نفل طور پر پڑھنا چاہو تو الگ بات ہے۔ دوسری روایت میں الصلوات الخمس الا ان تطوع اس کا جواب تین طرح سے ممکن ہے۔ اولاً ابتدائی تعلیمات سے بعد میں آنے والے احکام میں تبدیل ممکن نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ماننا پڑے گا کہ صرف وہی چیزیں واجب ہیں جو اول میں تھیں اور یہ عمل باطل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار واجبات کا ذکر فرمایا، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ اس نے کہا واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص کہ میں اس پر کمی بیشی نہ کروں گا۔ تو فرمایا افلح ان صدق اگر سچا ہے تو فلاح پائے گا۔ صرف انہیں واجبات پر عمل کرنے پر آنحضرت اسے فلاح کی بشارت دے رہے ہیں۔ اب معترض سے سوال کرنا چاہیے کہ کیا شریعت میں ان چار چیزوں کے سوا کچھ بھی واجب نہیں ہے؟ حالاں کہ اس سے کئی گنا واجبات اجماع امت سے ثابت ہیں اور وہ بھی اسی طرح کے امر سے ثابت ہیں۔ ثانیاً الا ان تطوع سے لازم نہیں آتا کہ اس سے وہ نمازیں بھی مراد ہوں جو اسباب پر موقوف ہیں۔ ان نمازوں کو اللہ تعالیٰ کی واجب کردہ نمازوں میں سے الگ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کا وجوب انسان کے اختیار میں ہے تو گویا مکلف نے خود اپنے اوپر انہیں واجب کر لیا ہے۔ مثلاً احرام فی نفسہ واجب نہیں لیکن جو حرم میں داخل ہو اس کے لئے یہ واجب ہو جاتا ہے۔ ثالثاً نماز جنازہ، طواف کی دو رکعتیں، عیدین کی نمازیں اور نماز جمعہ یہ سب پانچ نمازوں کے علاوہ ہی تو ہیں۔ یہ قول کہ نماز جمعہ پانچ نمازوں میں سے ہے کہ ظہر کا بدل ہے درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں اس کے وجوب میں اختلاف نہ ہوتا اور اس کے وجوب پر دلائل لانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔

امر کو وجوب کے لئے مان لینے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ مذکورہ تمام امور واجب ہوں، اس لئے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ امر کا مقتضی وجوب ہے تاوقتیکہ کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو، اس لئے امر للوجوب کا قائل اگر کسی کو بعض مامور بہ واجب نہیں ہیں تو اس پر یہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ اس نے اصل کے خلاف کیا اس لئے کہ ممکن ہے اس کے علم میں وہ قرینہ صارفہ ہو جو معترض کے علم میں نہ ہو۔

یہ اعتراض بھی معقول نہیں کہ نذر کی نماز خاص دلیل سے ثابت ہے اس لئے کہ تحیۃ المسجد کے متعلق بھی ہم یہی لکھ چکے ہیں۔ معترض نے نذر کی نماز کے وجوب کا سبب سمجھا ہے۔ تو ہم ان احادیث کو جن میں اس کے پڑھنے کا حکم ہے۔ اور پڑھے بغیر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے اس کے وجوب کی دلیل مانتے ہیں۔ مزید براں اس نماز کی تاکید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ فرمائی کہ اس کے حکم کے ساتھ اس کے ترک کو منع کیا۔ اس کے علاوہ یہ دخول مسجد سے معلق ہے۔ اس لئے اسے اس حکم پر زیادت نہیں کہا جا سکتا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ نماز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی ہیئت نمازوں سے مختلف ہے۔

یہ قول بھی معقول نہیں اس لئے کہ خود شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز قرار دیا۔ جیسے کہ دوسری نمازوں کو قرار دیا ہے۔ اسے صلوٰۃ سے خارج قرار دینا انصاف نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ معترضین نماز جنازہ کے وجوب کے قائل ہیں، نماز تحیۃ المسجد کو الا ان تطوع کے تحت لانا اور جنازہ کے وجوب کا قائل ہونا محض سینہ زوری ہے۔ اسی طرح نماز طواف بھی سمجھ لیجئے۔ بعض لوگوں کا یہ گمان اگر درست ہو کہ تحیۃ المسجد کے متعلق بعض احادیث میں لمن شاء کے الفاظ ہیں تو یہ قرینہ صارفہ ہوتا۔ لیکن یہ لفظ کسی بھی روایت میں نہیں ہیں۔ لہذا حقیقت پر عمل کرنا ہوگا۔ ان سمعا فسمعا وان عقلا فعلا فطاعۃ ہے

واتما یبلغ الانسان طاقتہ ما کل ماشیۃ بالرحل ذملال

واللہ اعلم بالصواب ایضا ص۱۵۵
الدلیل الطالب

---

**سوال:** اوقات کراہت میں نماز تحیۃ المسجد ادا کرنا بہتر یا اسے ترک کرنا؟

**جواب:** اس مسئلہ میں بڑے بڑے فحول علماء اصول بھی متحیر و متوقف ہیں۔ اس لئے کہ احادیث عام ہیں اور سب اوقات کو شامل ہیں انہیں اوقات میں کراہت اوقات بھی ہیں۔ دوسری طرف اوقات مخصوصہ میں ہر قسم کی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ نہی صلوٰۃ تحیۃ المسجد کو بھی متضمن ہے۔ پس ان احادیث میں عموم من وجہ کی نسبت ہے۔ چنانچہ اوقات غیر مکروہ میں احادیث تحیۃ خاص ہیں۔ اور ان نمازوں کے متعلق کہ جو تحیۃ المسجد نہیں احادیث نہی خاص ہیں اور ایک ہی لحاظ سے دونوں

عام ہیں۔ اس لئے ترجیح دینے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اور ترجیح ممکن نہیں کہ دونوں طرف صحیحین کی احادیث ہیں۔ ہر دو متعدد طرق سے ثابت ہیں۔ اور نہی یا نفی بمعنی نہی کے الفاظ پر مشتمل۔ اس لئے صحت متن یا سند اور تعدد طرق سے علاوہ اگر ترجیح ممکن ہو تو معاملہ حل ہو جائے۔

شوافع احادیث تحیہ کے عموم پر عمل پیرا ہیں دوسری طرف احناف، لیثؒ، اوزاعیؒ احادیث نہی و رماوقات مکروہہ کے عموم کو ترجیح دیتے ہیں لیکن سب بلا دلیل۔ شوافع کہتے ہیں کہ وہ نمازیں جو کسی سبب پر موقوف ہیں (مثلاً کسوف وغیرہ) وہ جائز ہیں۔ مثلاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ لیکن یہ دلیل صالح للاحتجاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسند احمد میں ہے۔ کہ ام سلمہؓ نے آپ سے سوال کیا کیا ہماری بھی اگر یہ رکعتیں فوت ہو جائیں تو اس وقت میں پڑھ لیں۔ تو آپ نے فرمایا "نہیں" معلوم ہوا کہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ بالفرض خاص تسلیم نہ کریں۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نماز عصر کے بعد ظہر کی دو رکتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام ذوات الاسباب نمازیں جائز ہیں۔ ان دو رکعتوں پر باقی نمازوں کو قیاس کرنا اگر درست بھی ہو تو صرف انہیں حضرات کے نزدیک ہے عموم نہی سے خاص قرار دیا جائے گا۔ جو اس طرح تخصیص کو جائز سمجھتے ہوں۔ لیکن اسی حدیث میں دلیل ہے کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کو اگرچہ بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت اس کی مؤید ہے۔ انہا قالت کان یصلی بعد العصر و ینہی عنہا یعنی آپ نماز عصر کے بعد کچھ نماز پڑھتے لیکن دوسروں کو منع کرتے۔

البتہ سنن ابو داؤد میں یزید بن اسود کی حدیث ہے۔ اس سے عموم نہی کی تخصیص ممکن ہے حدیث یوں ہے۔

قال شهدت مع النبي صلى الله عليه وسلم حجته فصليت معه صلوٰة الصبح في مسجد الخيف فلما قضى صلوته انحرف فاذا هو برجلين في اخرى القوم لم يصليا فقال على بهما فجئ بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعكما ان تصليا فقالا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انا كنا قد صلينا في رحالنا قال فلا تفعلا اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما مسجد جماعة فصليا فانها لكما نافلة۔ یزید بن اسود کہتے ہیں۔ کہ میں نے آپ کے ساتھ حج کیا۔ مسجد خیف میں آپ نے صبح کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا۔ ان سے پوچھا تم نے نماز کیوں نہ پڑھی انہوں نے بتایا کہ ہم اپنے خیموں میں پڑھ آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ مناسب نہیں، جب تم اپنی نماز　　پڑھ لینے کے بعد مسجد میں جماعت پاؤ تو پڑھ لیا کرو، یہ نفل ہو جائے گی۔" اس حدیث میں اس طرح باجماعت نفل ادا کرنے کا جواز موجود ہے۔ البتہ اس نماز پر بھی تحیۃ المسجد

کو قیاس کرنا درست نہیں۔ ان آدمیوں کو نماز کا حکم اس لئے دیا گیا کہ نماز باجماعت کے پاس بیٹھنا بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان سے پہلے پوچھا "مسلمان انتما" مسلمان ہو؟

ابن عباسؓ کی روایت کہ دارقطنی کے علاوہ ابونعیم، طبرانی اور خطیب نے بھی تلخیص میں روایت کی ہے۔ اس عموم نہی کی مخصص ہو سکتی ہے۔ حدیث یوں ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی عبد المطلب ویا بنی عبد المناف لا تمنعوا احدا یطوف بالبیت ویصلی فانہ لا صلوۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس الا عند ھذا البیت یطوفون ویصلون۔ اے بنی عبد المطلب اے بنی عبد المناف کسی کو بیت اللہ کے طواف یا اس میں نماز پڑھنے سے کسی وقت بھی نہ روکو۔ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نہیں ہوتی۔ لیکن بیت اللہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ انہیں طواف کرنے دو، نمازیں پڑھنے دو"۔ اس حدیث کو اگرچہ حافظ نے تلخیص میں معلول قرار دیا ہے۔ لیکن سنن اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور دارقطنی میں جبیر بن مطعم کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اسی طرح دارقطنی میں جابرؓ اور ابن عدی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایات بھی اس کی تاکید کرتی ہیں۔ یہ اشکال صرف تحیۃ المسجد ہی میں نہیں بلکہ ہر اس چیز میں ہے۔ کہ جس کی دلیل من وجہ عام اور من وجہ خاص ہو۔ مثلاً نماز جنازہ صلوٰۃ کسوف طہر کی دو رکعتیں نماز استخارہ وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے کسی خارجی دلیل کی دستیابی تک توقف ہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اوقات مکروہ میں آدمی مسجد میں نہ جائے۔ اس لئے کہ ایک طرف وجوب تحیۃ المسجد کی احادیث ہیں، تو دوسری طرف ان اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم۔ چنانچہ شوکانیؒ فرماتے ہیں "ہم نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ اوقات کراہیہ مطلق تحریم پر دال ہیں۔ لہٰذا ایسے اوقات میں مسجد میں آنے والا دو میں سے ایک منہی عنہ کا مرتکب ہوگا۔ وفی ہذا المقدار کفایۃ لمن لہ ہدایۃ واللہ اعلم بالصواب الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص

---

**سوال:** زید اگر سنت ایک رکعت پڑھ چکا ہے اقامت شروع کر دیتے ہیں تو زید سنت نماز توڑ کر جا کر فرض میں ملتا ہے۔ اور فرض سے فارغ ہونے کے بعد چھوٹی ہوئی نماز پڑھتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز شروع سے پڑھنا چاہیئے۔ جواب دیں کہ کون حق پر ہے؟

**جواب:** اقامت شروع ہونے کے بعد نفلی نماز پڑھنی درست نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (مسلم) اقامت ہو جانے کے بعد صرف وہی نماز پڑھو،

نفل اور سنت کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ابن عدی اور بیہقی کی روایت میں اتنا زیادہ بھی ہے۔ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر الخ اقامت کے بعد فجر کی دو رکعت سنتیں بھی نہ پڑھو، فتح الباری شرح بخاری جلد ۲ صـ۱۳ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ قال کنت اصلی واخذ المؤذن فی الاقامۃ فجزبنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال اتصلی الصبح اربعا الخ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں مؤذن نے اقامت شروع کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر کھینچ لیا۔ اور فرمایا کہ کیا صبح کی چار رکعت پڑھو گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی سنتیں پڑھ رہا ہو اور اقامت ہو جاوے تو اسے وہ نماز چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جانا چاہیئے چنانچہ علامہ نووی شرح مسلم میں حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ[1] کے تحت میں فرماتے ہیں واستدل لعموم الحدیث من قال یقطع النافلۃ اذا اقیمت الفریضۃ الخ فرض کی اقامت ہو جانے کے بعد نفل نماز توڑ دی جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

فرض ادا کرنے کے بعد ان سنتوں کو مستقل طور پر شروع سے پڑھنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں بحر حق پر ہے۔

مولانا عبدالسلام صاحب بستوی شیخ الحدیث ریاض العلوم دہلی — اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۲۰

---

**سوال**: ایک شخص مسجد میں آکر تحیۃ المسجد ایک رکعت پڑھتا ہے۔ اتنے میں جماعت کھڑی ہو جاتی ہے وہ شخص نماز توڑ کر جماعت میں آکر شامل ہوتا ہے تو فرض سے فارغ ہونے کے بعد چھوٹی ہوئی نماز پڑھنی ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو شروع سے پڑھنا چاہیئے یا جہاں سے چھوڑی گئی ہے وہاں سے؟

**جواب**: اقامت کے بعد کسی قسم کی سنت و نفل نماز جائز نہیں ہے۔ خواہ سنت مؤکدہ ہو یا تحیۃ المسجد ہو۔ اس کی دلیل حدیث مذکور ہے۔

مولانا عبدالسلام بستوی — اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۲۰

---

**سوال**: صبح کے وقت تحیۃ المسجد پڑھے یا نہ؟

**جواب**: بلوغ المرام باب المواقیت میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْفَجْرِ اِلَّا سَجْدَتَیْنِ۔ اخرجہ الخمسۃ الا

---

[1] اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ۔ (مسلم) سعیدی

النسائی وفی روایۃ عبدالرزاق لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلَّا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ ومثلہ للدارقطنی عن عمرو بن العاص ثم یعنی ابن عمر رضی سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پو پھٹنے کے بعد کوئی نماز نہیں۔ مگر دو رکعت فجر یعنی سنتیں"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پو پھٹنے کے بعد تحیۃ المسجد درست نہیں۔ جیسے طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز درست نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲/۱۹۱)

---

**سوال**: اقامت سے پہلے صبح کی دو سنتیں نہ پڑھی جائیں تو وہ سورج نکلنے کے بعد ادا ہو سکتی ہیں۔ میری سمجھ اس مسئلہ پر یہ ہے کہ اگر جماعت ہو رہی ہو تو ترکِ سنت کر کے فرضوں کی اقتداء کرے اور اگر صبح کا وقت ہو تو بعد فرض ادا کرے۔ چنانچہ مدت تک اس مسئلہ پر عمل رہا۔ چند یوم ہوئے ایک حنفی بھائی نے ابن ماجہ کی حسب ذیل حدیث پیش کی۔

"حدثنا عبدالرحمٰن بن ابراہیم ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نام عن رکعتی الفجر فقضاھما بعد ما طلعت الشمس"۔

میرے پاس ابن ماجہ کی شرح قلمی کفایۃ الحاجہ شرح ابن ماجہ موجود تھی۔ اس کو دیکھا تو اس میں یہ لکھا ہے۔

"رجال اسنادہ ثقات الا ان مروان بن معاویۃ الفزاری کان یدلس وقد عنعنہ فلم احتج بہ الشیخان"

**جواب**: تدلیس کہتے ہیں۔ اپنے ملاقاتی سے ایسے الفاظ کے ساتھ روایت کرے جس سے سماع کا وہم ہو۔ اور حقیقت میں سنا نہ ہو۔ مثلاً عن فلان کہے۔ یا قال فلان کہے۔ ایسی راوی کو مدلس کہتے ہیں۔ مروان بن معاویہ مدلس ہے جس کی روایت عن کے ساتھ ذکر کرنے کی صورت میں بالکل ضعیف ہوتی ہے۔ ہاں اگر سماع کی تصریح کرے تو پھر صحیح ہو جائے گی۔ مگر یہاں عن کے ساتھ روایت کی ہے۔ رہا بخاری اور مسلم کا اس کی روایت کرنا تو وہ سماع کی تصریح کی صورت میں ہے یا مؤید کی صورت میں۔

اس کے علاوہ اس راوی میں ایک اور بھی عیب ہے۔ وہ یہ کہ اپنے استادوں کے مشہور نام بدل کر غیر مشہور ذکر کر دیتا ہے جس سے بعض وقت ضعیف کو ثقہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ یا ضعیف کے ضعف پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے طبقات المدلسین کے ص ۱۲، ۱۳ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور ایسے راوی کی روایت بغیر تحقیق کے نہیں لی جا سکتی۔ اور اس روایت کی حقیقت کا کچھ علم نہیں اس لیے یہ قابلِ استدلال نہیں۔

اس کے علاوہ اس کے مقابلہ میں حسن حدیث موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ فجر کی سنتیں رہ جائیں تو فرضوں کے بعد پڑھ لی جائیں۔ تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ امتیازی مسائل ملاحظہ ہو۔ (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲/۱۹۲)

# باب الکسوف

**سوال** ، سورج گرہن کے وقت صدقہ کرنا کیا ہے ؟

**جواب** ، سورج و چاند گرہن کے وقت صدقہ کرنا مسنون اور موجب ثواب ہے ۔ صحیح بخاری میں اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ۔ قالت لقد امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعتاقة فی کسوف الشمس ۔ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ۔ غلام آزاد کرنا یا کسی قسم کا مال فی سبیل اللہ خرچ کرنا صدقہ و خیرات میں شامل ہے ۔ یہی کیفیت چاند گرہن کی ہے ؛ عن ہشام قال کنا نؤمر عند الخسوف بالعتاقة ۔ " کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں ۔ واللہ اعلم عبد الجبار عمر پوری (فتاوٰے عمر پوری ص۳۹)

---

**سوال** ، نماز کسوف کی ترکیب عنایت فرمائیں ؛

**جواب** ، نماز کسوف کی ترکیب یہ ہے کہ جمعہ کا امام لوگوں کے ساتھ دو رکعت نفل پڑھے جس طرح دوسری نفل نماز پڑھی جاتی ہے ۔ اسی ترکیب سے پڑھے اور قرأة آہستہ پڑھے ۔ اور جس قدر زیادہ قرأة ہو کرے بہتر ہے ۔ اور اس کے بعد دعا اور استغفار میں مشغول رہے ۔ اور اس وقت تک کہ آفتاب روشن ہو جاوے ۔

(فتاوٰے عزیزی جلد اول صفحہ ۱۲۴)

---

**سوال** ، چاند گرہن جو لگتا ہے ۔ اکثر کہتے ہیں کہ برج کی آڑ میں آجاتا ہے ۔ اور جو چیز آڑ میں آجاتی ہے ۔ وہ نظر نہیں آتی ۔ چاند یا سورج اگر آڑ میں آجاتا ہے ۔ نظر آتا رہتا ہے ۔ اس کے متعلق کیا تحقیقات ہے ؟

**جواب** ، قدیم فلاسفہ کا یہی خیال ہے کہ ایک ستارہ دوسرے ستارہ کے سامنے آنے سے گرہن لگتا ہے ۔ اور برج بھی ایک قسم کا ستارہ ہے ۔ چوں کہ صاف شفاف ہوتا ہے ۔ اس لیے سامنے آنے سے نور میں فرق پڑتا ہے ۔ نشان بدستور نظر آتا ہے ۔ یہ قدیم فلاسفہ کا خیال ہے ۔ اور ان کا یہ بھی خیال ہے ۔ کہ اس کے لیے ایک حساب اور اندازہ مقرر ہے ۔ حقیقت حال خدا کو معلوم ہے ۔

"وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ" میں ہے کہ جب معاویہ نے منبر نبوی شام میں لے جانا چاہا تو سورج کو گرہن لگ گیا۔ اس لیے رُک گئے۔

اس سے معلوم ہوا ہے۔ کہ حساب کے ساتھ ضروری نہیں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے۔ حدیث میں صرف اتنا آیا ہے۔ کہ سورج۔ چاند خدا کی نشانیوں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی حیات و موت سے گرہن نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا اپنے بندوں کو ان کے ساتھ ڈراتا ہے۔ سو ہمیں اتنا ہی ایمان رکھنا چاہیئے۔ اگر فلاسفہ کا خیال صحیح ہو تو یہ نشانی ہونے کے منافی نہیں۔ کیوں کہ جو ظاہری اسباب کے ساتھ علم طبعی یا سائنس کے موافق ہو رہا ہے۔ وہ بھی قدرت الٰہی کے نشانات ہیں۔ مثلاً رات اور دن۔ سورج چاند۔ آسمان و زمین وغیرہ جو کچھ ہے۔ نشانات ہیں۔ حیات جو خوشی کا باعث ہے۔ اور موت جو ڈر کی شے ہے۔ یہ بھی نشانات ہیں ؎

وفی کل شیئ لہ آیۃ — تدل علےٰ انہ واحد

یعنی ہر ایک چیز میں نشانی ہے۔ جو توحید الٰہی کی دلیل ہے۔ عبداللہ امرتسری (فتاوٰی اہلحدیث صفحہ ۴۰۳)

---

سوال: صلوٰۃ کسوف (گرہن کی نماز) کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک میں ایک ہی دفعہ اتفاق پڑا مگر اس کے متعلق احادیث مختلف ہیں۔ کسی میں چار رکوع کسی میں دو کسی میں تین رکوع آتے ہیں۔ ان کی تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب: کسوف کی بابت تین طرح سے موافقت کرتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ کسوف کئی دفعہ ہوا ہے۔ چنانچہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری صورت ترجیح کی ہے۔ یعنی متفق علیہ روایت پر عمل کیا جائے۔ کیوں کہ مقابلہ کے وقت متفق علیہ روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ جیسے حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں لکھا ہے۔ متفق علیہ روایت میں دو رکوع کا بیان ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نیا واقعہ تھا۔ لوگ سُن سُن کر پیچھے بعد دیگرے آتے رہے۔ جس نے دو رکوع پائے اُس نے دو ذکر کر دیئے۔ جس نے تین پائے اُس نے تین ذکر کر دیئے۔ جو ابتداء میں شامل ہوا۔ اُس نے پانچ رکوع ذکر کئے۔ ایک رکوع صراحۃً کسی نے ذکر نہیں کیا۔ یا ایک رکوع پانے کا اتفاق نہیں ہوا یا ہوا لیکن اس سے آگے روایت کا اتفاق نہیں ہوا۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

(فتاوٰے اہلحدیث صفحہ ۴۰۹)

# باب التہجد

**سوال** ؛ لوگوں سے سننے میں آیا ہے۔ کہ نماز تہجد بارہ رکعت اس طرح پڑھنی چاہیئے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص بارہ مرتبہ، دوسری میں گیارہ مرتبہ تیسری میں دس مرتبہ علیٰ ہذا القیاس ہر رکعت میں ایک دفعہ کم کرتے جانا چاہیئے۔ کیا نماز تہجد کا یہ طریقہ مسنون ہے؟ اور جو اس کے خلاف آٹھ رکعت پڑھے اور جو سورۃ چاہے پڑھے اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

**جواب** ؛ نماز تہجد کی آٹھ رکعت ہے۔ وتر سمیت گیارہ کسی صورت کی تخصیص نہیں ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۵۲۶

---

**سوال** ؛ اگر کسی شخص کی نماز تہجد رہ جائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے بعض کہتے ہیں ایک رکعت وتر پڑھ لینا چاہیئے اور بعض کہتے ہیں کہ سورج نکلنے کے بعد گیارہ رکعت پڑھنی چاہیئے اس میں سے صحت پر کون ہے؟

**جواب** ؛ بعد طلوع آفتاب پڑھنے والا فریق صحت پر ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۹ ش ۱۱

---

**سوال** ؛ اگر کوئی شخص عشاء کی نماز ساڑھے نو بجے ختم کر کے اس کے بعد ہی تہجد یعنی صلوٰۃ اللیل بھی پڑھ لے۔ تو اس کی تہجد ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

**جواب**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ عشاء کے بعد بھی نماز تہجد پڑھی ہے۔ لیکن ہمیشہ نہیں پڑھی۔ اس لیے کبھی کبھی پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

عبداللہ امرتسری                فتاویٰ اہلحدیث ص۲۱

سوال: نمازِ تہجد کا رمضان مبارک میں پڑھنا اور با جماعت ادا کرنا سنت ہے یا بدعت؟

جواب: نمازِ تہجد اور تراویح ایک ہی ہے۔ چنانچہ رسالہ "اہل حدیث کے امتیازی مسائل" میں ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ تراویح، تہجد جب ایک ہوئی تو رمضان میں قیام جماعت ادا کرنا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ تین روز رمضان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے با جماعت قیام کیا ہے۔ پھر فرض ہونے کے خوف سے ترک کر دیا۔ چنانچہ مسلم شریف میں حدیث ہے۔ اب چونکہ فرض ہونے کا خوف نہیں۔ اس لیے با جماعت پڑھنا مسنون ہے۔

عبداللہ امرتسری (فتاوٰے اہلحدیث ج ۲ ص ۲۸۹)

---

سوال: نمازِ تہجد کتنی رکعت ہے؟

جواب: تہجد، تراویح ایک ہی نماز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھائی ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۲۹۰)

---

سوال: تہجد میں کونسی سورت پڑھی جائے؟

جواب: سورۃ کوئی مقرر نہیں۔ جو چاہے پڑھے۔ ہاں وتروں میں سورۃ اعلیٰ۔ سورۃ قل یا ایہا الکافرون سورۃ قل ہو اللہ۔ یہ تینوں سورتیں تین رکعت میں ترتیب وار آئی ہیں۔ بعض روایتوں میں اخیری رکعتوں میں قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس بھی آئی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (مشکوٰۃ باب وتر) فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۲۹۰

---

سوال: اگر کسی کی تہجد کی نماز رہ جائے تو وہ وتروں کی قضائی دے یا ساری نماز ادا کرے؟

جواب: مشکوٰۃ باب الوتر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند یا بیماری غالب آجاتی اور قیام اللیل رہ جاتا تو دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سمیت اکثر گیارہ رکعت پڑھتے اس لیے دن میں ایک رکعت بڑھا کر بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی ویسے قضا نہیں۔ بلکہ دن میں ایک رکعت بڑھا کر پڑھ لینی چاہیے۔ اگر ایک وتر پڑھتا ہو تو دن میں اس کی بجائے دو پڑھے۔ اگر تین پڑھتے ہوں تو چار، پانچ پڑھتے ہوں تو چھ۔ سات پڑھتے ہوں تو آٹھ اور اگر نو پڑھتے ہوں تو دس پڑھ لیں۔ بس یہی قضا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوٰے اہلحدیث ج ۲ ص ۲۹۰)

# باب الاستخارہ

**سوال** : حالات آئندہ دریافت کرنے کے لئے استخارہ وغیرہ کی ترکیب ارشاد ہووے؟

**جواب** : استخارہ کی ترکیب مشہور ہے اور قول جمیل میں مذکور ہے اور آسان طریقہ یہ ہے کہ شب چہارشنبہ اور شب پنجشنبہ اور شب جمعہ میں برابر استخارہ اس ترکیب سے کرے کہ جب دنیاوی امور اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو جاوے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم تین سو مرتبہ پڑھے پھر الم نشرح بسم اللہ کے ساتھ ستر مرتبہ پڑھے اور اپنے سینہ اور منہ پر دم کرے ۔ اور درگاہ الٰہی میں دعا کرے کہ عالم الغیب فلاں امر میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ خواب میں یا بیداری میں ہاتف کے ذریعہ سے مجھ کو معلوم کرا دے اور اس کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ اور اگر چاہے تو دعاء استخارہ کہ حدیث میں آئی ہے مع استخارہ اپنے مطالب کے لئے تین مرتبہ پڑھے ۔ اور اپنے دل کی حالت پر لحاظ کرے تو اگر مصمم عزم اس کام کا ہو جاوے تو وہ کام شروع کرے ۔ اور اگر عزم میں فتور ہووے تو موقوف رکھے اور استخارہ کی دعا مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے ۔ فتاوٰے عزیزی جلد ۱ ص ۲۷۴

**دعاء استخارہ :-**

اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَأَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَأَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَإِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ . اَللّٰھُمَّ إِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ أَوْ عَاجِلِ أَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَإِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ أَوْ عَاجِلِ أَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ أَرْضِنِیْ بِهٖ ۔

(صحیح مسلم)

ترجمہ :- یا الٰہی تحقیق میں خیر مانگتا ہوں تجھ سے (حصول خیر کے لیے) بواسطہ تیری قدرت کے اور مانگتا ہوں میں تجھ سے فضل عظیم تیرا (پس) تحقیق تو قادر ہے ۔ اور میں قادر نہیں ہوں اور تو جانتا ہے کسی چیز پر اور تو غیب جانتا ہے ۔

اور میں (غیب) نہیں جانتا۔ اور تو بے حد جاننے والا ہے۔ پوشیدہ باتوں کا۔ یاالٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں) میرے لیے بہتر ہے۔ میرے دین میں۔ اور میری زندگی میں اور میرے انجام کار میں یا اس جہان میں اور اس جہان میں، پس مہیا کر اس (کام) کو میرے لیے اور آسان کر اس کو میرے لیے پھر برکت دے اس میں میرے لیے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں) برا میرے لیے اور میرے دین میں اور میری زندگی میں۔ اور میرے انجام کار میں یا اس جہان میں اور اس جہان میں پس پھر اس (کام) کو مجھ سے اور پھیر مجھ کو اس سے اور مہیا کر میرے لیے بھلائی جہاں بھی ہو۔ پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کر۔

## مجرب استخارہ

حضرت صوفی ولی محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مجاز حضرت سید محبوب شاہ رحمۃ اللہ علیہ سرپرست جامعہ سعیدیہ کا فرمان ہے۔ کہ حضرت مولانا علامہ محمد یوسف[1] گھیوی رحمہ اللہ ایک دفعہ منکو سے زیرہ تشریف لے جا رہے تھے۔ مارچ اپریل کا مہینہ تھا۔ گھوڑی پر سوار تھے۔ سر پر ایک ابر گرجا۔ گھوڑی ٹھہر گئی۔ مولانا نے یہ دعا تین مرتبہ پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَاخْتَرْ لِيْ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ۔ اے اللہ بہتر کر واسطے میرے اور پسند کر واسطے میرے اور نہ سونپ مجھ کو طرف نفس میرے کے۔ (ولی محمد سعیدی)

---

[1] حضرت مولانا محمد یوسف صاحب گھیوی زیروی رحمہ اللہ حضرت میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔ اور سید محبوب شاہ صاحب گھوٹی کے خاص الخاص مریدوں سے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے مفتی تھے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری فرمایا کرتے تھے۔ کہ یوسفی تعاقب سے تسلم لرزتا ہے۔ اخبار اہلحدیث امرتسر میں آپ کے تعاقبات اور مضامین ہیں۔ افسوس کہ یہ تحقیقی مواد اور فتاوٰے جات ان کی وفات کے بعد ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں ضائع ہو گیا۔ ورنہ "فتاوٰے علمائے حدیث" کی زینت ہوتا۔

(ولی محمد سعیدی)

سوال۔ علماء کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ ایک عرصہ سے مجھے نماز تسبیح کی مکمل وضاحت کی جستجو تھی۔ اس سلسلہ میں استفسارات بھی کئے گئے۔ مگر میری پوری تشفی نہ ہو سکی۔ لہٰذا عرض ہے۔ کہ واضح ترکیب لکھ کر ثواب دارین حاصل کریں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الوھاب: اس نماز کا ذکر کتب حدیث میں بکثرت موجود ہے۔ ترمذی میں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے میرے چچا عباسؓ! اگر تیرے گناہ عالج مقام کے ریت کے ذروں کے برابر بھی ہوں۔ تو اس نماز کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر فرمایا: صَلِّ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ تَقْرَءُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃٍ فَاِذَا انْقَضَتِ الْقِرَاءَۃُ فَقُلِ اللہُ اَکْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلہِ وَسُبْحَانَ اللہِ خَمْسَ عَشْرَۃَ مَرَّۃً قَبْلَ اَنْ تَرْکَعَ ثُمَّ ارْکَعْ فَقُلْھَا عَشْرًا ثُمَّ ارْفَعْ رَاْسَکَ فَقُلْھَا عَشْرًا ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْھَا عَشْرًا ثُمَّ ارْفَعْ رَاْسَکَ فَقُلْھَا عَشْرًا ثُمَّ اسجد فقلھا عشرا ثم ارفع رأسک فقلھا عشرًا۔ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ فَذٰلِکَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ وَھِیَ ثَلٰثُ مِائَۃٍ فِیْ اَرْبَعِ رکعات کہ چار رکعت نماز ادا کر، اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھ جب یہ پڑھ لے تو اللہ اکبر والحمد للہ و سبحان اللہ پندرہ بار پڑھ کر رکوع کرنے سے پہلے اس کے بعد رکوع کر اور دس بار یہی تسبیحات پڑھ پھر اپنا سر اٹھا اور ان تسبیحات کو دس بار پڑھ پھر سجدہ کر اور اس کو دس بار پڑھ پھر سجدہ سے سر اٹھا اور اسے دس بار پڑھ پھر سجدہ کر اور ان تسبیحات کو دس بار پڑھ۔ پھر سجدے سے سر اٹھا کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے سے پہلے دس مرتبہ یہ تسبیحات پڑھ ہر رکعت میں ۷۵ دفعہ۔ اور چاروں رکعتوں میں تین سو مرتبہ یہ تسبیحات ہوں گی۔ اور ابو داؤد میں ہے۔ اے چچا! تیرے ہر قسم کے گناہ نماز تسبیح کے پڑھنے سے معاف ہو جائیں گے۔ اس روایت میں صلوٰۃ التسبیح کی تسبیحات سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واکبر ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں ہیں۔ ان کے پڑھنے کا طریقہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اللھم باعد الخ دعا پڑھ کر الحمد سورت پھر کوئی سورت پڑھی جائیں۔ اس کے بعد پندرہ دفعہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے۔ اور رکوع قومہ سجدہ جلسہ پھر دوسرے سجدہ اور جلسہ استراحت میں دس دس بار یہی تسبیحات پڑھی جائیں۔

یہاں ایک بات قابل وضاحت ہے کہ آیا رکوع سجود وغیرہ ارکان نماز میں نماز کی دوسری عام تسبیحات دعائیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ اکبر سے قبل پڑھیں گے یا نہیں۔ سو اس کے متعلق عرض ہے۔

کہ نمازِ عیدین میں تکبیراتِ زوائد کے ساتھ ساتھ نماز کی دوسری تکبیرات بھی بدستور پڑھی جاتی ہیں۔ یہی حال نمازِ تسبیح کا ہے۔ یعنی عام تسبیحات وادعیہ بھی تسبیحات صلوٰۃ التسبیح سے قبل پڑھی جائیں گی۔ جیسا کہ حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری تحفۃ الاحوذی جلد اوّل ص۳۵۳ میں لکھتے ہیں۔ "ثم ارکع فتقولھا عشرا ای بعد تسبیح الرکوع کذا فی شرح السنۃ" کہ رکوع میں تسبیحات صلوٰۃ التسبیح رکوع کی تسبیح (سبحان ربی العظیم) کے بعد پڑھو۔ اسی طرح شرح السنۃ میں ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

عبدالقادر گوڑ گانوی مہتمم و صدر مدرس دارالحدیث محمدیہ کوٹ رادھاکشن لاہور الارشاد جدید کراچی اگست ۱۹۷۶ء جلد ۱۳ ش ۱۲،۱۵

سوال: کیا صلوٰۃ التسبیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ یا خیر قرون سے کوئی اثر ملتا ہے اگر کوئی باجماعت ادا کرتا ہے۔ تو وہ بدعتی ہے؟ اور جو جماعت جواز کے قائل ہیں ان کے دلائل کو بھی ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمائیں!

## جواب

صلوٰۃ التسبیح کے متعلق مشکوٰۃ وغیرہ میں ضعیف حدیث آئی ہے۔ اور ضعیف حدیث کے متعلق محدثین امام احمد وغیرہ کا فیصلہ ہے۔ کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ حلال و حرام میں اس کا اعتبار نہیں۔ چونکہ تسبیح نماز کچھ فضائل اعمال کی قسم سے ہے۔ اس لیے اس پر عمل جائز ہے۔ لیکن اس کا اہتمام کرنا یہاں تک کہ جماعت سے ادا کرنا اور جماعت کی طرف دعوت دینا یہ بدعت ہے۔ جو عمل جس حالت پر آئے تو اس سے اس کا مرتبہ بڑھانا نہیں چاہیئے۔ اس کے علاوہ جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی گنتی تنہا پڑھنے میں ہوتی ہے۔ جماعت کے ساتھ پڑھنے میں کمی بیشی ہونے کا ہر وقت کھٹکا رہتا ہے۔ مسنون طریقہ تسبیحات کا آہستہ کہنا ہے۔ چنانچہ ہر نماز میں آہستہ کہی جاتی ہیں۔ اس صورت میں امام کو کیا پتہ کہ میری تسبیحات کے ساتھ مقتدیوں کی تسبیحات پوری ہو گئی ہیں۔ اور پھر مقتدیوں میں کوئی جلدی پڑھنے والا ہوتا ہے۔ کوئی آہستہ کسی کی زبان موٹی ہوتی ہے۔ وہ بہت دیر میں پوری کرتا ہے۔ بلکہ اس صورت میں جہر ہو تب بھی حساب پورا ہونا مشکل ہے۔ خاص کر جو لوگ امام سے دور ہیں جہاں آواز پہنچنی مشکل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز تسبیح میں جماعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صہ ۳۹۲)

# باب الاستسقاء

**نمازِ استسقاء:** جب قحط سالی ہو جائے تو جنگل میں نکل کر دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔ کسی نیک آدمی کو جس پر زیادہ حسن ظن ہو اس کو نماز کے لئے آگے کرنا چاہیئے۔ وہ دعا مانگے اور اس کے ساتھ سب دعا مانگیں۔ اس نماز میں قرأۃ بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے یا پیچھے مختصر سا خطبہ پڑھے جس میں لوگوں کو گناہ اور نافرمانی سے ڈرائے اور توبہ تائب ہونے کی ترغیب دے کیوں کہ آفت گناہوں کی شامت ہے۔ اس نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد متصل ہے۔ بہت عاجزی اور انکساری کے ساتھ شہر گاؤں سے باہر سب لوگ نکلیں دعائیں مختلف آئی ہیں۔ مختصر دعائیں مندرجہ ذیل ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ (ترجمہ) اے اللہ اپنے بندوں اور چارپاؤں کو پانی پلا اور اپنی رحمت پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کر۔

اس نماز کی خصوصیات سے دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دعا الٹے ہاتھوں سے مانگی جاتی ہے۔ اور ہاتھوں کو اٹھانے میں مبالغہ کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بغلیں نظر آنے لگیں۔ دوسری یہ کہ اس دعا کرنے میں کرتے چادر الٹائی جاتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ چادر کو کندھوں پر رکھ کر دائیں ہاتھ سے چادر کا بایاں پلو پکڑ کر کندھوں سے چادر کو پھیر دیں خواہ اوپر کی طرف سے پلو پکڑیں یا نیچے طرف سے۔ اگر اوپر کی طرف کے پلو پکڑیں گے تو اندر باہر آجائے گا۔ اور دایاں بائیں ہو جائے گا۔ اگر نیچے کی طرف کے پلو کو پکڑیں گے تو اوپر نیچے ہو جائیگا اور دایاں بائیں ہو جائیگا۔ اندر باہر نہیں ہوگا۔ اور اگر چاہیں تو نیچے کے دونوں پلو دایاں دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ سے پکڑ کر چادر کی اوپر کی طرف نیچے کر دیں اور اندر کو باہر۔

دعا بہت عاجزی سے مانگنی چاہیئے کیوں کہ حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں قحط سالی کے موقع پر ایک چیونٹی نے دعا کی بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی انسان تو خدا کے نزدیک بڑی عزت کا ہے۔ بشرطیکہ خدا کے سامنے اپنے گناہوں سے دل سے تائب ہو خالی زبان سے استغفار کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہود نے اپنے نبی کی معیت میں استسقاء کی دعا کی تو اللہ نے نبی کی طرف وحی کی کہ ان لوگوں کو کہہ دو

انہی ہاتھوں سے ظلم کئے ہیں ۔ اور یہی میرے سامنے پھیلاتے ہو ۔ مجھے تمہارے مانگنے سے رحم نہیں آتا بلکہ تم پر میرا غضب زیادہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح محرومی کی حالت میں لوٹ جاؤ ۔ خدا تعالےٰ ہمیں یہود کی طرح محروم نہ کرے ۔ آمین از تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۳۳ (حافظ) عبداللہ امرتسری

**سوال** : نماز استسقاء کی ترکیب عنایت فرمائیں ؟

**جواب** : چاہیئے کہ نماز استسقاء کے واسطے جماعت مسلمین کے ساتھ رئیس عیدگاہ میں برابر تین دن باہر نکلے اور پیدل جانا بہتر ہے ۔ پرانا اور مستعمل کپڑا پہن کر نکلنا چاہیئے اور عید کی طرح زینت اور آراستگی نہ کرے ۔ خشوع اور خضوع شرمندگی کے ساتھ عیدگاہ میں جاوے ۔ اور دو رکعت نماز نفل پڑھے ۔ اور قراۃ بلند آواز سے پڑھے اس کے بعد خطبہ پڑھے اور دعا کرے ۔ اور گناہوں سے بہت توبہ و استغفار کرے اور چاہیئے کہ امام اپنی چادر کا نیچے کا کنارہ اوپر کرے اور اوپر کا کنارہ نیچے کرے اور داہنی طرف کا کنارہ بائیں طرف کرے اور بائیں طرف کا کنارہ داہنی طرف کرے ۔ اور نہایت تضرع اور زاری کے ساتھ دعا کرے اور حدیث میں جو دعا آئی ہے وہ پڑھے اور دعا یہ ہے ۔ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا مَرِيئًا مَرِيعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ۔ یعنی اے پروردگار برسا تو ہمارے لئے بارش مفید خوشگوار تازگی کرنے والی نافع ہو مضر نہ ہو ۔ اور جلدی مرحمت فرما دیر نہ فرما ۔ اے پروردگار سیراب کر تو اپنے بندوں کو اور اپنے چارپایوں کو اور شائع کر تو اپنی رحمت اور آباد کر تو اپنا ملک جو غیر آباد ہو رہا ہے ۔ فتاوے عزیزی جلد اول ص ۴۲۳

## دعا استسقاء کا طریقہ

جو احادیث میں مذکور ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے بارش کی دعا کی جائے ۔ جیسا کہ خطبہ جمعہ کی حالت میں دعا کرنا ۔ کیونکہ خطبہ جمعہ کے ابتداء سے کر نماز کے ختم ہونے تک قبولیت دعا کا وقت ہے ۔ عاجزی اور انکساری کے ساتھ چھوٹے بڑے بچے اور مرد سب ہی باہر جنگل میں دو رکعت نماز ادا کریں ۔ خشوع اور خضوع کے ساتھ دعا کریں ۔

علی محمد سعیدی

# باب جامع الصلوٰۃ

**سوال** : حدیث امامہ بنت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا منسوخ ہے یا نہیں؟

**جواب** : نہیں۔ رد المحتار صفحہ ۴۸۳ میں ہے۔ قد ورد[1] فی الصحیحین وغیرھما عن ابی قتادۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا سجد وضعھا و قد اجیب عنہ باجوبۃ منھا ما ذکرہ الشارح انہ منسوخ بما ذکرہ من الحدیث وھو مردود بان حدیث ان فی الصلوٰۃ لشغلا کان قبل الھجرۃ وقصۃ امامۃ بعدھا ومنھا ما فی البدائع انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکرہ منہ ذلک لانہ کان محتاجا الیہ لعدم من یحفظھا او للتشریع بالفعل ان ھذا غیر مفسد و مثلہ ایضا فی زماننا لا یکرہ لواحد منا فعلہ عند الحاجۃ اما بدونھا فمکروہ وقد اطال المحقق ابن امیر الحاج فی الحلیۃ فی ھذا المحل ثم قال ان کونہ للتشریع بالفعل ھو الصواب الذی لا یعدل عنہ کما ذکرہ النووی فانہ ذکر بعضھم انہ بالفعل اقوی من القول فعفنہ ذلک لبیان جواز الخ اور تعلیق الممجد میں ہے۔ قال النووی ادعی بعض المالکیۃ انہ منسوخ وبعضھم انہ من الخصائص و بعضھم انہ لضرورۃ وکلھا دعاوی باطلۃ مردودۃ لا دلیل علیھا الخ فتاوےٰ غزنویہ صفحہ ۱۲

---

[1] تحقیق آیا ہے صحیحین وغیرہ میں ابوقتادہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے درآں حالیکہ گود میں اٹھائے ہوئے تھے امامہ بیٹی زینب کو یعنی اپنی نواسی کو پس جب سجدہ کرتے رکھ دیتے اس کو اور جب کھڑے ہوتے اٹھا لیتے اس کو۔ اور جواب اس کا کئی طرح پر دیا گیا ہے۔ ایک ان میں وہ ہے جس کو شارح نے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس حدیث سے کہ ذکر کیا اس کو اور یہ جواب مردود ہے۔ اس طرح پہ کہ حدیث ان فی الصلوٰۃ لشغلا قبل ہجرت کے تھی۔ اور قصہ امامہ کا بعد ہجرت کے ہے۔ اور دوسرا جواب وہ ہے۔ جو بدائع میں ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ کو اس کی طرف حاجت تھی۔ چوں کہ نہ تھا کوئی شخص کہ حفاظت کرتا امامہ کی یا واسطے دکھلانے مشروعیت اس فعل کی کہ یہ مفسد نماز نہیں ہے۔

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے یا نہیں اور حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: تارک الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں علماء کرام مختلف ہیں علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں ولا خلاف بین المسلمین فی کفر من ترک الصلوٰۃ منکراً لوجوبھا الا ان یکون قریب عھد بالاسلام اولم یخالط المسلمین مدۃ یبلغہ فیھا وجوب الصلوٰۃ وان کان ترکہ لھا تکاسلا مع اعتقادہ لوجوبھا کما ھو حال کثیر من الناس فقد اختلف الناس فی ذلک فذھبت العترۃ والجماھیر من السلف والخلف منھم مالک والشافعی الی انہ لا یکفر بل یفسق فان تاب والا قتلناہ حدا کالزانی المحصن ولکنہ یقتل بالسیف وذھب جماعۃ من السلف الی انہ یکفر وھو مروی عن علی بن ابی طالب علیہ السلام وھو احدی الروایتین عن احمد بن حنبل وبہ قال عبد اللہ بن المبارک واسحاق بن راھویہ وھو وجہ لبعض اصحاب الشافعی وذھب ابوحنیفۃ وجماعۃ من اھل الکوفۃ والمزنی صاحب الشافعی الا انہ لا یکفر ولا یقتل بل یعزر ویحبس حتی یصلی انتھی یعنی جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو کر نماز کو ترک کرے وہ بالاتفاق کافر ہے اس کے کفر میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں مگر ہاں جو شخص نو مسلم ہو یا مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اس کو جب تک نماز کے وجوب کی خبر نہ پہنچے تب تک وہ کافر نہیں ہو سکتا اور جو شخص نماز کے وجوب کا عقیدہ رکھ کر بہ سبب کاہلی اور غفلت کے نماز کو ترک کرے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا حال ہے سو ایسے تارک الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں لوگوں کا اختلاف ہے پس عترت اور امام مالک اور امام شافعی اور جماہیر سلف و خلف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے بلکہ فاسق

---

(بقیہ) اور مس اس کے ہمارے زمانہ میں بھی مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس کا وقت ضرورت کے لیکن بغیر حاجت کے پس مکروہ ہے۔ التو اُحد بتحقیق تقریر طویل کی ہے۔ محقق ابن امیر حاج نے حلیہ میں اس مقام میں بیجر کہا ہے کہ تحقیق تشریح کے لیے کرنا وہی صواب ہے۔ عدول یعنی نہ ماننا جائز نہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا اس کو نوویؒ نے پس تحقیق ذکر کیا ہے بعض لوگوں نے کہ فعل سے مشروع ہے مشروع ہونا قول کا ہے۔ قول سے۔ تو کرنا آپ کا اس فعل کو بیان جواز کے لیے تھا۔

نوویؒ نے کہا کہ دعوے کیا ہے بعض مالکیہ نے اس کا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور بعض اس کا کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ اور بعض نے اس کا کہ ضرورت سے تھا۔ حالانکہ یہ سب باطل اور مردود ہیں۔ کوئی دلیل اس پر نہیں۔ ۱۲

ہے وہ اگر توبہ کرے فبہا ورنہ اس کو قتل کرنا چاہیئے اور اس کی یہی حد ہے جیسا کہ زانی محصن کی حد قتل ہے مگر ایسے تارک الصلوٰۃ کو تلوار سے قتل کرنا چاہیئے اور سلف میں سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور یہی مذہب مروی ہے حضرت علی سے اور امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے اور عبداللہ بن مبارک اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض اصحاب شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ وہ قتل کیا جاوے گا۔ بلکہ اس کی تعزیر کی جائے گی۔ اور جب تک وہ نماز نہیں پڑھے گا تب تک وہ قید میں رکھا جاوے گا۔ اس کے بعد علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایسا تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور وہ قتل کیا جاویگا، اس کا کافر ہونا تو اس وجہ سے حق ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ شارع نے ایسے تارک الصلوٰۃ کو کافر کہا ہے۔ اور جو لوگ اس کے کافر ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ جس قدر معارضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک بھی ہم کو لازم نہیں آتا کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ کفر کی بعض قسمیں ایسی ہوں جو مغفرت و استحقاق شفاعت سے مانع ہوں نہ جیسا کہ اہل قبلہ کا کفر جو ایسے گناہوں کے جن کو شارع نے کفر کہا ہے پس اس بنا پر ان تاویلات کی کچھ حاجت نہیں ہے، جن میں لوگ پڑتے ہیں انتہی کلام الشوکانی مترجما۔ میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ علامہ ممدوح کی یہ تحقیق احق بالقبول ہے اس واسطے کہ اس تحقیق پر احادیث مختلفہ میں بلا کسی تاویل کے جمع و توفیق ہو جاتی ہے۔ مثلاً حدیث من[1] ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر اور حدیث العھد[2] الذی بیننا و بینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر اور حدیث بین[3] الرجل و بین الکفر ترک الصلوٰۃ رواہ الجماعۃ الا البخاری و النسائی اور حدیث کان[4] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ رواہ الترمذی سے صاف اور صریح معلوم ہوتا ہے۔ کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور آیۃ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک اور حدیث و من لم یات بھن فلیس لہ عند اللہ عھد ان شاء عذبہ و ان شاء غفر لہ رواہ احمد و ابو داؤد و مالک فی الموطا۔ اور حدیث من شھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ و ان عیسیٰ عبد اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ و الجنۃ حق و النار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل متفق علیہ۔ اور حدیث ما من عبد یشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ الا حرمہ اللہ علی النار قال (ای معاذ رضی اللہ عنہ) افلا اخبر بہا

---

[1] جو جان بوجھ کے نماز چھوڑ دے وہ کافر ہو گیا۔ [2] وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے۔ نماز کا ہے۔ جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔ [3] ... [4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

انا س الحدیث متفق علیہ۔ اور حدیث شفاعت فہی نائلۃ ان شاء اللہ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا رواہ مسلم وغیرہ وذلک من الاحادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کافر نہیں ہے بلکہ وہ مغفرت الٰہی وشفاعت نبوی ودخول جنت کا مستحق ہے۔ پس علامہ ممدوح کی تحقیق پر ان احادیث مختلفہ میں کسی کی تاویل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ تمام احادیث اپنے ظاہر معنی پر محمول ہیں کیوں کہ جن احادیث سے تارک الصلوٰۃ کا کفر ثابت ہوتا ہے۔ ان احادیث سے وہ بلاشبہ کافر ہیں۔ اور ان کو کافر کہنا روا ہے۔ مگر ہاں تارک الصلوٰۃ کا کفر ایسا نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہو جائے اور مغفرت وشفاعت ودخول جنت کا مستحق نہ ہے بلکہ تارک الصلوٰۃ کا کفر وہ کفر ہے جس کی وجہ سے نہ وہ ملت اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور نہ استحقاق مغفرت وشفاعت ودخول جنت سے محروم ہوتا ہے اور ہاں واضح رہے کہ ایسا کفر جو نہ مخرج از ملت اسلام ہو اور نہ مانع انا استحقاق مغفرت وشفاعت احادیث سے ثابت ہے۔ دیکھو حدیث متفق علیہ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ اور حدیث متفق علیہ لیس رجل ادعی لغیر ابیہ وہو یعلمہ الا کفر۔ اور حدیث مسلم اثنتان فی الناس ہما بہم کفر الطعن فی النسب والنیاحۃ علی المیت۔ اور حدیث صحیح ایما عبد ابق من موالیہ فقد کفر۔ اور حدیث صحیح من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بہا وغیر ذلک من الاحادیث۔ ان تمام احادیث میں کفر سے بالاتفاق اسی قسم کا کفر مراد ہے۔ قال الشوکانی الکفر انواع منہا ما لاینافی المغفرۃ لکفر اہل القبلۃ ببعض الذنوب التی سماہا الشارع کفرا وہو یدل علی عدم استحقاق کل تارک الصلوٰۃ للتخلید فی النار وقال بسبب یریحک فی مضیق التاویل توہم الملازمۃ بین الکفر وعدم المغفرۃ ولیست بکلیۃ وانتفاء کلیتہا یریحک من تاویل کثیر من الاحادیث وقال من سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافرا سمیناہ کافرا ولا نزید علی ہذا المقدار ولا نتاول لشئی منہا لعدم الملجئ الی ذلک واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری

عفا اللہ عنہ سید محمد نذیر حسین فتاوٰے نذیریہ جلد اول صـ ۴۳۶

**سوال**: جماعت ہو رہی ہے لیکن وقت ایک شخص کنوئیں میں گر پڑتا ہے یا کسی کے گھر آگ لگ جاتی ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور حادثہ ہو جائے تو کیا نمازی نماز توڑ کر اس کی امداد کریں یا نماز جاری رکھیں؟

**جواب**: کسی کے کنوئیں میں گرنے کی خبر آجائے یا اس قسم کا کوئی اور حادثہ ہو جائے تو نماز توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے سواری کے بھاگ جانے کے خطرہ سے نماز توڑ دی تھی۔ ملاحظہ فصل

طابع مشکوٰۃ۔ عبداللہ امرتسری روپڑ فتاوے اہلحدیث جلد دوم ص ۱۹۶

**سوال** : نماز میں کپڑا وغیرہ سنوارا جاسکتا ہے؟ کپڑے کو ادھر ادھر اور بچاؤ کرنا درست ہے یا نہیں؟

**جواب** : مراسیل ابوداؤد میں ہے۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأٰی رَجُلًا یَسْجُدُ اِلٰی جَنْبِہٖ وَقَدِ اعْتَمَّ عَلٰی جَبْھَتِہٖ فَحَسَرَ عَنْ جَبْھَتِہٖ (نیل الاوطار)
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا آپ کے پہلو میں سجدہ کرتا ہے اور ماتھے پر پگڑی باندھے ہوئے ہے اور سجدہ کرتے وقت پگڑی پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ ابن ابی شیبہ میں ہے۔۔ راٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلًا یَسْجُدُ عَلٰی کَوْرِ الْعِمَامَۃِ فَاَوْمَأَ بِیَدِہٖ اِرْفَعْ عِمَامَتَکَ یعنی ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اپنی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرتا ہے اس کی طرف اشارہ کیا اپنی پگڑی اوپر کرلے۔
منتقی میں ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ یَوْمٍ مَطِیْرٍ وَھُوَ یَتَّقِی الطِّیْنَ اِذَا سَجَدَ بِکِسَاءٍ عَلَیْہِ یَجْعَلُہٗ دُوْنَ یَدَیْہِ اِلَی الْاَرْضِ اِذَا سَجَدَ۔ رواہ احمد
یعنی حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بارش والے دن میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ سجدہ کرتے وقت کیچڑ سے بچتے تھے۔ آپ پر ایک کمبل تھا سجدہ کے وقت اس کو ہاتھوں کے نیچے کر دیتے تاکہ ہاتھوں کو کیچڑ نہ لگے۔ نیز منتقی باب المصلی یسجد علی ما یحملہ " میں ہے۔ عَنْ اَنَسٍ کُنَّا نُصَلِّیْ مَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ شِدَّۃِ الْحَرِّ فَاِذَا لَمْ یَسْتَطِعْ اَحَدُنَا اَنْ یُّمَکِّنَ جَبْھَتَہٗ مِنَ الْاَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَہٗ فَسَجَدَ عَلَیْہِ۔ رواہ الجماعۃ یعنی حضرت انسؓ کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گرمی میں نماز پڑھتے جب ہم میں سے کوئی اچھی طرح ماتھا زمین پر نہ رکھ سکتا تو زمین پر کپڑا بچھاتا اور اس پر سجدہ کرتا۔ نیز منتقی کے اسی باب میں ہے۔۔

عن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن قَالَ جَاءَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم فَصَلّٰی بِنَا فِیْ مَسْجِدِ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْھَلِ فَرَأَیْتُہٗ وَاضِعًا یَدَیْہِ فِیْ ثَوْبِہٖ اِذَا سَجَدَ رواہ احمد و ابن ماجۃ وقال علی ثوبہ۔ یعنی عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے مسجد بنی عبدالاشہل میں ہمیں نماز پڑھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ سجدہ کرتے وقت ہاتھ کپڑے پر رکھتے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی ثوب واحد یتقی بفضولہ حر الارض وبردھا وش، عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی کساء خالف بین طرفیہ فی یوم بارد یتقی بالکساء کھیئۃ الحاقن (عب، منتخب کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۱۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اس کے دامن کے ساتھ زمین کی گرمی اور اس کی سردی سے بچتے۔ نیز اسی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردی کے دن میں ایک کمبل میں اس کی دائیں طرف بائیں کندھے پر اور بائیں طرف دائیں کندھے پر ڈال کر نماز پڑھی۔ اس کمبل کے ساتھ کنکروں سے بچتے تھے جیسے کوئی چھڑ مارتا ہے۔ اس طرح کمبل کے دامن کو سجدہ جاتے وقت آگے کو مارتے تاکہ ماتھے اور ہاتھوں کے نیچے آجاتے۔

نیز منتخب کنز العمال میں ہے۔۔ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ثابت الصلت عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام یصلی فی بنی عبد الاشہل وعلیہ کساء ملتف بہ یضع یدہ علیہ یتقیہ برد الحصا۔ ابن خزیمہ وابو نعیم (جلد ۳ صفحہ ۱۱۳) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد الاشہل میں نماز پڑھی اور آپ کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ اپنے ہاتھ کو کنکروں کی سردی سے بچاتے تھے۔ یعنی کمبل پر ہاتھ رکھ کر سجدہ کرتے تھے۔

بخاری میں ہے۔۔ وضع ابو اسحق قلنسوتہ فی الصلوٰۃ ورفعھا۔ یعنی ابو اسحاق نے نماز میں اپنی ٹوپی رکھی اور اٹھائی۔ ان سب روایتوں سے ثابت ہے کہ نماز میں کپڑا وغیرہ سنوارنا ضرورت کے لئے جائز ہے۔ (مولانا) عبد اللہ امرتسری فتاوےٰ اہلحدیث صفحہ ۱۹۷

---

**سوال** ؛ زید کہتا ہے کہ جماعت میں بار بار پاؤں کو جوڑنا منع ہے۔ عمرو کہتا ہے بار بار پاؤں جوڑنے میں نقص نماز نہیں بلکہ نمازوں کو کامل کرنا ہے۔ اگر کوئی حدیث اس بارہ میں ہے مطلع فرمائیں۔

**جواب** ؛ بار بار ملانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ قیام میں نہیں ملائے جاتے رکوع میں ملاتے جاتے ہیں۔ پھر سجدہ سے اپنی جگہ سے ہٹائے جاتے ہیں پھر اُٹھ کر ملائے جاتے ہیں جیسے جاہلوں کی عادت ہے ایسا جدا کرنا اور ملانا تو ٹھیک نہیں کیوں کہ نماز میں بلا وجہ پاؤں کو ادھر اُدھر کرنا نا جائز ہے۔ بلکہ تمام نماز میں پاؤں ایک جگہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ نماز میں فضول حرکت نہ ہو۔ ہاں اگر اتفاقیہ پاؤں اِدھر اُدھر

ہو جاتے یا درمیان صف سے کوئی شخص نکل جائے تو ایسی صورت میں ملانا ضروری ہے اس کے لئے عام حدیث آئی ہے جو صف کو ملائے خدا اس کو ملائے گا۔ (مشکوٰۃ تسویۃ الصف فصل ۲)
اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے پاؤں کو ہٹاتا جائے اور دوسرا پاؤں کو پھیلاتا ہوا اس کے نزدیک کرتا چلا جائے یہ بھی ٹھیک نہیں کیوں کہ نمازی کو حکم ہے کہ دوسرے نمازی کے کندھے سے اپنا کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملائے۔ پس اس کو چاہیے کہ اپنا پاؤں اپنے کندھے کی سیدھ میں رکھے تاکہ دوسرے کے کندھے اور پاؤں سے مل سکے۔ اب جو شخص اپنا پاؤں اپنے کندھے کی سیدھ میں رکھے کر لیتا ہے۔ وہ حد کو توڑتا ہے۔ پس دوسرا اپنی حد کو توڑ کر اس حکم کا خلاف کیوں کرتا ہے۔ کہ خواہ مخواہ اپنا پاؤں اس کے نیچے کرتا جاتا ہے۔ اور اپنی نماز میں بھی خلل ڈالتا ہے۔ ملانا صرف اسی حد تک ہے۔ جو شرع نے اس کے لئے مقرر کی ہے۔ نہ کہ دوسرے کے نیچے داخل ہو جائے۔ اور بعض جاہل پاؤں خوب چوڑے کرتے رہتے ہیں۔ اور کندھوں کا خیال ہی نہیں کرتے۔ کندھوں کے انداز سے پاؤں بالکل چوڑے نہ کرنے چاہئیں تاکہ پاؤں اور کندھے دونوں مل سکیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی فتاوٰے اہلحدیث ص۱۹۹

---

**سوال:** ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اسی حال میں گاڑی آگئی جس پر اس نے سوار ہونا ہے کیا وہ شخص نماز چھوڑ سکتا ہے۔ اور وہ دوبارہ پوری نماز پڑھے یا جتنی باقی رہ گئی تھی اتنی ہی پڑھے؟

**جواب:** ہاں نماز چھوڑ سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اکیلا فرض پڑھ رہا ہو اور جماعت کے لئے اقامت ہو جائے تو فرض چھوڑ کر نماز میں شامل ہونے کا حکم ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اکیلے کی نماز سے جماعت کی نماز افضل ہے۔ ایسے ہی گاڑی آنے کے وقت جو نماز پڑھے گا وہ بے قراری اور بے چینی کی نماز ہوگی اور جو گاڑی پر سوار ہونے کے بعد پڑھے گا۔ وہ تسلی اور اطمینان کی نماز ہوگی جو افضل ہے۔ اس بنا پر نماز توڑ کر گاڑی پر سوار ہونے کے بعد تسلی اور اطمینان سے نماز پڑھے۔ پہلی نماز پر بنا کرنا ثابت نہیں۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری (فتاوٰی علمائے حدیث ص۲)

---

**سوال:** نماز جوتے کے ساتھ مسجد میں افضل ہے یا بغیر جوتے کے؟

**جواب:** مشکوٰۃ باب الستر فصل دوم میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالہم ولا خفافہم یعنی یہود کی مخالفت کرو کیوں کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جوتوں میں نماز ضروری ہے۔ کیوں کہ بصیغہ امر فرمایا ہے کہ یہود کی مخالفت کرو۔ نیز مشکوٰۃ میں ہے:۔

اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلَا یَضَعْ نَعْلَیْہِ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَلَا عَنْ یَّسَارِہٖ فَتَکُوْنَ عَنْ یَّمِیْنِ غَیْرِہٖ اِلَّا اَنْ لَّا یَکُوْنَ عَلٰی یَسَارِہٖ اَحَدٌ وَلْیَضَعْھُمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَوْ لِیُصَلِّ فِیْھِمَا۔

یعنی جب کوئی تمہارا نماز پڑھے تو جوتا دائیں جانب رکھے اور نہ بائیں جانب رکھے کیوں کہ دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا۔ مگر یہ کہ بائیں جانب دوسرا نہ ہو تو پھر اس جانب رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے۔ یا جوتہ میں نماز پڑھ لے۔

پہلی حدیث سے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ جوتا میں نماز ضروری ہے کیوں کہ بصیغہ امر یہود کی مخالفت کا امر فرمایا ہے۔ مگر دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ امر جواز اور اباحت کا لئے ہے۔ کیوں کہ اس میں ننگے پاؤں اور جوتہ سمیت پڑھنے میں اختیار دے دیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان دونوں میں کسی کو ترجیح ہے یا نہیں اور کیا یہ دونوں برابر ہیں یا ان سے کوئی افضل بھی ہے۔

میری تحقیق جہاں تک ہے وہ یہی ہے کہ بغیر جوتا کے نماز افضل ہے اور اسی کو ترجیح ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جوتے کے ساتھ نماز کے سنن آداب پوری طرح ادا نہیں ہوتے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا عام طریق یہ ہے کہ سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُخ ہوتیں اور پہلے التحیات میں ایک پاؤں کھڑا کرتے جس کی انگلیاں قبلہ رُخ ہوتیں اور دوسرا پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دوسرے التحیات میں دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بیٹھتے اور ظاہر ہے کہ جوتے کے ساتھ یہ سب باتیں مشکل ہیں اس لئے بغیر جوتا کے نماز افضل اور بہتر ہے۔ اس کے علاوہ مساجد کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر میری امت کے اعمال کا ثواب پیش کیا گیا ہے۔ میں ایک تنکے کا ثواب بھی تھا جس کو کوئی شخص مسجد سے نکالے۔ ظاہر ہے کہ جوتے کے ساتھ پوری صفائی نہیں خاص کر جب صف پر چٹائی پر نماز پڑھی جائے۔ تو پھر جوتہ سمیت صفائی کہاں رہ سکتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بغیر جوتے کے نماز افضل ہے۔ ہاں جوتے کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو بُرا نہیں جاننا چاہیئے۔ مگر جوتہ سمیت نماز پڑھنے والوں کو بھی چاہیئے کہ صفوں چٹائیوں کو خراب نہ کریں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے صفوں چٹائیوں پر جوتا سمیت نماز ثابت نہیں نہ سلفؒ سے ثابت ہے۔
(مولانا) عبداللہ روپڑی فتاویٰ اہلحدیث ص۳۰

---

**سوال** :۔ از روئے فقہ حنفی مسجد میں کتبے وغیرہ سامنے دیوار پر آویزاں کرنے جائز ہیں یا نہیں جبکہ وہ مخل ہوں اور کسی قبر یا مزار کی تصویر لٹکانا شرعاً کیسا ہے؟

**جواب** : فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ نمازی کے سامنے کوئی شخص بیٹھا ہو اس کا منہ نمازی کی طرف نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ نماز میں خلل واقع ہوتا ہو۔ پس یہی اس بات کی دلیل ہے کہ نمازی کے سامنے کوئی تصویر یا کوئی ایسی شے نہیں ہونی چاہیئے جو نماز میں خلل کا باعث ہو۔ عبداللہ امرتسری روپڑی فتاویٰ اہلحدیث ص۲۳۳

---

**سوال** : ایک شخص ضعیف العمر سن استی کا رکھتا ہے۔ اُس کے دونوں زانوؤں میں درد اعصاب کا تشنج رہتا ہے۔ رکوع اور تشہد کی حالت میں تشنج اور درد شدید ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے رکوع و سجدہ کی تسبیحیں پڑھنی مشکل ہوتا ہیں بنابریں اس کو پورے طور سے تشفی و تسلی نہیں ہوتی۔ فقط صبح کی نماز جوں توں ادا کر لیتا ہے۔ باقی چار وقت کی نمازیں ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ایسا شخص ایک وقت کی نماز پر اکتفا کر سکتا ہے۔ یا باقی نمازیں بھی ادا کرنے پر مجبور ہے۔ ایسا شخص فوت کردہ نمازیں قضا کرے یا نہ اور روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے ایک شخص کو سحر کرا دیتا ہے۔

**جواب** : بوڑھا آدمی جب تک سن خرافت کو نہ پہنچ جائے اُس کے ہوش و حواس زائل نہ ہو جائیں تمام شرعی احکام کا بدستور مکلف اور پابند رہتا ہے اور ایک نماز بھی اُس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی، البتہ نماز ادا کرنے کی کیفیت میں آسانی اور سہولت ہو جاتی ہے۔ اس اسّی سالہ ضعیف العمر بیمار شخص کو اگر حسب دستور رکوع اور سجدہ کرنے اور ہر طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے تو دائیں پہلو پر لیٹ کر قبلہ رُو ہو کر پنجگانہ فرائض ادا کرے۔ رکوع سجود سر کے اشارے سے ادا کرنا کافی ہوگا۔ ایسے معذور اور بیمار کے لئے شرعاً حکم یہی ہے۔ تکلیف اور مشقت برداشت کر کے کھڑے ہو کر حسب دستور کسی ایک نماز کے ادا کرنے سے بقیہ نمازیں معاف نہیں ہونگی۔ فوت کردہ نمازیں بھی لیٹ کر قضا کر لے۔ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتا ہے تو مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے۔ محدث دہلی جلد ۸ نمبر ۱۱

**سوال** : تارک صلوٰۃ کے لیے جو لفظ شرک اور کفر کا حدیث میں آیا ہے، تہدیداً ہے یا وہی ظاہری معنی مراد ہیں؟

**الجواب** : جاننا چاہیے کہ تارک صلوٰۃ دو قسم ہیں ایک تارک منکر وجوب و فرضیت نماز، دوسرا بطریق کاہلی و سستی، پس قسم اول تو خارج ملت اسلام ہی ہے۔ اور واجب القتل ہے اگر توبہ نہ کرے تو کافر حقیقی ہے، اما قسم ثانی اس پر اطلاق صرف اسم کفر از روئے حدیث ثابت ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے اسی طرح باب باندھا ہے۔ باب[1] بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلوٰۃ .عن جابر رضی اللہ عنہ یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان بین الرجل وبین الشرك والکفر ترك الصلوٰۃ فمن ترکہا فقد کفر رواہ مسلم وعن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العہد الذی بیننا وبینہم الصلوٰۃ فمن ترکہا فقد کفر رواہ الترمذی .لیکن یہ کفر کفر حقیقی نہیں، بلکہ کفران عمل ہی معدود ہے۔ کیونکہ بہت آیات و احادیث صریحہ صحیحہ صارفہ معنی حقیقی سے وارد ہیں۔ قال[2] الامام البخاری رحمۃ اللہ علیہ باب المعاصی من امر الجاهلیۃ ولا یکفر صاحبہا بارتکابہا الا بالشرك لقول اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرك بہ ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فسماہم المومنین انتہی وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقتال المسلم کفر وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل والجہاد ماض رواہ ابوداؤد وعن جابر قال قال رسول اللہ ثنتان موجبتان قال رجل یا رسول اللہ ما الموجبتان قال من مات یشرك باللہ شیئا دخل النار ومن مات لا یشرك باللہ شیئا دخل الجنۃ رواہ مسلم۔ وعن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وهو یعلم انہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ رواہ مسلم۔

---

[1] جو آدمی نماز چھوڑ دے اس پر لفظ ''کافر'' کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان حد فاصل نماز کا چھوڑنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے نماز کا ہے۔ جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔ [2] امام بخاریؒ نے کہا: ان جاہلیت کے گناہوں کا باب جن کا مرتکب کافر نہیں ہوتا، ماسوائے شرک کرنے کے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا۔ اور جو گناہ ان کے سوا ہیں، وہ جسے چاہے بخش دے۔ اگر ایمانداروں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ تو ان دونوں کو مومن قرار دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔ آپ نے فرمایا تین باتیں ایمان کا اصل ہیں۔ جو لا الہ الا اللہ کہے۔ اس سے رک جانا، اس کو کافر نہ کہنا کسی عمل کی وجہ سے کافر قرار نہ دینا اور جہاد جاری ہے۔ آپ نے فرمایا دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں۔ کسی نے پوچھا واجب کرنے والی کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا جو اللہ کے ساتھ شرک

وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ یا ابن آدم ما دعوتنی ورجوتنی غفرت لک علی ما کان منک ولا ابالی یا ابن آدم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرت لک ولا ابالی یا ابن آدم انک لو لقیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابھا مغفرۃ رواہ الترمذی وحسنہ پس جمہور محققین بسبب ان آیات واحادیث موجبات رحمت کے حدیث فمن ترکھا فقد کفر کو محمول بر کفر حقیقی نہیں کرتے اور یہی ہے مختار ائمہ ثلاثہ وجماہیر سلف کا قال الامام النووی اما تارک الصلوٰۃ فان کان منکرا لوجوبھا فھو کافر باجماع المسلمین خارج من ملۃ الاسلام الا ان یکون قریب العھد بالاسلام وان کان ترکہ تکاسلا مع اعتقاد وجوبھا کما ھو حال کثیر الناس فقد اختلف العلماء فیہ فذھب مالک والشافعی وابو حنیفۃ وجماھیر من السلف والخلف الی انہ لا یکفر بل یفسق ویستتاب انتہی

علاوہ ازیں بنا بر مذہب سلف صالحین وائمہ متکلمین اعمال شرط کمال ایمان بالنظر الی الشرع ہیں نہ شرط صحت ایمان جیسا کہ مذہب معتزلہ کا ہے۔ قال الحافظ ابن حجر فی الفتح المعتزلۃ قالوا ھو العمل والنطق والاعتقاد والفارق بین المعتزلۃ وبین السلف انھم جعلوا الاعمال شرطا فی صحتہ والسلف جعلوھا شرطا فی کمالہ وھذا کلہ بالنظر الی ما عند اللہ تعالیٰ پس بنا بر مذہب سلف تارک عمل مثل نماز خارج نفس ایمان سے نہ ہوگا۔ غایت ما فی الباب کاملیت سے خارج ہوگا۔ اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوا خلف کل بر وفاجر وان عمل الکبائر رواہ ابو داؤد۔ ہاں فی زماننا حسب مصلحت وقت تہدیداً تارک صلوٰۃ کو مطلق کافر کہنا جائز ہے نہ یہ کہ ! مثل کفار غسل وتجہیز وتکفین ونماز جنازہ سے محروم کیا جائے۔ غایۃ الامر بخیال موعظت عوام امام محلہ وصلحاء لوگ اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب　(فتاویٰ نذیریہ جلد ا صفحہ ۵۹)

---

کرے گا۔ وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور جو شرک نہیں کرے گا۔ جنت میں داخل ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ جانتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آپ نے فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے آدم کے بیٹے جب تک تو مجھ کو پکارتا رہے گا اور امید رکھے گا۔ میں تجھے بخشتا جاؤں گا خواہ تیرے عمل کیسے ہوں مجھے اس بات کی پرواہ نہیں اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں۔ پھر تو مجھ سے بخشش مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ اے ابن آدم مجھے اس بات کی پرواہ نہیں اگر تو گناہوں سے بھری ہوئی زمین لے کر آئے اور تو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا۔ لے امام نووی نے کہا اگر کوئی نماز کے وجوب کا منکر ہو تو وہ باتفاق مسلمین (بقیہ)

**سوال**: تارک صلوٰۃ کے بارے میں جناب میاں صاحب مدظلہ کا کیا فتویٰ ہے۔ اور من ترك الصلوٰة متعمداً فقد کفر کے کیا معنی ہیں۔ اور نیز فتویٰ بے نمازی کے جنازہ کے بارہ میں کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: تارک صلوٰۃ کے بارے میں حضرت میاں صاحب مدظلہم کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ فاسق ہے کافر نہیں ہے۔ اور حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر میں کفر سے مراد کفران نعمت ہے۔ اور کفر جو ایمان کا مقابل ہے وہ مراد نہیں، اور بے نمازی کے جنازہ کے بارے میں حضرت ممدوح کا فتویٰ ہے کہ ایسے شخص کا جنازہ جو مقتدار ہیں وہ نہ پڑھیں بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوا دیں۔ حررہ السید ابوالحسن عفا اللہ عنہ    سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۲۹

**سوال**: عمرو کہتا ہے کہ بے نمازی کے یہاں کا کھانا پانی اور اس کے ساتھ کھانا اور مصاحبت جائز و درست نہیں، تاوقتیکہ نمازی نہ ہو جاوے، خالد اور اس کے تابعین کہتے ہیں، کہ بے نمازی بھی مخلوق خدا ہے، سب کے یہاں کا کھانا پانی اور سب کے ساتھ کھانا پینا درست و جائز ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عمرو اور خالد کی باتوں میں سے کس کی بات صحیح اور کس کی غلط؟ بینوا توجروا۔

**الجواب**: بے نمازی کے یہاں کا کھانا اور پانی حرام نہیں ہے۔ مگر چونکہ بے نمازی اسلام کے ایک رکن اعظم یعنی نماز کا تارک ہے جو کفر اور ایمان کے درمیان میں مابہ الفرق ہے۔ اور اسی ترک نماز کی وجہ سے بے نمازی بہت سے علماء کے نزدیک کافر ہیں۔ اور بعض احادیث سے بھی اس کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے نہایت درجہ کے فاسق ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی دعوت قبول کرنا اور اس کے یہاں کھانا نہیں چاہیے

(بقیہ حد) کافر ہے۔ ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔ مگر یہ کہ وہ ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہو۔ اور اگر اس کو سستی کی بنا پر چھوڑے اور اس کے وجوب کا قائل ہو جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے۔ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور جمہور کے نزدیک وہ کافر نہیں ہے۔ بلکہ فاسق ہے۔ اس سے توبہ کرائی جائے۔

؎ حافظ ابن حجر نے کہا ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ ایمان اصل شہادت اور اعتقاد کا نام ہے۔ اور معتزلہ اور سلف کے درمیان فرق یہ ہے کہ معتزلہ عمل کو ایمان کی صحت کے لئے شرط قرار دیتے ہیں۔ اور سلف اعمال کو ایمان کے کمال کی شرط قرار دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے معاملے کے نظریہ سے ہے۔ ؎ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اگرچہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔

؎ جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا۔ وہ کفر تک پہنچ گیا۔

مشکوٰۃ شریف میں عمران بن حصین سے روایت ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کی دعوت قبول کرنے اور ان کے یہاں کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے اور بے نمازی سے ملنے جلنے اور اس کے ساتھ مصاحبت رکھنے کی بات یوں ہے کہ اس کے سمجھانے اور نصیحت کرنے کی غرض سے اس سے مصاحبت و مخالطت جائز ہے، پس اگر وہ سمجھ گیا اور اللہ تعالےٰ نے اسے ہدایت دی اور نماز پڑھنے لگا فبہا اور اگر باوجود سمجھانے اور نصیحت کرنے کے بھی نماز نہیں پڑھتا، تو اب اس کی مصاحبت و مخالطت سے احتراز چاہیے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسوھم فی مجالسھم وا کلوھم وشاربوھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علی لسان داؤد وعیسی بن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون الحدیث رواہ الترمذی وابوداؤد یعنی عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں پڑے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا، سو وہ باز نہ آئے پھر ان کے علماء نے ان کے ساتھ مجالست و مصاحبت کی اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے تو اللہ تعالےٰ نے ان کے بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ ملا دیا اور داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کو لعنت کی۔ اور یہ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔ واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہٗ اتم

حررہ سید محمد نذیر حسین　　　(فتاوےٰ نذیریہ جلد اول ص۴۵۱)

---

**سوال** :پنج گانہ نمازوں سے کسی نماز کی اذان ہوئی، اذان سن کر ایک شخص پاخانہ چلا گیا، اس کے آنے سے پہلے جماعت ہوچکی ہے، اگر وہ شخص دوبارہ جماعت کرلے تو جائز ہے یا نہیں؟

**جواب** :حوائج ضروریہ مثل بول و براز وغیرہما کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس اثنا میں اگر جماعت اولیٰ فوت ہوگئی، تو پھر جماعت سے پڑھنا بے شبہ جائز ہے، کیوں کہ جماعت ثانیہ کا جواز حدیث سے ثابت ہے اور اکیلے پڑھنے سے جماعت میں زیادہ ثواب و فضیلت ہے، عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الجماعۃ تعدل خمسا وعشرین من صلوٰۃ الفذ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو محمد عبدالعزیز الملتانی غفرلہ اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیھما والیہ۔ الجواب صحیح والرای نجیح سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبدالسلام غفرلہ　　سید محمد ابوالحسن　　ابوسعید محمد حسین ۱۳۰۹ھ　　فتاویٰ نذیریہ جلد اول

**سوال**: بعد نماز صبح اور بعد نماز جمعہ کے مصافحہ کرنا کیسا ہے اور اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

**جواب**: مصافحہ ہر سلام کے بعد سنت ہے مگر ان اوقات کی خصوصیت کرنا بدعت ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴۹

---

**سوال**: رواج ہے کہ لوگ نفل نماز ہمیشہ بیٹھ کر پڑھا کرتے ہیں تو کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز نفل بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے؟ اگر نہیں تو دستور کر لینا اور ہمیشہ بیٹھ کر ہی پڑھنا بدعت ہے یا نہیں؟

**جواب**: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں مگر قانون یہ فرمایا کہ بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب کھڑا ہونے کی نسبت نصف ہے۔　فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴۹

---

**سوال**: اللہ تعالیٰ نے بندوں پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہیں اس میں کوئی نماز دو رکعت اور کوئی تین رکعت اور کوئی چار رکعت، ایسی کم و بیش کیوں ہوئیں؟ اور فجر کی نماز صبح صادق میں، اس کے بعد آدھا دن گزرنے پر ظہر کی نماز، اس کے بعد تین گھنٹے کے عصر کی نماز پھر مغرب پھر عشا۔ اب عقل چاہتی ہے کہ دن اور رات کے پانچ حصے کر کے ہر ہر حصے پر ایک ایک نماز پڑھی جائے اس کی کیا وجہ ہے؟ اور بعض علما کہتے ہیں کہ یہ پانچ نمازیں اگلے زمانہ کے کئی پیغمبروں پر ایک وقت کر کے فرض کی گئی تھی۔ اگر یہ صحیح ہو تو مع ان پیغمبروں کے نام کے کونسی نماز کس پر فرض تھی۔ تحریر فرمادیں۔

**جواب**: صبح کی دو رکعت فرض ہیں تو وقت کے لحاظ سے کیفیت میں وہ بھی چار سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں، مغرب کے وقت بوجہ مشغولی ایک رکعت کم کر دی ہے۔ لوگ صبح اٹھ کر کچھ وقت ضروریات میں لگے رہتے ہیں اس لئے آج کل کے حساب سے تقریباً دس بجے تک کا وقت کاٹ کر باقی اوقات نمازوں کے پورے پورے ہیں، حساب لگا کر دیکھ لیں، پہلے پیغمبروں پر مختلف اوقات میں نماز فرض تھی۔ ایک ہی وقت میں نہ تھی جس کا ثبوت آج کل یہودیوں کے عمل سے ملتا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴۹)

---

**سوال**: دن اور رات میں تین وقت یعنی وقت طلوع آفتاب اور وقت غروب آفتاب اور ٹھیک دوپہر

میں سجدہ وصلوٰۃ کرنی کیوں منع اور حرام ہوا اور حدیث شریف میں کا نما تطلع بین قرنی الشیطان۔ اس کی تشریح کیا ہے؟

**جواب:** صحیح بات یہ ہے کہ ان اوقات میں سجدہ کرنے کی قباحت پیغمبر علیہ السلام کو روحانی طور پر معلوم ہوئی ہے جو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی نہ بیان کی جاتی ہے نہ سمجھ میں آتی ہے۔ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ۔

فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۴۴۸

---

**سوال:** سویا ہوا آدمی اس وقت جاگے جس وقت آفتاب طلوع یا غروب ہو رہا ہو تو ایسے شخص کو اسی وقت نماز پڑھنی ہوگی یا تھوڑی دیر رک کے تاکہ آفتاب پورا طلوع یا غروب ہو جائے؟

**جواب:** حدیث شریف میں آیا ہے۔ نیند میں قصور نہیں مسلمان اگر نیند میں بے اختیار پڑا رہے تو جس وقت جاگے وہی اس کا وقت ہے۔ اس کے بعد علماء دو گروہ میں ہو گئے ہیں ایک گروہ تو یہی کہتا ہے کہ جب جاگے پڑھ لے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے اوقات مکروہ میں نہ پڑھے بلکہ ذرا اوپر کے بعد جائز اوقات میں پڑھے۔ ان دونوں خیالوں میں سے جو خیال کسی کو پسند ہو اختیار کرے۔ اللہ اعلم　فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۴۵۱

---

**سوال:** مقلد کی نماز غیر مقلد کے پیچھے جائز ہے؟ جواب میں علمائے دیوبند کا فتوے پیش ہو؟

**جواب:** جائز ہے حدیث شریف میں ہے۔ صلوا خلف کل بر وفاجر (شرح فقہ اکبر) دیوبند سے ایک زمانہ میں دو اخبار نکلتے تھے "انصار" اور "مہاجر" انصار مدرسہ کا آرگن تھا اس میں مرقوم تھا۔ "فرقہ اہل سنت والجماعت ہندوستان میں اعتقاد اور اعمال کے لحاظ سے کتاب وسنت پر عمل کرنے والے دو گروہ ہیں مقلد اور غیر مقلد۔ (انصار ۲ نومبر ۱۹۲۷ء ص۷) اس میں اتنا ہی اقرار ہے کہ غیر مقلد اہل سنت ہیں دوسرے اخبار مہاجر میں یوں مرقوم ہے "نماز مقلدین کی غیر مقلدین کے پیچھے اور غیر مقلدین کی مقلدین کے پیچھے صحیح ہے۔ (کتبہ عزیز الرحمن مفتی دیوبند) مہاجر ۲۴ جون ۱۹۲۸ء ص۵ اس سب سے پہلے مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم کا فتوے جواز کا ہے۔ (فتاوے رشیدیہ) ۸ فروری ۱۹۳۱ء　فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۴۹۴

---

**سوال:** بے نمازی مسلمان ہے یا کافر اور جنازہ پڑھنا اور اس کی لاش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیئے یا نہیں؟

**جواب**۔ تارک الصلوٰۃ کے حق میں علماء کا اختلاف ہے بہت سے علماء جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور حافظ ابن قیم وغیرہ ہیں، تارک الصلوٰۃ کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دیتے ہیں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں۔ ان کے سوا اور بہت سے علماء جن میں امام ابو حنیفہ اور ان کے ہم خیال علماء ہیں۔ تارک الصلوٰۃ کو فاسق، فاجر سخت مجرم قرار دیتے ہیں لیکن کافر و مرتد نہیں کہتے ہیں۔ حدیث شریف جو تارک الصلوٰۃ کے حق میں آئی ہے۔ "فقد کفر" (یعنی وہ کافر ہے) پہلے گروہ کی دلیل ہے دوسرے گروہ کی دلیلیں اور ہیں۔ خاکسار کی تحقیق پہلے گروہ سے متفق ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۱۵)

---

**سوال** حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمانوں کو غیر رمضان میں ایک رکعت نماز پڑھنے کا ثواب رمضان المبارک میں ستر رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے تو زید تارک صلوٰۃ ہے۔ اور دنوں میں کبھی بھول کر بھی ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتا۔ البتہ ماہِ رمضان المبارک میں ایک ماہ نماز پنجگانہ با جماعت معہ تراویح کے پڑھتا ہے جواب طلب یہ ہے کہ زید بھی مذکورہ بالا حدیث کی روایت کے مطابق ستر گناہ ثواب کا حقدار ہوگا یا نہیں؟

**جواب**، تارک نماز جب تک توبہ کر کے پابند نماز نہ ہو جائے۔ رمضان شریف کے ثواب موعودہ کا حقدار نہیں۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹

---

**سوال**، مسلمان تین طریق سے نماز پڑھتے ہیں اول بطریق اہل حدیث یا شافعی یا حنبلی، دوم بطریق حنفی، سوم بطریق مالکی یا شیعی ارسال ید سے کیا تینوں طریق پر نماز ہو جائے گی؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کونسا ہے؟ اختلاف کب سے شروع ہوا؟ بانی کون تھا؟ خصوصاً طریقہ حنفیہ کا بلا رفعیدین و آمین بالجہر۔ افسوس جمع احادیث سے اتنا فائدہ بھی نہ ہوا کہ نماز بطریق صحیح بلا اختلاف معلوم ہو جاتی! (قاسم علی لدھیانوی)

**جواب**: حدیث شریف میں ہے صلوا کما رایتمونی اصلی (میری طرح نماز پڑھو) اس حدیث کے موافق جو فرقہ مطابق سنت صحیحہ کے پڑھے گا اس کی صحیح ہوگی۔ سنت صحیح کیا ہے؟ اس کی تحقیق آسان ہے کتب حدیث باب صفۃ الصلوٰۃ سامنے رکھ کر دیکھ لیں۔ جس کی نماز اس باب کے مطابق ہوگی وہ صحیح ہوگی۔ اختلاف صحابہ کرام کے ملکوں میں انتشار ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ حنفی طریقہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر مبنی ہے۔ جس میں رفعیدین وغیرہ کا ذکر نہیں، حنفی عدم ذکر سے عدم شے سمجھتے ہیں۔ اہل حدیث وغیرہ عدم ذکر سے

عدم سنتے نہیں سمجھتے یہ نتیجہ فہم کا ہے۔ اس معمولی اختلاف سے آپ جمع احادیث پر افسوس کرتے ہیں تو اہل قرآن کے اختلاف پر کیا کہیں گے جو آج باوجود قرآن موجود ہونے کے اشد اختلاف میں پھنسے ہوئے ہیں ایک فریق پانچ پڑھتا ہے۔ تو دوسرا تین ایک فریق دو رکعتیں پڑھتا ہے۔ تو دوسرا ایک، ایک فریق دو سجدے کرتا ہے۔ تو دوسرا ایک۔ اسی طرح اشد ترین اختلافات ان اہل قرآن میں ہیں۔ جو قرآن مجید کو یکجا جمع پاتے ہیں اور دعوےٰ کرتے ہیں، کہ قرآن مفصل اور مبین ہے۔ اصل یہ اختلاف کہ اختلاف فہم بھی ایک حد تک موجب اختلاف عمل ہوتا ہے۔ جو اپنی حد پر سے ہے تو قابل عمل ہے۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۱۳۳)

---

**سوال:** نماز پنجگانہ کا حکم قرآن میں کہاں ہے؟

**جواب:** اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اس آیت سے پنجگانہ نمازوں کا ثبوت علماء دیا کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ ہے زوال سورج کے وقت نماز پڑھ رات کے اندھیرے تک یعنی عشا تک چار نمازیں ہوئی، قرآن الفجر سے مراد صبح کی نماز ہے۔ تفصیل حدیثوں میں آئی ہے۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

---

**سوال:** کوئی شخص فرض نماز ادا کرے اور سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ترک کر دے تو خدا کے پاس اس ترک سنت کا کیا مواخذہ ہوگا؟

**جواب:** سنتوں کی وضع رفع درجات کے لئے ہے۔ ترک سنن سے رفع درجات میں کمی رہتی ہے مواخذہ نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ (مولانا) ثناء اللہ امرتسری

**شرفیہ:** ترک سنن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ گاہے بگاہے ترک ہو جائیں دوسری صورت یہ کہ ہمیشہ ترک ہو جائیں اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ انکار سے ہے تو وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم من رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیه مشکوٰۃ صفحہ ۲۷ ج ۱۔ دوسری حدیث میں ہے ستة لعنتهم ولعنهم الله وكل نبي يجاب الى قوله والتارك لسنتي مشکوٰۃ صفحہ ۲۲ ج ۱۔ دوسری صورت یہ کہ دوامی ترک بسبب تساہل ہو یہ آیت شریفہ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني (پ ۳ ع ۱) کے خلاف ہے نیز دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابی هریرة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان اول ما یحاسب العبد یوم القیامة من عمله صلاته فان صلحت فقد افلح وانجح فان فسدت فقد خاب

وخسر فان انتقص من فريضته شئ قال الرب تبارك وتعالى انظروا هل لعبدى من تطوع فيكمل بها من الفريضة ثم يكون سائر عمله على ذالك الى آخره رواه ابوداؤد وسكت عليه هو والمنذرى ورواه ايضاً ابوداؤد من رواية تميم الدارى رواه باسناد صحيح وفى الباب عن انس عند الطبرانى فى الاوسط والضياء فى المختارة قال فى السراج حديث صحيح قاله شيخ كذا فى تنقيح الرواية فى تخريج احاديث المشكوٰة ج ۱ ص ۲۳۸ اور ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ہوں گے جن کے فرائض میں کسی قسم کی کمی نہ ہو لہٰذا ترک سنن دوامی طور پر یا اکثری ہو سبب باعث خسران ہے۔ اعاذنا اللہ منہ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۲۷

سوال: کمبل بچھا کر اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر کمبل پاک ہو تو اس پر نماز پڑھنے سے کوئی حرج نہیں، ناپاک یا مشتبہ ہو تو کوئی کپڑا بچھا کر اس پر نماز جائز نہیں۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ ش ۱۰

سوال: نماز قضا ہو سکتی ہے یا نہیں، وہ کب اور کس وقت پڑھی جائے؟

جواب: اگر آدمی بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد آوے یا بیدار ہووے تو اسی وقت پڑھ لے وہی اس کا وقت ہوگا۔ اگر قضا سے یہی مراد ہے تو قضا ادا ہوگی اور اگر قضا سے مراد سال دو سال کی نمازیں ہوں تو ان کے دہرانے اور بطور قضا عمری پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ ش ۱۰

سوال: امام کے ساتھ جب آدمی نماز میں شامل ہو تو اسے معلوم نہیں کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری پس ایسی صورت میں وہ سبحانک اللھم پڑھ کر شامل ہو یا نہ؟

جواب: اگر وقت مل جائے تو پڑھ لے یہ اس کی پہلی رکعت ہوگی اگر وقت نہ ملا تو نہ پڑھے مگر سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے کیونکہ سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ ثنا فرض نہیں سنت ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲۹۵ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

سوال: اگر کوئی شخص بھول کر چار سنت کی بجائے پانچ رکعت پڑھ لے تو پھر کیا کرے آیا ساری نماز دہرائے یا سجدہ سہو کام دے جائیگا؟

**جواب:** ساری نماز دہرانے کی ضرورت نہیں سجدہ سہو کرلینا کافی ہے۔ حضور سرورِ کائنات خود ایک بار نمازِ ظہر میں بھول گئے تھے اور چار رکعت کی بجائے پانچ پڑھ گئے تھے جب لوگوں نے توجہ دلائی، تو آپ نے سلام پھیر چکنے کے بعد دو سجدے کر لئے اور فرمایا کہ نماز ہوگئی۔ ابوداؤد ص ۲۹

اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

**سوال:** کیا آمین رفع یدین حضور علیہ السلام ساری زندگی کرتے رہے یا کسی وقت کسی خاص مصلحت کی بنا پر چھوڑ دیا تھا؟

**جواب:** کسی روایت سے آپ کا چھوڑ دینا ثابت نہیں۔ بکثرت صحابہ کرامؓ کا استمرار اس پر شاہد ہے کہ حضورؐ نے اسے کبھی ترک نہیں کیا تھا جیسا کہ بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ ش ۵

**سوال:** جوتی پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق سنن ابی داؤد میں جو احادیث مروی ہیں۔ ان کا کیا مطلب ہے کیا موجودہ دور میں بھی جبکہ مساجد پختہ بن چکی ہیں اور ان میں صفوں اور دریوں وغیرہ کا مکمل انتظام ہے۔ کوئی شخص پرانی جوتی پہن کر نماز ادا کر سکتا ہے اور احادیث میں جو رخصت یا حکم ہے وہ عرب کی گرمی اور مساجد وغیرہ کے فرش کے کچا ہونے کی وجہ سے تو نہ تھا۔ براہ کرم اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالیں اور اگر فقہ حنفی میں جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت ہو تو وہ بھی بیان فرمادیں تاکہ یہاں کا اختلاف ختم ہوسکے؟ صوفی محمد اکرم لاہور

**جواب:** جب جوتا طاہر ہو تو اس میں نماز درست ہے خواہ نیا ہو یا پرانا، حدیث میں ہے اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمْ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰی فِیْ نَعْلَیْهِ قَذَرًا فَلْیَمْسَحْهُ وَیُصَلِّ فِیْهِمَا (ابوداؤد) جب کوئی تمہارا مسجد میں آنے چاہیے کہ غور کرلے۔ دیکھے اگر اپنے جوتے میں گندگی پائے تو رگڑ لے اور اس میں نماز پڑھے۔ نیز حدیث مرقاۃ میں ہے فِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰی اِسْتِحْبَابِ الصَّلٰوۃِ فِی النِّعَالِ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جوتیوں سمیت نماز مستحب ہے۔ دوسری حدیث میں ہے اِذَا وَطِیَٔ اَحَدُکُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ جب کسی کی جوتی کو گندگی لگ جائے اسے مٹی سے صاف کرلے۔ (مشکوٰۃ) ان احادیث سے ظاہر ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مستعمل جوتے کے بارے میں ہے کیوں کہ آپ رگڑنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ اگر نئے اور پرانے میں کوئی تفریق ہوتی تو بیان فرماتے فان تاخیر البیان عن وقت الحاجة لا یجوز جن اشیاء کا ذکر صورت مسئولہ میں ہے یہ عارضی غیر اعتباری ہیں۔ ان سے احکام شریعہ نہیں بدلا کرتے جہاں تک فقہ حنفی سے اس مسئلے کا تعلق ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین حنفیہ نہ صرف اس کے جواز کے قائل تھے بلکہ بعض نے تو صلوٰۃ

نی النفل کو افضل تک قرار دیا ہے شرح معانی الآثار طحاوی اور الدر المختار البتہ متأخرین حنفیہ اس کے قائل نہیں۔

امداد القاسی جلد اول ص۵۵ (مولانا) حافظ ثناء اللہ مسرہالوی فاضل مدینہ یونیورسٹی لاہور

الاعتصام جلد ۲۷ ش ۲۴

**سوال**: ایک آدمی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں آتا ہے جماعت تیار ہے وہ جوتا اتار کر کہاں رکھے دائیں بائیں۔ یا آگے۔ کیوں کہ پیچھے رکھنے میں جوتا چوری ہونے کا خطرہ ہے۔ براہ کرم قرآن و حدیث کے دلائل سے واضح فرمائیں!

**جواب**: نماز ادا کرتے وقت جوتا دائیں طرف رکھنا منع ہے۔ البتہ بائیں طرف رکھنا جائز ہے بشرطیکہ بائیں طرف کوئی اور نمازی کھڑا نہ ہو تاکہ جوتا اس کے دائیں طرف نہ پڑے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے۔ عن عبد اللہ بن السائب قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی یوم الفتح ووضع نعلیہ عن یسارہ۔ (ابوداؤد مع عون المعبود ج۱ ص۲۴۶ نسائی ج۱ ص۹۹) یعنی حضرت عبداللہ بن سائب کا بیان ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن دیکھا آپ نماز ادا فرما رہے ہیں اور آپ نے نعلین شریفین کو بائیں پہلو میں رکھا ہوا تھا۔ اس حدیث پر امام ابوداؤد اور منذری نے سکوت فرمایا ہے لہذا حدیث صحیح ہے۔ اگر بائیں پہلو میں دوسرا ساتھی نماز پڑھ رہا ہو تو جوتا کو اپنے دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ میں رکھ لینا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلی احدکم فلا یضع نعلیہ عن یمینہ ولا عن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الا ان لا یکون عن یسارہ احد ولیضعہما بین رجلیہ سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۹۹ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی اپنا جوتا دائیں بائیں ہرگز نہ رکھے کیوں کہ ایسی صورت میں جوتا دوسرے نمازی کی دائیں طرف میں پڑے گا۔ لہذا اسے اپنا جوتا اپنے پاؤں کے درمیانی فاصلہ میں رکھ لینا چاہیے۔

اس حدیث کے ایک راوی ابو معاویہ عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی پر امام منذری نے جرح کی ہے مگر امام موصوف کی جرح درست نہیں کیوں کہ یہ راوی زعفرانی نہیں ہیں بلکہ یہ ابو روح عبدالرحمٰن بن قیس العتکی ہیں جو کہ ثقہ ہیں۔ قال الحافظ فی تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۲۵۵ اخرجہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما وقال المنذری فی مختصرہ یشبہ ان یکون الزعفرانی ولیس کما ظن بان الزعفرانی یصغر عن ادراک یوسف ماھک مرعاۃ شرح مشکوٰۃ ص۵۱۲ ج۱ لیضعہما بین رجلیہ[1] کے ذیل میں ملا علی قاری فرماتے

---

[1] پاؤں کے درمیان رکھنے سے بہتر ہے کہ کپڑے میں چھپا کر آگے رکھے یا آج کل مسجدوں میں کھوکھے رکھے ہوتے ہیں ان میں جوتا چھپ جاتا

ہیں قدامہ اذا کان علی یسارہ احد مرقاۃ جلد ۱ ص۴۸۳ یعنی جب کہ اس کے بائیں پہلو میں دوسرا نمازی بھی ہو، تو جوتا اپنے آگے رکھ لے۔ واعلم لم یقل او خلفہ لئلا یتقدم غیرہ او لئلا یذہب خشوعہ لاحتمال ان یسرق مرقاۃ ص ۴۸۴ جلد ۱ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے کو پیچھے رکھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا تاکہ وہ کسی دوسرے نمازی کے آگے نہ آ جائے یا چوری ہونے کے احتمال سے خشوع وخضوع برہم نہ ہو جائے۔

(مولانا) عبید اللہ حنیف فیروزپوری مسجد چینیاں والی لاہور — الاعتصام جلد ۲۲ ش ۹



**توضیح المرام**: اس میں کوئی شک نہیں کہ پاک جوتا پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے اور جوتا اتار کر بھی لیکن جوتا اتار کر نماز پڑھنا نماز کی اصلی ہیئت ہے۔ اور جوتا سمیت نماز پڑھنا بوقت ضرورت سنت ہے۔ جیسا کہ موزے اور جورابوں پر بوقت ضرورت مسح کرنا مسنون ہے اور بلا ضرورت کوئی موزے پہنتا ہی نہیں اسی طرح بوقت ضرورت جوتا پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالظہائر سجدنا علی ثیابنا اتقاء الحر متفق علیہ مشکوٰۃ ص۶۱ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز اتنی اول وقت ادا فرماتے کہ ہم لوگ گرمی کی وجہ سے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے چونکہ مسجد نبوی میں سب کے لئے سایہ کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ اشتداد گرمی کی وجہ سے ننگے پاؤں سنگ ریزوں پر کھڑے ہو کر طول قیام دشوار تھا۔ نماز ظہر میں آپ کا طول قیام مشہور بھی ہے۔ اس لئے بوقت ضرورت جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت فرمائی۔ مسجد میں جبکہ سایہ کا پورا انتظام ہو، پنکھے چل رہے ہوں، نیچے صفوں اور دریوں کا انتظام ہو تو اس وقت جوتا اتار کر نماز پڑھنا مسنون ہے۔ جوتا اگرچہ پاک ہوتا ہے لیکن گرد وغبار سے آلودہ ہوتا ہے۔ اس لئے صفیں اور دریاں ایک دو نمازوں میں غبار آلودہ ہو جائیں گی۔ اور مسجد کو صاف رکھنا ایمان کی جز ہے۔ بلکہ مسجد کو صاف کرنے کی بنا پر ایک مرد کو جنتی فرمایا ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

---

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے صبح دو فرض شروع کئے، وہ

---

(بقیہ ص) سے جانے صف بھی ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث نماز جنازہ کے لئے مخصوص ہو سکتی ہے۔ کیونکہ نماز میں سجدہ اور تشہد نہیں۔ عام نمازوں میں یہ جوتا پاؤں کے درمیان رکھنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ (توضیح المرام)

ایک رکعت پڑھ کر التحیات میں بیٹھ گیا کیا وہ دوسری رکعت میں تشہد کرے یا نہ کرے کیا اس پر سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہ؟ سائل عزیز الرحمٰن خطیب جامع اہلحدیث بستی چھچھ ضلع ملتان

**الجواب**: دوسری رکعت میں تشہد اور سجدہ سہو کرے لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ الحدیث مسند ابوداؤد وابن ماجہ۔ (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی)

(منقول از قلمی مسودہ)

مولانا عزیز الرحمٰن خطیب جامع اہلحدیث بستی چھچھ ضلع ملتان

---

**سوال**: کیا نماز فرض کے بعد تسبیح تہلیل، تمجید یا کوئی اور وظیفہ پڑھ کر بدن پر پھونکنا جائز ہے؟

**جواب**: ہاں جائز ہے مگر مسنون نہیں بعض اکابر سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۴ ش ۴۲

**توضیح المرام**: حدیث حضرت عائشہ میں آیا ہے کہ حضرت ہر رات جب بستر پر آتے ہر دو کف دست جمع کر کے معوذات کو مع اخلاص پڑھ کر دم کرتے پھر جہاں تک ہو سکتا بدن پر ہاتھ پھیرتے سر اور منہ سے شروع کرتے تین بار اسی طرح کرتے۔ (متفق علیہ) اسی طرح جب بیمار ہوتے تو معوذات کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے ابن ماجہ شریف ص۲۵۶ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وظیفہ معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم پھونکنا مسنون ہے اگرچہ نماز فرض کا ذکر نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

---

**سوال**: پتلون پہننا جائز ہے۔ یا نہیں، جناب پیغمبر علیہ السلام نے کس طرح کے کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے؟

**جواب**: پتلون جائز ہے مرد کے لئے ناف سے گھٹنا تک مقام ستر مقرر کیا ہے۔ اور اسے ڈھانپنا فرض ہے۔ لباس کے پہناوے کا حضور علیہ السلام نے کوئی خاص آرڈر نہیں دیا، جناب نرم، نازک یا فیشنی اور کفار کے مخصوص لباس سے پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۱۹

---

**سوال**: ننگے سر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

**جواب**: ننگے سر نماز ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ سے جواز ملتا ہے۔ مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل اور ابدالآباد کے لئے یہ عادت بنا لینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۲۲

**سوال** ، صلوٰۃ الوسطیٰ کون سی نماز ہے اور اگر بالفرض کوئی ایک ہی نماز صلوٰۃ الوسطیٰ ہے اور چار نماز باقی رہ جاتی ہیں تو ان کے بارہ میں کامل تصدیق باقی نہ رہی ؟

**جواب** : صلوٰۃ الوسطیٰ کے بارہ میں سات قول ہیں پانچ قول یہ ہیں کہ نماز پنجگانہ سے ہر ایک نماز صلوٰۃ وسطیٰ اور تعیین میں اختلاف ہے کسی نے کسی نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا ہے اور کسی نے دوسری نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا ہے اور چھٹا قول یہ ہے کہ مجموعہ پنج وقتی نماز صلوٰۃ الوسطیٰ ہے ۔ اور ساتواں قول یہ ہے کہ جس طرح ساعت جمعہ مبہم ہے کہ اسمیں ضرور دعا قبول ہوتی ہے اور علی ہذا القیاس شب قدر اور اسم اعظم مبہم ہے اسی طرح صلوٰۃ الوسطیٰ بھی مبہم ہے ۔ اصح اور راجح یہ قول ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ عصر کی نماز ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ باقی چار نماز کے لئے تاکید کم ہے اس واسطے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید ہے بنفس اس کے نہیں بلکہ زیادہ تاکید محافظت آداب و قاعدہ میں ہے ۔ مثلاً وقت مستحب و جماعت و مسجد و اسباغ وضو و مسواک و اذان و اقامت و مزید اطمینان و کثرت اذکار یعنی صلوٰۃ الوسطیٰ میں ان امور میں زیادہ لحاظ ہونا چاہیے صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید اس قبیل سے ہے کہ جس طرح افضل میں زیادہ فضیلت ہوتی ہے بہ نسبت فاضل میں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاضل فضیلت نہ ہو ، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ فاضل میں بھی فضیلت ہے ۔ لیکن افضل میں زیادہ فضیلت ہے ۔ اور صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید اس قبیل سے نہیں کہ جیسے زیادہ فضیلت فاضل میں ہوتی ہے ۔ باعتبار ناقص کے اور اس میں شک نہیں کہ اس قدر تفاوت جو افضل اور فاضل میں ہوتا ہے ۔ وہ یہاں ثابت ہے ۔ واللہ اعلم     فتاوے عزیزیہ جلد ۱ ص ۳۸

---

**سوال** ، اکثر مالابار میں امام فرض نماز کے پڑھتے ہی فوراً اٹھ جاتا ہے ۔ یا کسی دوسری جگہ بیٹھ جاتا ہے بغیر تسبیح و دعا کے یہ عمل جائز ہے ۔ کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہو تو ترجمہ کے ساتھ پیش کریں ؟

**جواب** : سلام پھیرنے کے بعد آزادی حاصل ہو جاتی ہے ۔ خواہ اسی جگہ بیٹھ کر وظیفہ پڑھے یا الگ ہٹ کر پڑھے نماز کے بعد تسبیحات اور ورد کا پڑھنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر ان وظیفوں کو پڑھتے ۔ جن کا بیان حدیثوں میں آیا ہے اور ان کی تفصیل اسلامی وظائف میں موجود ہے ۔ مالابار والے غالباً اس حدیث پر عمل کرتے ہوں جس میں فرض اور نفل کے درمیان فصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ جیسا کہ مسلم میں ہے ۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَنَا بِذٰلِكَ اَنْ لَا نُوَاصِلَ بِصَلٰوةٍ حَتّٰى

تتکلم او نخرج۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے ایک نماز کو دوسری نماز سے نہ ملائیں یہاں تک کہ کلام کرے یا وہاں سے نکل جاوے اور بخاری میں ہے کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یصلی فی مکانہ الذی صلی فیہ الفریضۃ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جہاں فرض پڑھتے تھے اسی جگہ نفل بھی پڑھ لیتے تھے اور ابوداؤد میں مرفوعاً ہے۔ لا یصلی الامام فی موضع الذی صلی فیہ حتی یتحول الخ بخاری میں کہا ہے اسنادہ منقطع ممکن ہے مالاباری لوگ اس پر عمل کرتے ہوں فاصلہ زمانی اور مکانی دونوں کا احتمال ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے۔

(مولانا) عبدالسلام بستوی دہلوی اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۵ ش ۲

---

**سوال**: قنوت میں رفع یدین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب**: دعاء قنوت میں رفع یدین کرنا صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے چنانچہ اسود سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ دعائے قنوت میں سینہ تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ عمرؓ صبح کی نماز میں ہمارے ساتھ دعاء قنوت پڑھتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں بازو ظاہر ہو جاتے اور خلاس سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس کو دیکھا کہ نماز فجر کی دعاء قنوت میں اپنے بازو آسمان کی طرف لمبے کرتے اور ابوہریرہؓ ماہ رمضان میں دعاء قنوت کیوقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور ابوقلابہ اور مکحول بھی رمضان شریف کے قنوت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور ابراہیم سے قنوت وتر سے مروی ہے کہ وہ قراءۃ سے فارغ ہو کر تکبیر کہتے اور ہاتھ اٹھاتے پھر دعائے قنوت پڑھتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اور روایت ہے وکیع سے وہ روایت کرتا ہے محل سے وہ ابراہیم سے کہ ابراہیم نے محل کو کہا کہ قنوت وتر میں یوں کہا کرو اور وکیع نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں کے قریب تک اٹھا کر بتلایا اور کہا کہ پھر چھوڑ دیوے ہاتھ اپنے اور عمر بن عبدالعزیز نے نماز صبح میں دعاء قنوت کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور سفیان سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو دوست رکھتے تھے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ہو اللہ احد پڑھ کر پھر تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ اٹھاوے پھر دعائے قنوت پڑھے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ قنوت میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاوے کہا ہاں مجھے یہ پسند آتا ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اسی طرح شیخ احمد بن علی المقریزی کی کتاب مختصر قیام اللیل میں ہے اور ابومسعود اور ابوہریرہ اور انس رضؓ سے بھی ان قاریوں کے بارے میں جو معونہ کے کنوئیں میں مارے گئے قنوت وتر میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا مروی ہے۔ انسؓ نے کہا کہ تحقیق میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں پر جنہوں نے قاریوں کو قتل کیا تھا ہاتھ اٹھا کر بددعا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایسے ہی بیہقی کی کتاب مسمیٰ معرفت میں ہے۔ حررہ عبدالجبار الغزنوی عفی عنہ　　　فتاویٰ غزنویہ ص۵۱

---

**سوال:** وتروں میں دعا قنوت پڑھتے وقت مقتدیوں کو آمین کہنا سنت ہے یا نہیں؟

**جواب:** حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخیر رکعت میں جس وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو آپ بنی سُلیم میں سے چند قبیلوں رعل اور ذکوان اور عصیہ پر بددعا کرتے تھے اور آپ کے پیچھے مقتدی آمین کہتے تھے اور حضرت عمرؓ دعا قنوت پڑھتے تھے اور پیچھے مقتدی آمین کہتے تھے اور امام مالکؒ سے مروی ہے کہ رمضان شریف کے نصف سے امام دعا قنوت پڑھے اور پیچھے مقتدی آمین کہیں اور ابو داؤد نے کہا میں نے خود سُنا ہے کہ امام احمدؒ دعا قنوت سے پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پسند یہ بات ہے کہ امام دعائے قنوت پڑھے اور پیچھے مقتدی آمین کہیں۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما　　　(فتاویٰ غزنویہ ص۵۱)

---

**سوال:** پنج وقتی نماز کے بعد تسبیح اور مناجات پڑھنے کے بارہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟

**جواب:** نماز صبح کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ سو مرتبہ پڑھنا چاہیے اور نماز ظہر کے بعد اگر فرصت ہو تو حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ پانسو مرتبہ پڑھنا چاہیے اور اگر فرصت نہ ہو تو ۷۰ مرتبہ پڑھنا چاہیے اور نماز عصر کے بعد تسبیح فاطمہ کہ جو مشہور ہے پڑھنا چاہیے اور نماز مغرب کے بعد کلمہ تمجید سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ پانسو مرتبہ پڑھنا چاہیے اور نماز عشاء کے بعد درود شریف چاہے کوئی درود شریف ہو۔ سو مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف رُخ کر کے پڑھنا چاہیے۔　　　(فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۲۱۶)

---

**سوال:** برقعہ جو عورتیں پہنتی ہیں اس میں چہرہ کھلا رہنا جائز ہے۔ کیوں کہ نماز میں عورتوں کا منہ کھلا رہتا ہے اس وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں جو حکم ہے وہی حکم نماز سے باہر ہے۔ اس کی دلیل میں حدیث واضح پیش کی جائے؟

**جواب:** اجنبی مردوں کے سامنے نماز پڑھ رہی ہوں تو چہرہ چھپا کر پڑھیں اور اگر تنہا پڑھیں یا اپنے محرم کے سامنے پڑھیں تو چہرہ کا چھپانا ضروری نہیں۔ تفسیر ابن جریر اور اسلامی پردہ ص۳۴ میں اس کی تفصیل موجود

ہے نماز کا حکم اور ہے اور باہر اجنبی لوگوں کے سامنے کا حکم اور ہے ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

(مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی (اہل حدیث دہلی جلد ۵ ش ۲۱)

---

**سوال**: جوتہ پہن کر مسجد میں نماز پڑھنا شریعت محمدی میں جائز ہے یا ناجائز؟

**جواب**: جوتا پاک تو مثل کپڑے کے ہے نماز بھی جائز ہے۔ ناپاک ہے تو بحکم خدا "فاخلع نعلیک" قابل پھینکے کے ہے۔ غیر طاہر حالت میں جس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ غیر مدبوغ چمڑہ کا جوتہ ہو یہ تو طاہر نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی چمڑہ کا جوتہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ جیسا کہ تفسیر[1] سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دباغت دیے ہوئے چمڑے کا جوتہ ہو تو یہ بحکم اَیُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ۔ بنفسہ پاک ہے خارجی نجاست مرئی سے ناپاک ہوتا ہے جس کے پاک کرنے کا طریقہ شریعت محمدی میں صرف صاف سوکھی زمین پر رگڑ لینا[2] ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم المسجد فلینقلب نعلیه ولینظر فیهما فان رای خبثا فلیمسحه فی الارض ثم لیصل فیهما (احمد و ابوداؤد) مسجد کے باہر جوتے کی تلی الٹ کر دیکھ لے اگر گندگی دیکھے تو زمین پر رگڑ لے اس کے بعد انہیں جوتوں کو پہنے ہوئے نماز پڑھ لے۔ آپ نے "فاخلع نعلیک" جوتے کو پھینک دے نہیں فرمایا اگر ایسا فرمان ہو تو مطلع فرمائیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اِذَا وَطِئَ اَحَدُکُمْ بِنَعْلِهِ الاذی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ۔ جوتے میں اگر گندگی لگ جائے تو اس کو پاک مٹی سے ہو جاتی ہے۔

حکیم عبدالرزاق از رنگون (اخبار محمدی دہلی جلد ۱۲ ش ۱۴)

---

[1] تفسیری واقعات وہ حجت ہیں جو مرفوع صحیح سند سے ثابت ہوں، ورنہ حجت نہیں۔ ناپاک جوتے کو پیغمبر کی طرف منسوب کرنا بڑی جسارت ہے ۱۲ علی محمد سعیدی

[2] زمین پر رگڑ لینا کافی ہے۔ لیکن رگڑنے کے بعد پانی سے دھو لینا افضل ہے۔ جیسا کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرنا جائز اور کافی ہے۔ صفائی حاصل ہو جاوے گی۔ لیکن بعد میں پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ حدیث اور فقہ سے واضح ہے۔ ۱۲ علی محمد سعیدی

**سوال**: بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا اگرچہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔ ۲۔ ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اس کی دلیل پیش فرمائیے گا؟ (عبداللہ خطیب جامع مسجد اہلحدیث ڈیرہ غازیخاں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الجواب**: وباللہ التوفیق: متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے ۲۔ افضلیت یعنی آں حضرت اور صحابہ کے عام عمل کے لحاظ سے ۳۔ حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضا کو ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے۔ بہز بن حکیم سے مروی ہے: إحفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك (رواہ الخمسۃ الا النسائی) بیوی اور مملوک کے سوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

شوکانی فرماتے ہیں: والحق وجوب ستر العورۃ فی جمیع الاوقات الا وقت قضاء الحاجۃ وافضاء الرجل الی اھلہ (نیل الاوطار ص۶۴ ج۲)

حد ستر میں اہل علم مختلف ہیں جمہور ناف سے گھٹنے تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے العورۃ القبل والدبر (نیل الاوطار ص۶۲ ج۲)

غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے ننگا رکھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام اور ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔ اس کے لئے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی ٹٹول کی ضرورت۔ جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے۔ سر ننگے بھی درست ہے۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیئے۔ امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات عقل وفہم کے خلاف ہیں۔ عقلمند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

آنحضرت، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے۔

کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو خصوصاً باجماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں، باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب وقول اللہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد ومن صلی ملتحفا فی ثوب واحد ویذکر عن سلمۃ بن الاکوع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یزرہ ولو بشوکۃ فی اسنادہ نظر الخ (صحیح بخاری مع فتح مطبوعہ مصر ص۳۱۸ جلد ۱) امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز کی جائے، تو سر ننگا رہے گا۔ حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جا سکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ام ہانی، ابوہریرہ، جابر بن عبد اللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ، طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دواوین سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں، خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے۔ یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے۔ سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے۔ اولکلکم ثوبان (ابو داؤد) طلق کی روایت میں ہے۔ اوکلکم یجد ثوبین (ابو داؤد مع عون ص۲۴۲) کیا سب کو دو کپڑے میسر آ سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسئل عن الصلوٰۃ فی الثوب الواحد فقال اوکلکم یجد ثوبین ثم سئل رجل عمر فقال اذا وسع اللہ فاوسعوا جمع رجل علیہ ثیابہ صلی رجل فی ازار ورداء فی ازار وقمیص فی ازار وقباء فی سراویل ورداء فی سراویل وقمیص فی سراویل وقباء فی تبان وقمیص قال واحسبہ فی تبان ورداء (صحیح بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحتہً سمجھ میں آتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو

تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ ابن منیر فرماتے ہیں: الصحیح انہ کلام فی معنی الشرط کانہ قال ان جمع رجل علیہ ثیابہ فحسن اھ (فتح ص ) اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفی ھذا الحدیث دلیل علی وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب لما فیہ من ان الاقتصار علی الثوب الواحد کان لضیق الحال وفیہ ان الصلوٰۃ فی الثوبین افضل من الثوب الواحد وصرح القاضی عیاض بنفی الخلاف فی ذالک اھ (فتح الباری ص )

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مستطیع کے لیئے زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیوں کہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بد عملی یا کسل کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ جہلا ء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ

اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرماتے ہیں۔

اذا صلی احدکم فلیاتزر ولیرتد اھ (سنن کبرے ص ) نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر مرفوعاً فرماتے تھے اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیہ فان اللہ عزوجل احق ان یزین لہ الخ (سنن کبرے) نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر نے مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسبت ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبداللہ بن عمر آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں ؟ میں نے عرض کیا، وہی موجود ہیں آپ نے فرمایا ارئیت لو بعثتک الی بعض اھل المدینۃ اکنت تذھب فی ثوب واحد قلت لا قال فاللہ احق ان یتجمل لہ؟ الخ (ص بیہقی سنن) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے ؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خذوا زینتکم کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابو داؤد میں ایک اثر ہے۔ جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے۔ حدثنا عبداللہ بن محمد الزھری ثنا سفیان بن عیینۃ قال رأیت شریکا صلی بنا فی جنازۃ العصر فوضع قلنسوتہ بین

یدیہ یعنی فی فریضۃ (ابوداؤد ج۱ ص۹۴) یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اُتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔ اما اول تو یہ مرفوع حدیث ہے نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں یہ شریک کون بزرگ ہیں شریک بن عبداللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر تابعی۔ ان دونوں میں کم و بیش ضعف ہے۔ لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابلِ حجت نہیں۔ سوم امام ابوداؤد نے اسے باب الخطاذالم یجد عصًا میں ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیوں کہ جب انہیں سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لیا۔ ضرورت اور عذر سے سر ننگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں، بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں۔ حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں الفصل الثانی فی فضیلۃ وھوان یصلی فی ثوبین اواکثر فان اذا بلغ فی التریوی عن عمرؓ انہ قال اذا وسع اللہ ف وسعوا (ج۱ ص۳۳۸ مغنی ابن قدامہ مع الشرح) یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیوں کہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔ جب اللہ مال میں وسعت فرمائیں تو آدمی کو وسعت سے کام لینا چاہیئے اس کے بعد تمیمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد یجزی والثوبان احسن والاربع اکمل قمیص وسراویل وعمامۃ وازار اھ (ابن قدامہ ص۳۳۹) ایک کپڑا جواز نماز کے لئے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز زیادہ کامل ہوگی۔ قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔ ان تمام گذارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔ یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔

آنحضرت کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تحنیک کا رواج تھا یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور باندھنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وللتفصیل وقت اخر۔

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے۔ اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ والسلام

یہی استفتا مولانا سید داؤد غزنوی سے بھی کیا گیا تھا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے جواب موصول ہونے کے بعد ان کا مختصر جواب جو کہ ملا ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ (الاعتصام)

اقول وباللہ التوفیق ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق میں نے طالب علمی کے زمانہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت الامام مولانا عبدالجبار الغزنوی نوراللہ مرقدہٗ سے کہا تھا۔ انہوں نے اس کا مختصر مگر بڑا جامع جواب ارشاد فرمایا وہ عرض کیے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ سر اعضاء ستر میں سے تو نہیں لیکن نماز میں سر ننگا رکھنے کے مسئلہ کو اس لحاظ سے نہیں بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرد کے کندھے بھی اعضاء ستر میں سے نہیں لیکن صحیح بخاری میں ہے۔ لایصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شئی۔ یعنی ایک کپڑے میں کوئی نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ مؤطا اور فتح الباری دیکھ لو۔ مؤطا میں امام مالک فرماتے ہیں۔ قال مالک احب الی ان یجعل الذی یصلی فی القمیص الواحد علی عاتقیہ ثوبا او عمامۃ قال الزرقانی لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شئی۔ کہ میرے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اپنے دونوں کندھوں پر کپڑا ڈالے یا اپنے سر پر عمامہ باندھے۔ اس کی شرح میں زرقانی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا یہ فتوٰے اس حدیث کی بنا پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کپڑا نہ ہو۔

مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھنے پڑھانے والے امام مالکؒ کی اس اصطلاح سے واقف ہیں جب کسی مسئلہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں "احب الی" (میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے) اس سے مراد وجوب ہوتا ہے جس کی تصریح حافظ ابن عبدالبر اور دیگر شارحین مؤطا نے کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث، لیس علی عاتقہ شئی" کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ لیحصل الستر لجزءمن اعالی البدن وان کان لیس بعورۃ یعنی کندھوں کو کپڑے سے ڈھانکنے کا حکم اس لئے آپ نے دیا تاکہ بدن کا اعلیٰ حصہ بھی نماز میں ڈھکا رہے اگرچہ وہ عورت یعنی اعضا ستر میں سے نہیں ہے۔ زرقانی نے امام مالک کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے۔ جو سائل کے سوال کے جواب کے لیے کافی واضح ہے۔ فرماتے ہیں۔ قال مالک فی المبسوط لیس من امر الناس ان یلبس الرجل الثوب الواحد فی الجماعت فکیف بالمسجد وقال تعالیٰ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (سورۃ ۷) یعنی امام مالکؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ایک کپڑے میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں چہ جائیکہ ان کو مسجد میں اجازت دی جائے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ کہ تم ہر نماز کے وقت لباس پہنا کرو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اختیارات میں فرماتے ہیں:۔

واللہ تعالیٰ امر بقدر زائد علی ستر العورۃ فی الصلوٰۃ وھو اخذ الزینۃ فقال

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (ع۱۱) یعنی اللہ تعالےٰ نے نماز کے لیے سترِ عورۃ (اعضاء ستر کے ڈھانکنے) کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیا ہے۔ اور وہ ہے اچھا لباس پہننا۔ فرمایا اللہ تعالےٰ نے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ اس کی مزید تاکید حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے صاحب مغنی نے حافظ عبد البر سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے نافع کو دیکھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا تم دو کپڑے نہیں پہن سکتے ہو؟ نافع نے عرض کیا، جی ہاں پہن سکتا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تمہیں محلہ میں کسی کے پاس بھیجا جائے تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافع نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔ فاللّٰہ احق ان یزین له اوالناس؟ قلت بل اللّٰہ (ص۲۶۴ج۱) پس اللہ عزوجل اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی حاضری کے لئے زینت کا لباس پہنا جائے یا لوگ اس کے مستحق ہیں؟ نافع نے عرض کیا نہیں حضور! اللہ ہی اس کے مستحق ہیں۔

ابتدائِ عہدِ اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بصراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز با جماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنا لیا ہو۔ اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے۔ بند کرنا چاہیئے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبداً اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبداً خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ ولا یاتون الصلٰوۃ الا وھم کسالٰی (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود سید محمد داؤد الغزنوی ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ (الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۸)

**سوال:** امامت کا زیادہ مستحق کون شخص ہے؟ اندھے اور لنگڑے کا امام بنانا درست ہے یا نہیں اور ان کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ صحیح حدیثوں سے جواب دیا جائے! بینوا توجروا۔

**جواب:** امامت کا سب سے زیادہ وہ شخص مستحق ہے جو کتاب و سنت کا زیادہ جاننے والا اور قرآن مجید کا اچھا پڑھنے والا اور ان پر عمل کرنے والا، متقی پرہیزگار، خوش خلق، شریف اور زیادہ عمر والا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم (دارقطنی) یعنی اپنے بہترین آدمیوں کو امام بنایا کرو کیوں کہ وہ تمہارے اور خدا کے درمیان وکیل اور تمہارے نمائندے ہوتے ہیں۔

۲۰. ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم (طبرانی) یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہو تو بہتر اور پرہیزگار آدمیوں کو امام بنایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یؤم القوم اقرأہم لکتاب اللہ فان کانوا فی القرأۃ سواءً فاعلمہم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمہم سناً۔ (رواہ مسلم و نیل الاوطار صفحہ ۱۵۵ جلد ۳) یعنی امامت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اور اگر قرآن مجید کے پڑھنے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص زیادہ حقدار ہے جو سنت سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو اور اگر کتاب و سنت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص زیادہ مستحق ہے جو سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو۔ اور اگر ان سب باتوں میں سب برابر ہوں تو سب سے زیادہ عمر والا ہے علی الترتیب۔

(الجواب ۲) اگر اندھے میں مذکورہ باتیں سب موجود ہیں اور طہارت و صفائی کا محتاط ہے تو اندھے کو امام بنایا جا سکتا ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم اور عتبان ابن مالک امام بن کر نماز پڑھایا کرتے تھے اور یہ دونوں نابینا تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینۃ مرتین یصلی بہم وھو اعمی (احمد ابو داؤد)

حضرت محمود ابن ربیع رض سے مروی ہے۔ ان عتبان بن مالک کان یؤم قومہ وھو اعمیٰ۔ الی اخرہ (بخاری) ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھے کو امام بنانا درست ہے "وھو اعمیٰ" کے تحت امام شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۱۶۵ جلد ۳ میں فرماتے ہیں۔ فیہ جواز امامۃ الاعمی وقد صرح ابو اسحاق المروزی و الغزالی بان امامۃ الاعمیٰ افضل من امام البصیر لانہ اکثر خشوعاً من البصیر لما فی البصیر شغل القلب المبصرات۔

(الجواب ۳) اگر اندھے میں استحقاق امامت کی حسب بیان حدیث مذکور علی الترتیب تمام باتیں پائی جاتی ہیں اور وہ ارکان صلوٰۃ بقدر فرض ادا کر لیتا ہو تو اس کی امامت درست ہے اور مقتدیوں کی نماز بلا کراہت صحیح ہے۔ کیونکہ فطری و قدرتی طور پر معذور ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔ لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج (نور) مجبوری کے حالات میں امام جالس کے پیچھے اقتدا درست ہے تو اعرج (لنگڑے) کے پیچھے بھی اقتدا درست ہوگی۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں موچ آگئی تھی جس سے

آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور آپ نے فرمایا: صلوا کما رأیتمونی اصلی (بخاری) یعنی جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی اسی طرح پڑھ لیا کرو۔

اگر یہ اعرج بعض جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے اپنی کہنیوں کو سجدہ کی حالت میں سہارا لینے کے لئے آپ نے گھٹنوں سے ملا دیتا ہے۔ تب بھی نماز درست ہو جاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: استعینوا بالرکب ۔ (ترمذی) واللہ اعلم بالصواب مولانا عبدالسلام بستوی دہلی اخبار اہل حدیث دہلی یکم جولائی ۱۹۵۹ء

**سوال** : آج کل عام طریقہ مساجد میں دیکھا جا رہا ہے کہ وقت جماعت ہر کس و ناکس امام کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے، حالانکہ مسجد میں اہل علم اور دوسرے حضرات بھی نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہوتے ہیں، بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو بالکل جاہل ہوتے ہیں۔ جن کو نہ نماز آتی ہے اور نہ ضروری مسائل گویا ایک طرح کے نومسلم ہیں وہ بھی زبردستی امام کے پیچھے ڈٹ جاتے ہیں۔ اگر ان کو منع کرو تو سخت ناراض ہوتے ہیں اور ضد کے ساتھ پہلے آ کر نشانی رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ امام صاحبان بھی کچھ تمیز نہیں رکھتے اور اپنے پیچھے بیٹھنے والوں کا کوئی انتظام نہیں رکھتے اہل علم اور دوسرے ان کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی پہلے آ جائے یا نشانی رکھ دے تو ہم منع نہ کریں گے وہ اس کی جگہ ہو گئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع محمدی میں اس بارے میں کوئی بیان ہو تو صرف قرآن و حدیث سے تحریر کریں؟ امام کے پیچھے کھڑے ہونے کے زیادہ درجہ بدرجہ کون مستحق ہیں اور امام پر اس بارے میں کوئی ذمہ داری ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

**جواب** : امام کے قریب بالغ سمجھ دار لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلینی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ (الحدیث ترمذی) میرے قریب عقلمندوں اور بالغوں کو کھڑا ہونا چاہیے پھر ان کے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں عقل اور بلوغ میں پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں۔ روضۃ الندیہ میں ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب ان یلیہ المھاجرون والانصار لیاخذوا عنہ قال فی الحجۃ وکلا منشرع علے اولی الاحلام تقدم من ونہم علیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار و مہاجرین کو اپنے پاس کھڑے ہونے کو پسند فرماتے تھے۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: فیہ مشروعیۃ تقدم اھل العلم والفضل لیاخذوا عن الامام ویاخذ عنھم غیرھم لانھم احفظ بضبط صفۃ الصلوٰۃ ان حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم واہل فضل امام کے پیچھے کھڑے

ہو۔ نیز کے زیادہ مستحق ہیں امام صاحب کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال رکھتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مولانا عبدالسلام بستوی (اخبار اہل حدیث جلد ۷ ش ۱۱)

---

سوال: تسبیح کے دانوں یا چنے، گیہوں کے دانوں پر ذکر اللہ کرنا کیسا ہے؟ کن موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے سے منع فرمایا ہے کیا مسجد میں داخل ہوتے وقت کو حاضرین السلام علیکم کر سکتے ہیں؟

جواب: کھجور کی گٹھلی اور سنگریزوں پر ذکر اللہ اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اور ترمذی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالے عنہ کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دونوں چیزوں پر صحابہ کو تسبیح پڑھتے دیکھا اور منع نہیں فرمایا۔ لیکن افضل ہاتھ کی انگلیوں پر پڑھنا آیا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: واعقدن بالانامل فانھن مسئولات مستنطقات (الخ)

لیکن مروجہ طریقہ پر عام مسجدوں میں چنے اور گیہوں وغیرہ کے دانوں پر پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ بعض کے نزدیک بدعت ہے اس سے بچنا اور دوسروں کو بچانا چاہیے۔

مندرجہ ذیل مقامات پر سلام کرنا منع ہے۔ صاحب تفسیر جلالین نے آیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا کے تحت شرح کرتے ہوئے لکھا ہے، وخصت السنۃ الکافر والمبتدع والفاسق والمسلم علی قاضی الحاجات ومن فی الحمام والآکل فلا یجب الرد علیھم بل یکرہ فی غیر الاخیرین یقال للکافر وعلیک

یعنی کافر، بدعتی، فاسق کو سلام نہ کرے اور اگر کافر سلام کرے تو اس کو جواب میں صرف لفظ "وعلیک" یا وعلیکم کہنا چاہیے اسی طرح ایسے شخص کو بھی سلام نہیں کرنا چاہیے جو غسل خانہ میں ہو یا کھانا کھا رہا ہو، چھوٹے یا بڑے استنجے میں مشغول ہو، اگر کسی شخص نے غلطی سے یا نادانی سے ان لوگوں کو سلام کر لیا تو ان کا جواب دینا جائز نہیں۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کر لینا چاہیے۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۲ ش ۱۱)

---

**سوال**: مسلمانوں کی اکثریت نماز اور غیر نماز تمام اوقات میں محض ٹوپی بغیر عمامہ کے استعمال کرتی ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرامؓ نے کبھی یا ہمیشہ ٹوپی بغیر پگڑی کے استعمال کی ہے؟

**جواب**: نماز میں اور نماز سے باہر ہمیشہ یا کبھی صرف ٹوپی استعمال کرنا بلاشبہ جائز اور مباح ہے پگڑی باندھنی نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت مؤکدہ اور حدیث ان فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس (ترمذی ابوداؤد) ضعیف ہے۔ اور اگر صحیح بھی مان لی جائے تو ابن الملک وغیرہ شراح کے بیان کردہ معنی کے مطابق اس حدیث سے صرف ٹوپی پہننے کی کراہت نہیں ثابت ہوتی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ امام ابن القیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں۔ وكان يلبسها (اى العمامة) ويلبس تحتها القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة (انتہی، ص۳۳ ج۱) اور جامع ترمذی ص۲۹۸ جلد اول میں ہے، عن ابی یزید الخولانی انه سمع فضالة بن عبید یقول سمعت عمر بن الخطاب یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الشهداء اربعة رجل مومن جید الایمان لقی العدو فصدق الله حتی قتل فذلك الذی یرفع الناس الیه اعینهم یوم القیمة هكذا ورفع راسه حتی وقعت قلنسوته فلا ادری قلنسوة عمر اراد ام قلنسوة النبی صلی الله علیه وسلم الحدیث: اور جامع صغیر للسیوطی میں ہے کان (صلی الله علیه وسلم) یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس وکان یلبس القلانس الیمانیة الحدیث (الرویانی وابن عساکر عن ابن عباس) اور صحیح بخاری شریف میں ہے وضع ابواسحق قلنسوته فی الصلوٰة ورفعها اس اثر سے معلوم ہوا کہ ابواسحٰق سبیعی جو کبار تابعین سے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں اور اڑتیس صحابیوں سے حدیث روایت کی ہے۔ نماز بھی صرف ٹوپی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

محدث دہلی جلد ۱۰ ش ۳

---

**سوال**: صبح کی نماز میں دعاء قنوت میں قرآنی دعاؤں کو مثلاً رَبَّنَا اٰتِنَا وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

**جواب**: فجر کی نماز میں بلاعذر قنوت پر مداومت نہیں کرنی چاہیے۔ اللهم اهدنا فيمن هديت الخ کے ساتھ یا اس کے بغیر یہ دعا بھی پڑھنی مناسب ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ كَفَرَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ

اَوْلِیَآءَکَ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَاَنْزِلْ بِھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَاتَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔ قنوت میں قرآنی دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے کہ حنفیہ قنوت وتر میں صحف ابی کے مطابق سورۃ الحفد وسورۃ الخلع پڑھنے کے مدعی وقائل ہیں۔ محدث دہلی جلد ۸ ش ۱۲

**سوال**: ایک دیوبندی مولوی آیت واذا قرئ القران فاستمعوا لہ وانصتوا کی رو سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو منع بتاتا ہے کیا اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۲) ہمارے گاؤں کے فجر کی نماز جماعت بہت دیر کر کے شروع ہوتی ہے۔ تقریباً آفتاب طلوع ہونے سے دس منٹ پہلے ہوتی ہے۔ کیا یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے؟

**جواب** (سوال ۱) اس آیت سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے پر دلیل پکڑنی اپنے مذہب اور اصول اور اقوال علماء حنفیہ سے بے خبری اور ناواقفی پر مبنی ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے نہ سری نمازمیں فاتحہ پڑھنی چاہیئے نہ جہری میں اور اس دعوے پر اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں۔ لیکن مولانا عبدالحئی حنفی رح لکھتے ہیں کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس آیت سے سری نمازوں میں مطلقاً اور جہری نمازوں میں امام کے سکتوں میں فاتحہ پڑھنے کی ممانعت قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔ (امام الکلام ص ۲۱) اسی طرح اور محققین حنفیہ نے بھی لکھا ہے اور مولوی انور شاہ مرحوم کہتے ہیں واعلم ان الانصات والاستماع یقتصران علی الجھریۃ فان الانصات مقدمۃ للاستماع ومعناہ التھیؤ للاستماع (فیض الباری ص ۲۲۳) آگے چل کر کہتے ہیں: وقد مرمنی ان الاٰیۃ تقتصر علی الجھریۃ فقط فلا تقوم حجۃ علیھم فی حق السریۃ (ایضاً ص ۲۱۹) علمائے حنفیہ کے باہمی اختلاف کی یہ کیسی افسوس ناک مثال ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اس آیت سے دونوں نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس آیت سے کسی نماز میں بھی ممانعت نہیں ثابت ہوتی۔ تیسرا کہتا ہے صرف جہری میں ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ فیاللعجب۔ مفصل اور مبسوط بحث "تحقیق الکلام" ہر دو حصہ میں ملاحظہ کیجئے۔ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

(۲) اتنی دیر کر کے فجر کی جماعت شروع کرنی آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دائمی طریقے کے خلاف ہے۔ آنحضور اور خلفائے راشدین ہمیشہ غلس (تاریکی) میں نماز پڑھتے رہے اور اس قدر دیر کر دینی تو حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔ مولوی انور شاہ کہتے ہیں: وحد الاسفار عندنا ان یفرغ

عنہا وقد بقی علیہ من الوقت ما لو اعادفیہ صلوٰتہ لعارض وسع قبل الطلوع مع رعایۃ السنن

(فیض الباری ص ۱۳۱) محدث دہلی جلد ۹ ش ۵

سوال : نماز میں آستین چڑھاتے رکھنا کیسا ہے ؟

جواب : نامشروع ہے ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ۔ فتاوے ستاریہ جلد اول ص ۴۹

سوال : ریل گاڑی میں نماز پڑھنا بدعت ہے یا جائز ہے ؟

جواب : ریل گاڑی کی کوئی تخصیص نہیں عام سواری پر جو اپنے قبضہ و قدرت کی ہو نفل نماز پڑھنی جائز درست ہے ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر حسب ضرورت پڑھ لیا کرتے تھے اور جو اپنے قبضہ و قدرت کی نہ ہو ۔ اس پر فرض و نوافل دونوں پڑھنے جائز و درست ہیں ۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

اَلدِّیْنُ یُسْرٌ وَالْحَدِیْث اَیْنَمَا اَدْرَکَتْکَ الصَّلٰوۃُ فَصَلِّ ۔ الحدیث فتاوی ستاریہ ص ۸۲

سوال : زید کہتا ہے کہ جس وقت کوئی مسلمان مسجد میں وضو کر کے آئے تو بغیر پڑھے دو رکعت کے نہ بیٹھے ۔ بکر کہتا ہے کہ بیشک افضل بہتر یہی ہے لیکن اگر بغیر پڑھے دو رکعت کے بیٹھ جائے تو اس کے لئے کوئی جرم و وعید نہیں ہے ۔ ہاں اگر جمعہ کے دن آئے تو بغیر پڑھے دو رکعت کے نہیں بیٹھ سکتا گو امام خطبہ ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو ۔ الغرض زید اس کا مخالف ہے اب آیا زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا ؟

جواب : دونوں میں سے بکر کا قول ہے صحیح ہے ۔ فتاوے ستاریہ جلد اول ص ۸۴

سوال : زید کہتا ہے کہ جس کی کہنی کھلی ہوئی ہو اس کی نماز مکروہ ہے بکر کہتا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے ۔ ہاں اگر کندھے کھلے ہوئے ہوں تب نماز نہیں ہوتی ۔

جواب : مرد کا کرتا اگر نیم آستین ہے تو کوئی کراہت نہیں ، ہاں پوری آستین ہو تو نیچے اتار لینی چاہیے ۔ حدیث شریف میں ہے ۔ وَلَا اَکُفَّ ثَوْبًا وَلَا شَعْرًا (مسلم جلد اول ص ۱۹۳) آستین چڑھا کر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے ۔ فتاوے ستاریہ جلد اول ص ۸

# ضمیمہ کتاب الصلوۃ

**سوال** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟ استدلال مستدل ابوہریرہؓ کی ان دو روایتوں سے ہے۔ من فاتته قرأة القرآن فقد فات خیرا کثیرا و اذا جئتم الی الصلوٰۃ و نحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شیئا۔ ومن ادرك ركعة من الصلوٰۃ فقد ادرك الصلوٰۃ۔ سو مستدل کا استدلال ان دونوں روایتوں سے صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**جواب** : مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب متفق علیہ اور جزء القراۃ للامام البخاری میں ابوہریرہ سے مروی ہے۔ ان ادركت القوم ركوعا لم تعتد بتلك الركعة یعنی اگر تم قوم کو رکوع میں پاؤ تو اس رکعت کو شمار نہ کرو۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں هذا هو المعروف عن ابی هريرة موقوفا واما المرفوع فلا اصل له یعنی یہ روایت ابوہریرہ سے موقوف معروف ہے لیکن یہ روایت مرفوعا بے اصل ہے اور ابوہریرہ کی دونوں روایت مذکورہ سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں رکعت ہونے یا نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ سکوت عنہ ہے پس ان دونوں روایتوں کو ان روایات کی طرف پھیرنا چاہیئے۔ جن میں صراحتہً مذکور ہے۔ کہ وہ رکعت نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ بریں حدیث من ادرک الخ میں رکعت سے رکوع مراد لینا جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ معنی مجازی ہے۔ اور لفظ کا معنی مجازی مراد لینا بلا قرینہ جائز نہیں اور اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اور ساتھ اس کے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ واللہ اعلم

---

**مسئلہ** اول وقت میں نماز پڑھ لینا افضل ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے افضل الاعمال الصلوٰۃ لاول وقتها حدیث جبرئیل علیہ السلام جس میں اول وقت اور آخر وقت میں دو دن نماز پڑھنا پڑھانا آیا ہے صرف اس لئے تھا کہ امت کو جتلا دیا جائے کہ دوسرے دن والی نماز کے وقت کے بعد نماز نہ ہوگی۔ کیوں کہ وہ اس نماز کا وقت نہیں بلکہ دوسری نماز کا وقت ہے۔ یا کسی نماز فرض کا وقت نہیں۔ پس اس سے یہ دلیل

لینا کہ نماز آخر وقت ہی میں پڑھنا افضل ہے ۔ یا یہ کہ نماز پڑھنے والا اول وقت کو مقرر نہ کرے بلکہ کبھی اوسط وقت
کبھی آخر وقت میں پڑھے اور کبھی اول وقت میں پڑھے غلط اور باطل محض ہے ۔ اگر یہ دلیل لینا صحیح ہوتا تو خود آں جناب
صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ جبرائیل علیہ السلام نماز پڑھا گئے ہیں سب سے پہلے ایسا کیا ہوتا ۔ آپ نے تو اول وقت
کو ہی مقرر کر رکھا تھا جیسا کہ احادیث کھلے طور پر شہادت دے رہی ہیں ۔ کچھ مخفی بات نہیں ، حدیث شریف میں
آیا ہے ، ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ من آخر میقاتھا الا مرتین رہا ابراد سو وہ صرف
ظہر ہی کے لئے ہے ۔ نہ کسی دوسری نماز کے واسطے کہ جس سے ہر نماز کو آخری وقت میں پڑھنے کی دلیل بنایا جا سکے
اور ظہر میں ابراد کرنا بھی وہاں ہے جہاں ظہر کو دیر کے ساتھ پڑھنے میں ابراد ہو سکے کیونکہ آپ نے ظہر کے لئے
ابراد کرنے کا حکم دیا ہے ۔ نہ تاخیر کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ آخروا الظہر من شدۃ الحر " بلکہ جہاں فرمایا یہی
فرمایا ابردوا بالظہر " اس سے بھی یہی ہے کہ جہاں ظہر کو دیر کے ساتھ پڑھنے میں گرمی کچھ کم ہو جاتی ہو وہاں ابراد
چاہیئے نہ کہ ہر جگہ عرب میں علی الخصوص مدینہ منورہ میں ہم نے خود دیکھا ہے ۔ کہ پہلا دوپہر حبس رہتا ہے اور زوال کے بعد
ہوا شروع ہو جاتی ہے ۔ اور جوں جوں گرمی کم ہوتی جاتی ہے ۔ جس طرح کہ ہمارے بلاد میں ملتان وغیرہ میں اکثر یا ہمیشہ
پہلے دوپہر ہوا رہتی ہے اور زوال کے وقت کے آس پاس حبس ہو جایا کرتا ہے ۔ اور گرمی جوں جوں تیز ہوتی جاتی ہے
ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں ابراد کرنے والا نماز کو مؤخر ہی کر بیٹھتا ہے ۔ ابراد نہیں کر سکتا اگر گرمی کو
کم کرنا چاہے تو نماز ظہر کو عصر کے اوسط وقت میں پڑھنا پڑے گا ۔ اور ظہر و عصر دونوں کو اول وقت سے کھو
بیٹھے گا ۔ اس لئے ہمارے بلاد میں ابراد ہے ہی نہیں عرب ہی میں ہے ۔ کیا ان لوگوں کو اتنی حس نہیں کہ گرما میں تین
بجے کے وقت ایک بجے کی نسبت گرمی زیادہ ہوتی ہے پس کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم گرمی شدید ہو جانے کے وقت
میں ظہر پڑھنے کو فرمایا ہے ۔ بس اللہ تعالیٰ سمجھ دیوے آمین آنجناب کے فرمان کے صریح خلاف ہے ۔ رہا یہ امر کہ اتفاق
واجب ہے ۔ اور اول وقت نماز پڑھنا سنت ہے اور سنت پر واجب مقدم ہے سو یہ خیال بھی غلط ہے ۔
اور یہ قیاس باطل ہے شرعاً ۔ اس لئے کہ مسلمان کو حکم یہ ہے کہ " واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا " یعنی اللہ
تعالیٰ کی حبل کو ملکر مضبوط پکڑو اور افتراق پیدا نہ کرو ۔ بحبل اللہ (دین اللہ) پر اتفاق کرو اور دین اللہ
سے جدائی نہ کرو اور دین اللہ یہی ہے ۔ کہ جس کام کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل جانا وہ افضل ہے اور جو
جائز اور مباح جانا وہ جائز اور مباح اور اس سے جدا ہونے والا ہی اتفاق سے نکلنے والا ۔ لیکن جو شخص افضل کو افضل جان کر
کرتا ہے ۔ وہ اپنے اس فعل کے ساتھ اس شخص کو اتفاق کی طرف بلاتا ہے ۔ جو کہ جائز کو افضل جانتا ہو اور جائز کو

افضل جاننے والا افضل کو افضل جاننے والے شخص اتفاق سے نکالنا چاہتا ہے۔ اگر ایسے غلطی میں پڑے ہوئے آدمی کو ساتھ ہو کر یہ سمجھے کہ میں اتفاق پیدا کر رہا ہوں۔ تو اس طرح سے ہوتے ہوتے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیرباد کہہ بیٹھیں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سنت نبویہ پر چلنے والے پر فساد برپا کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ بلکہ اس شخص کا جو سنت نبویہ سے جاہل یا ناواقف ہے اور جاہل کو فرض ہے کہ جہالت سے نکلے۔ رہا سایہ اصلی اگرچہ اس کا ذکر صراحۃ حدیث میں نہیں آیا ہے۔ لیکن یہ حقیقۃ حدیث مذکورہ میں ہے۔ اس لئے کہ یہ یقینی امر ہے کہ آپ نے زوال کے بعد کا سایہ مثل ہو جانا فرمایا ہے۔ نہ زوال سے پہلے والے سایہ کا اور سایہ اصلی اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال سے قبل موجود ہوتا ہے۔ پس وہ سایہ مثل سایہ میں خواہ مخواہ داخل نہیں ہو سکے گا۔ پس حق بات یہ ہے ہمارے سایہ اصلی احادیث شریفہ میں اشارۃً مذکور ہے۔ اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں۔ والکنایۃ ابلغ من صراحۃ، حدیث صحیح وہی ہے جس کی اسناد صحیح ہو گی۔ کتاب منحصر نہیں ہے البتہ بخاری ومسلم کے سوا باقی کتب میں احادیث ضعیفہ بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے مقدم بخاری ومسلم ہے۔ ولیس رہا مسئلہ اسفار کا سو آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کہ مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ غلس میں نماز سے فارغ ہو جاتے تھے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان افضل الاعمال الصلوٰۃ لاول وقتہا۔ ان تمام احادیث پر جب نظر ڈال کر اسفار کی حدیث پر نظر ڈالی جائے تو صاحب انصاف آدمی پر یہ صاف روشن ہو جاتا ہے۔ کہ اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر کا معنی یہ ہے کہ فجر نماز پڑھتے پڑھتے روشنی کر دو۔ اس سے اجر زیادہ ملتا ہے۔ بطور وجہ کے بتلایا ہے۔ صاف بتلایا ہے۔ کہ یہی معنی ہے اسفار کا۔ کیوں کہ ثواب زیادہ جو ملتا ہے۔ مشقت کی زیادتی پر ملتا ہے۔ اور جس قدر مشقت کم ہو ثواب کم ملتا ہے۔ تو نماز فجر اگر کافی نیند کر کے طلوع آفتاب سے پہلے کافی روشنی کے وقت پڑھی جاوے تو اس میں مشقت بہت کم ہے تو آدمی ثواب زیادہ کا حق دار کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہر طرح سے اس نے اپنی طبیعت کو خوش کر لیا ہے۔ اور عبادت الٰہی میں کوئی بہت وقت صرف نہیں کیا اور اس کا یہی معنی امام شافعی نے کیا ہے۔ الفجر علی القدر المشقت علماء کا مسلم اور متفق مقولہ ہے۔ اس امر کو یہی مزید ہے کہ خود آنجناب نے نماز صبح میں سورۃ اعراف پڑھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرہ پڑھی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔ کسی نے کہا تو فرمایا جواب میں اگر سورج نکل آتا تو ہم کو نماز ہی میں پاتا۔ خلاصۃ المرام یہ کہ آخر یا اوسط وقت میں نماز پڑھنے والوں کی رعایت میں اول وقت نماز نہ پڑھنا جائز نہیں ہو سکتا۔ ہاں آخر یا اوسط وقت میں نماز پڑھے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ اول وقت میں نماز پڑھیں۔

اور اسیطرح اتفاق پیدا کریں۔ کسی کی طرف کو اتفاق کے لئے پسند کرنا حماقت یا جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ حبل اللہ (دین اللہ) کے خلاف ہے۔ کہ انسان افضل کو جائز اور جائز کو افضل اعتقاد کرے۔ زیادہ حقیت ہذا والسلام۔ عبدالتواب از ملتان (قلمی) (یہ شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ متوفی ۱۲ھ

**سوال**: کیا عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے؟

**جواب**: عورتوں پر جماعت کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر جماعت کا ثواب لینے کی خواہش مند ہوں تو وہ آپس میں جماعت سے نماز ادا کر سکتی ہیں۔ جو عورت نماز کے مسائل سے واقف ہو۔ اور قرآن مجید بھی جانتی ہو، تو وہ عورتوں کی امامت کر سکتی ہے۔ لیکن مردوں کی طرح آگے بڑھ کر نماز نہ پڑھائے، بلکہ عورتوں کی صف کے درمیان کھڑی ہو تاکہ مردوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ حدیثوں میں عورتوں کی امامت کے بارے میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضہ نے عورتوں کی امامت کی اور ان کی صف کے درمیان کھڑی ہوئیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے عورتوں کی امامت کی۔ اور ان کی صف کے درمیان کھڑی ہوئیں۔ حضرۃ ورقہؓ بن نوفل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو امامت کرائیں۔ تلخیص الحبیر میں دارقطنی، بیہقی کی روایت سے ہے۔ عائشۃ انھا امت النساءؓ فکانت وسطھنؓ حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں بھی اس قسم کے اثر کو نقل کیا ہے۔ سبل السلام میں بھی یہی لکھا ہے کہ عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے۔ عون المعبود شرح ابی داؤد میں ہے۔ وقد امت نساءً عائشۃ وام سلمۃ فی الفرائض والتراویح یعنی حضرۃ عائشہؓ وام سلمہؓ نے عورتوں کی امامت کی فرائض اور تراویح میں۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی ریاض العلوم دہلی ترجمان دہلی جلد ۱۰ ش ۲۱

**سوال**: مؤذن کا امام ہونا وقت عدم موجودگی پیش امام کے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: مؤذن کا امام ہونا وقت عدم موجودگی امام کے جائز ہے۔ کیونکہ کوئی دلیل عدم جواز کی پائی نہیں جاتی اور علامہ زیلعی نے جو دو حدیثیں اس باب میں نقل کی ہیں وہ سبب شدہ ضعف کے لائق احتجاج نہیں ہیں۔ کتبہ (مولانا مولوی) محمد بشیر عفی عنہ

الجواب صحیح احمد عفی عنہ　الجواب صحیح عبدالرحمن عفی عنہ

الجواب صحیح خاکسار تبیر خلیل الرحمن عفی عنہ

الجواب صحیح سید محمد ابوالحسن     الجواب صحیح سید عبد السلام

وماذا بعد الحق الا الضلال حررہ سید محمد عبد الحفیظ

اس بارہ میں کہ مؤذن کا امام ہونا وقت عدم موجودگی پیش امام کے جائز نہیں ہے۔ کوئی آیت یا معتبر حدیث ابتک میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ ہاں علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں دو تین حدیثیں اس بارے میں نقل کی ہیں کہ مؤذن امام نہیں ہو سکتا لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی لائق احتجاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک حدیث میں ایک راوی سلام الطویل ہے۔ اور دوسرا زید العمی ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ اور سلام الطویل تو متروک ہی ہے۔ اور دوسری حدیث میں ایک راوی معلی بن ہلال ہے۔ جو کاذب اور واضع حدیث ہونے میں شہرہ آفاق ہے۔ اس کے بعد نصب الرایہ کی طویل عبارت ہے۔ بخوف طوالت ترک کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ (مولانا الحافظ) محمد عبد اللہ غازیپوری

الجواب صحیح ولا شیخ للمؤمنین ان یخالفہا حررہ الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو محمد عبد الجبار عمرپوری مقیم شہر دہلی

الجواب صحیح ابو محمد عبد الستار حسن عمرپوری     الجواب صحیح ابو الیث راسیہ احمد سہسوانی عفی عنہ

الجواب صحیح ابو عبد اللہ عبد الرحمن ولایتی     نقل از رسالہ فتوے امامیہ طابع شیخ محمد عمر صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی

**سوال:** ایسی مسجد کے قریب جا رہے جہاں پنجگانہ اذان نماز جمعہ ادا کئے جاتے ہوں اور کوئی شخص علیحدہ اپنے مکان میں نماز ادا کیا کرے۔ اذان کی آواز بھی سنتا ہو۔ تارک السنۃ نبوۃ ہے یا نہیں ایسے شخص کی نماز مطابق احادیث صحیح ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ کوئی عذر شرعی بھی نہیں؟

**الجواب:** شخص مذکور تارک سنت نبویہ ہے۔ بحدیث عبد اللہ بن مسعود قال لقد رئیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یاتی الصلوٰۃ وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الھدیٰ وان من سنن الھدیٰ الصلوٰۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ وفی روایۃ قال من سرہ ان یلقی اللہ غداً مسلماً فلیحافظ علی ھذہ الصلوٰۃ الخمس حیث ینادی بھن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدی وانھن من سنن الھدی ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم رواہ مسلم     کتبہ (مولانا) محمد بشیر عفی عنہ (سہسوانی)

الجواب صحیح اسعد عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرحمٰن عفی عنہ

الجواب صحیح خلافہ قبیح خلیل الرحمٰن عفی عنہ ما ذا بعد الحق الا الضلال حررہ سید عبد الحفیظ

ہذا الجواب صحیح سید ابو الحسن ۔ الجواب صحیح سید عبد السلام

بلا عذر ایسی جماعت چھوڑ کر علیحدہ نماز پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور نہ ایسی نماز قبول ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں کھلے ہوئے منافق کے سوا اور کوئی بلا عذر ایسی جماعت سے علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایسا مریض جو بغیر دو شخصوں کے اپنے آپکو مسجد میں حاضر نہیں کر سکتا ہے وہ بھی غیر حاضر نہیں رہتا تھا اور مسجد کے پڑوسی نابینا جن کا کوئی دستگیر نہیں ہوتا ان کا بھی یہ عذر نابینائی مسموع نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ان کو بھی حاضر ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت میں اس وقت تک شریک جماعت ہوئے جب تک کہ دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک دے کر حاضر مسجد ہو سکتے تھے اور ایسی جماعت میں حاضری کی ایسی سخت تاکید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر حاضر ہونے والوں کو مع ان کے گھروں کے پھونک دینے کا مقصد ظاہر فرمایا تھا۔ الحاصل بلا عذر ایسی جماعت چھوڑ کر علیحدہ نماز پڑھنا طریقہ اسلامی کے سراسر خلاف اور موجب ضلالت ہے۔ قال اللہ تعالےٰ "وارکعوا مع الراکعین" اس کے لیے صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد و دار قطنی کی حدیثیں ہیں بخوف طول کے یہاں پر درج نہیں کی گئی۔ (مولانا حافظ) محمد عبد اللہ غازیپوری

الجواب صحیح الراقم ابو محمد عبد الجبار عمر پوری کان اللہ لہٗ اصلح عملہٗ مقیم شہر دہلی

الجواب صحیح ابو النبار امیر احمد سہسوانی عفا اللہ عنہ

نقل از رسالہ فتوےٰ امامیہ طابع شیخ محمد صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی۔

---

**سوال**: رکوع میں ملنے سے رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟ اور امام رکوع کی حالت میں ہو اور مقتدی الحمد پڑھ کر مل جاوے اس صورت میں رکعت ہوگی یا نہیں یا کیا حکم ہے؟

**جواب**: رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی ہے۔ لحدیث عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ اور اگر امام رکوع میں ہے اور مقتدی الحمد پڑھ کر مل جاوے تو یہ فعل مخالف ہے حدیث علی اور معاذ بن جبل کے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام رواہ الترمذی

اور مخالف ہے حدیث ابن ابی لیلیٰ کے وفیہ حتی جاء معاذ قال لا اراہ علی حال الا کنت علیہا قال فقال ان معاذاً قد سن لکم سنۃ کذالک فافعلوا رواہ ابو داؤد

کتبہ (مولانا) محمد بشیر عفی عنہ سہسوانی — الجواب صحیح احمد عفی عنہ

الجواب صحیح عبد الرحمٰن عفی عنہ — الجواب صحیح خلافۃ تبیع خلیل الرحمٰن عفی عنہ

وماذا بعد الحق الا الضلال حررہ السید محمد عبد الحفیظ — ہذا الجواب صحیح سید ابو الحسن

الجواب صحیح سید عبد السلام — الجواب صحیح ابو محمد عبد الستار حسن العمر فوری

جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔ ابو القاسم سید احمد سہسوانی غفار اللہ عنہ

رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی بوجہ فوت ہونے قراۃ فاتحہ کے جو ہر رکعت میں فرض ہے۔ اور جو نماز کی ایسی رکن اعظم ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو نماز ہی فرمایا ہے۔ عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ اور ابو ہریرۃ رضؓ سے مروی ہے قال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین الحدیث رواہ مسلم مشکوٰۃ منہ

کتبہ (مولانا حافظ) محمد عبد اللہ (صاحب غازی پوری)

سوال کے مطابق خوب تحریر ہوا ہے۔ بیشک مدرک رکوع کے لئے اعادہ رکعت ضروری ہے۔ صرف رکوع میں شامل ہونا کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی مسلک تاج المحدثین امام بخاری رحؒ اور امام ابن خزیمہ اور امام ابن حزمؒ صاحب محلی وغیرہم کا ہے۔ اگر تفصیل کی ضرورت ہو تو آئندہ انشاء اللہ تعالےٰ مفصل طور پر لکھا جائے گا۔

الراقم محمد عبد الجبار عمر پوری کان اللہ لہٗ واصلح عملہ مقیم شہر دہلی

نقل از رسالہ فتوے امامیہ شائع کردہ شیخ ابو محمد عمر صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی

**الاستفتاء** ایک شخص سنن نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دار قطنی، مسند احمد، جزو رفع الیدین للبخاریؒ، طبرانی، بیہقی، صحیح ابی عوانہ، ابو یعلی، ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق اور تلخیص الحبیر کی احادیث کی بنا پر سجدے میں جاتے ہوئے اور بین السجدتین (پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے) احیاناً رفع الیدین کرتا ہے۔

۱۔ مانعین مصیب ہیں یا عامل؟ ۲۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ ۳۔ اگر صحیح ہے تو اس زمانے میں متروک العمل

کیوں ہو چکی ہے؟ ۲ اگر مجروح ہے تو سنن نسائی کی وہ دو روایتوں دو جو من طریق شعبہ اور سعید بن ابی عروبہ مروی ہیں، ان پر کیا جرح ہے؟ مبہم جرح نہ ہو۔ اصل بنا انہی دو حدیثوں کو وہ شخص قرار دیتا ہے۔ باقی سب روایات ان ہی کی تائید میں ہیں۔ عام اس سے کہ صحاح سے یا ضعاف سے۔ ۵ رفع یدین منسوخ ہو چکی ہے؟ ۶ اگر منسوخ ہو چکی ہے تو حدیث ناسخ مع الاسناد تحریر فرما دیں؟ ۷ اگر منسوخ نہیں ہوئی تو کون کون سے صحابہ اس پر عامل تھے؟ ۸ اور کون کون سے تابعین اس طرف گئے؟ ۹ کیا اس کے عامل کی اقتداء میں نماز درست ہو سکتی ہے؟ ۱۰ کیا اسکو مردہ سنت قرار دیا جا سکتا ہے؟ ۱۱ جو شخص اس کو زندہ کرے وہ من احیٰ سنتی الحدیث کا مصداق ہو سکتا ہے؟ ۱۲ جو شخص اس فعل سے ناراض ہو کر اس کی مخالفت کرے، روافض وغیرہ فرق مبتدعہ کے ساتھ تشبیہ دے۔ اس کا عند الشرع کیا حکم ہے؟ بینوا بالسنۃ والکتاب لا باقوال العلماء رزدی الانتساب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔ نوٹ، جواب ازراہ کرم بالترتیب نمبر وار مفصلاً مع حوالہ مکمل تحریر فرمائیں۔

المستفتی ابو حفص العثمانی الداعیل از ملتان۔ محلہ قدیر آباد جامع اہل حدیث ۲۱/۳/۲۱

## الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ عامل رفع بین السجود پر جو دوامًا یہ عمل رکھے مصیب نہیں ہے۔ کیوں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت نہیں ہے۔ وکان لا یفعل ذلک فی السجود اس کا منفی ہونا ثابت کرتا ہے اور مطلقاً مانع جو ہو وہ بھی حق پر نہیں ہے

۲ حدیث ہذا صحیح ہے۔ متروک العمل نہیں ہے۔

۳ عامل بالسنۃ لوگ وقتاً فوقتاً جن کو اللہ تعالٰی نے یہ توفیق دی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔

۴ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ان دونوں احادیث میں سے کسی حدیث پر کوئی جرح نہیں ہے۔

۵ اس حدیث کا کوئی ناسخ اس وقت تک نظر نہیں آیا۔

۶ اوپر جواب آچکا ہے۔

۷ بعض صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے اور اسی طرح بعض تابعین نے بھی۔

۸ اوپر جواب آچکا ہے۔

۹ نماز ایسے امام کے پیچھے بلا نکیر جائز ہے۔

۱۰ مردہ سنت اسے کہتے ہیں جس کا کوئی عامل نہ ہو اور اس سنت پر عمل رہا ہو۔

۱۱ اوپر جواب آچکا ہے۔

تو اس فعل پر ناراض ہونے والا غالی ہے۔ اور محبِ سنت نظر نہیں آتا۔

ہذا واللہ اعلم محمد عبد التواب ملتانی ؒ بیقلم خود تاب اللہ علیہ

جواب سوال ۱ عامل رفع الیدین عند ارادۃ السجدۃ وبین السجدتین مصیب ہے۔ اور مانع مخطی لان المنع وقع علی الامر المشروع وکل منع وقع علی الامر المشروع فہو خطأ۔

جواب سوال ۲ بلاشک حدیث صحیح ہے۔ فتح الباری ملاحظہ ہو۔

جواب سوال ۳ یہ حدیث تغافل یا تساہل کی وجہ سے متروک العمل ہوئی۔ ورنہ کوئی وجہ ترک کی نہیں۔

جواب سوال ۴ اس حدیث میں سوائے تدلیس قتادہ کے اور کوئی جرح نہیں، لیکن شعبہ کے قول سے یہ تدلیس مرتفع ہے۔ شعبہ کی عادت تھی کہ قتادہ سے مدلس حدیث کو روایت نہیں کرتا تھا۔

جواب سوال ۵ یہ رفعیدین منسوخ نہیں، بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمر کا فعل ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مالک بن الحویرث مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی آخری عمر میں داخل ہوا ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ایسی حدیث صریح نہیں آئی ہے جس سے نسخ ثابت ہو۔ احتمالات سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن عمر کا اس رفع کو قبول کرنا بعد روایت منع رفع الیدین عند السجود اول دلیل ہے۔ کہ رفع بعد منع وارد ہوا ہے۔

جواب سوال ۶-۷-۸۔ اس رفعیدین کے عامل صحابہ کرام سے ابن عمر و ابن عباس اور تابعین سے طاؤس اور نافع اور عطاء مجھے معلوم ہیں۔ باقی صحابہ کی موافقت معلوم نہیں تو مخالفت بھی کہیں مروی نہیں۔ علاوہ بریں حدیث نیقیہ محتاج عمل عامل نہیں ہوتی۔ قال الشافعی فی الام فاذا کان للحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا مخالف له عنه وکان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یوافقه لم یزده قوۃ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستغن بنفسه وان کان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یخالفه لم التفت الی ما خالفه وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی ان یؤخذ به اھ

جواب سوال ۹۔ بلاشک اس رفعیدین کے عامل کے پیچھے اقتدا جائز ہے۔ اقتدا کو ناجائز کہنے والا جاہل اور اسرار شریعت سے محروم۔

جواب سوال ۱۰-۱۱ بلاشبہ اس کا عامل عامل السنۃ المیتۃ ہے اور مستحق اجر سو شہید کا ہے۔ کما ورد فی الحدیث

جواب سوال ۱۲ جو شخص اس کی مخالفت کرے اور اس رفعیدین سے ناراض ہو اور اس کے عامل کو فرقہ

مبتدع رافضہ سے تشبیہ دے۔ باوجودیکہ اس کو یہ حدیث صحیح بھی معلوم ہے تو وہ شخص معاند حق ہے۔ وقد قال اللہ تعالٰی ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔

ھذا ما عندی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب

حررہ محب السنۃ ابو محمد عبد الحق الھاشمی المحمدی عفی عنہ من ریاست بہاولپور

الصحابۃ صلی اللہ علیہ وسلم قد فعلوہ مرۃ وترکہ اخریٰ فلا یقال انہ بدعۃ بل ہو سنۃ۔

العبد فیض الکریم سندھی از یار و شاہ سندھ ضلع نواب شاہ

**سوال**: حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر خصوص نوازل وواقعات ہائلہ کے موقع پر نماز مغرب اور نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھی ہے۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم وتروں میں دعاء قنوت اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت الخ پڑھا کرو لیکن وتروں میں پڑھنے کا تو احادیث صحیحہ میں ثبوت نہیں۔ البتہ نماز فجر میں ضرور ہے اور مغرب میں لیکن نماز فجر میں دعاء قنوت کا ثبوت ہونے کی بابت مولانا ثناء اللہ صاحب کا فتویٰ ہے۔ لیکن حال میں ایک مولوی صاحب نے اہلحدیث میں چھپوایا ہے کہ دعائے قنوت کا ثبوت نماز فجر میں صحیح حدیث سے نہیں بلکہ صرف مغرب میں ہے۔ لہٰذا مولانا ثناء اللہ صاحب سے خصوصاً اور مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی و مولوی عبد اللہ صاحب دہلوی و مولوی محمد صاحب دہلوی سے التجا ہے کہ وہ بذریعہ اہلحدیث اعلان کر دیں کہ آیا نماز فجر و مغرب میں دعاء قنوت کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے یا نہیں۔

**جواب**: صحیح بات یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ جس کے نسخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور مصیبت عامہ کے وقت بعض صحابہ نے پانچوں نمازوں میں قنوت پڑھی۔ شفعیہ کرام بھی مصیبت عامہ کے وقت قنوت پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جس صحابی نے اپنے بیٹے کو کہا تھا کہ یہ بدعت ہے۔ ایسا کہنا یا تو اس کے عدم علم پر مبنی ہے یا انہی معنی میں ہے جن معنی میں حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کو نعم البدعۃ ہذہ کہا تھا۔ یعنی ایسا مسنون فعل جو متروک ہونے کے بعد جاری ہو جائے۔ بہرحال اس عدم علم سے روایات مثبتہ غلط نہیں ہو سکتیں۔

سوال ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت رکوع کرنے اور سر اٹھانے کے ہمیشہ رفعیدین کرنا۔

جواب: بلاشک احادیث صحیحہ قویہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ہمیشہ رفعیدین کرنا ثابت ہے۔ سنن کبریٰ بیہقی میں ہے۔ عن ابن عمران رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع وکان لایفعل ذلک فی السجود فما زالت تلک صلوٰتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ۔ یعنی رسول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفعیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدوں میں رفعیدین نہیں کرتے تھے۔ رفعیدین کے ساتھ ہمیشہ آپ کی نماز رہی یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ اس روایت کو محقق زیلعی حنفی نے بھی نقل کیا ہے۔ دیکھو زیلعی تخریج الہدایہ ص۲۱۲ اس کے خلاف کوئی روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ صحاح ستہ میں جس قدر روایات اس بارہ میں ہیں اُن سے دلالۃً اور بیہقی وغیرہ کی روایت سے صراحۃً ووضاحۃً یہ امر یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دواماً رفعیدین کرنا ثابت ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع رفعہما کذالک وقال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد وکان لایفعل ذالک فی السجود" یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے اللہ اکبر کہتے اور جب اُس سے سر اٹھاتے تب ہی دونوں ہاتھ اٹھاتے سجدہ میں ایسا نہیں کرتے تھے۔" بائیس صحابیوں سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اُن میں سے پندرہ صحابی کی روایت صحاح ستہ میں موجود ہے۔ باقی مسند امام احمد اور بیہقی ودارقطنی وطبرانی وغیرہ میں ہے۔ اس حدیث سے دوام اس طرح ثابت ہوا کہ عرب کے محاورہ میں جب بولا جاتا ہے۔ کہ "اذا ثبت کذا کان کذا" یعنی جب فلاں بات ایسی ہوگی۔ تو وہ کام ایسا ہوگا۔ مراد اس سے ہمیشگی اور دوام ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں جس جگہ کوئی کلام بطور مذکورہ آئی ہے۔ وہاں پر مراد ہمیشگی اور دوام ہے۔ ہاں اگر کوئی قرینہ صارفہ پایا جاوے تو البتہ اُس کی حالت میں ہمیشگی کے معنی مراد نہ ہوں گے۔ "کما قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ۔ فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔ فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم۔ و قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبروا الی آخر الحدیث۔ علاوہ اس کے صدہا مثالیں ہیں۔

جس جگہ کہ قرینہ صارفہ کی وجہ سے ہمیشگی مراد نہیں اُس کی مثال یہ ہے۔ "یا ایہا الذین آمنوا اذا

قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ۔ یعنی جب نماز کا ارادہ کرو۔ تو وضو کرلو۔ یہاں پر ہمیشگی کے معنی مقصود نہیں۔ کیونکہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بعض اوقات ایک وضو سے کئی نمازیں ادا فرمائیں۔ " واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا " یہاں بھی ہمیشگی مراد نہیں۔ کیوں کہ روایت عبادہ بن الصامت " لا تفعلوا الا بام القرآن " قرینہ صارفہ موجود ہے۔ سنن بیہقی میں اس حدیث پر جو کہ ابھی صحیحین سے نقل کی گئی۔ یہ زیادتی ہے۔ "فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ" رواہ عن سالم عن ابن عمر۔ یعنی رسول اللہ صلعم کی نماز ہمیشہ اسی طور پر رہی یہاں تک کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ واللہ اعلم۔ سوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو رسول اللہ صلعم کے ہمیشہ رفع یدین کرنے میں کلام و شبہ ہے۔ گاہ گاہ کرنے میں اشتباہ نہیں۔ اسی واسطے اس نے ہمیشگی کا ثبوت طلب کیا۔ خود رفع یدین کے ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں کی۔ اگر اسی قدر اقرار ہو جاوے تب بھی غنیمت ہے۔ ارغام المبتدعین ص۳۳

---

**سوال** : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ناف سے اوپر بلکہ سینہ کے اوپر ہمیشہ ہاتھ باندھنا۔

**جواب** : زیلعی حنفی نے تخریج ہدایہ میں فرمایا ہے۔ روی ابن خزیمۃ فی صحیحہ من حدیث وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللہ صلعم فوضع یدہ الیمنی علیٰ یدہ الیسریٰ علی صدرہ۔ یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے۔ کہا میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضرت صلعم نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں پر سینہ پر رکھا۔" وائل بن حجر گیارہویں ہجری میں حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھو تاریخ ابن خلدون جلد دوم۔ اس کے ایک سال بعد حضرت صلعم کا انتقال ہو گیا۔ تو سینہ پر ہاتھ رکھنا یہ آخری فعل صلعم کا ثابت ہوا۔ علاوہ اس کے صحیح بخاری میں سہل بن سعد سے مروی ہے۔ قال کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنیٰ علیٰ ذراعہ الیسریٰ فی الصلوٰۃ یعنی لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے پہونچے سے کہنی تک کا نام ذراع ہے۔ جیسا کہ مشہور اور کتابوں میں مذکور ہے۔ اور ید یعنی ہاتھ کبھی صرف پہونچے تک اور کہنی تک۔ قال اللہ تعالیٰ "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما" یہاں ید سے مراد صرف پہونچے تک ہے۔ " فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق " یہاں ید سے مراد کہنی تک ہے۔ معنی اول بلا قرینہ اور معنی ثانی قرینہ کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں ید کے معنی ثانی یعنی کہنی تک مراد ہیں۔ کیوں کہ پوری پوری ذراع پر ہاتھ کہنی تک رکھا جاوے گا۔

پس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ دایاں ہاتھ کبھی بائیں ہاتھ پر کبھی حکم نماز میں رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ دونوں ہاتھوں کا اس طرح رکھنا ناف کے نیچے نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُس کے اوپر ہوسکتا ہے۔ "کان الناس" میں کان دائم ہے۔ یعنی لوگوں کو ہمیشہ اسی طرح حکم کیا جاتا تھا۔ منقطع ہونے کے لیے کوئی دلیل و قرینہ نہیں۔ کیوں کہ زیر ناف باندھنے کی روایتیں سب ضعیف و مجروح ہیں۔ واللہ اعلم (ارغام المبتدعین ص)



سوال: سنن ابوداؤد و ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ "قال کان رسول اللہ صلعم اذا تلا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول" یعنی جب رسول اللہ صلعم نماز میں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے پہلی صف والے یہ آواز سنتے تھے۔ اس سے ہمیشہ آمین پکار کر کہنے کا دو طرح پر ثبوت ہوا۔ اول یہ کہ کان دائم ہے۔ جیسا کہ سوال دوم کے جواب میں بیان کیا گیا۔ دوم مضمون اُس کا یہ ہے۔ کہ جب آں حضرت صلعم نماز میں "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھتے تو آمین اس قدر پکار کر کہتے کہ پہلی صف والے سُن لیتے۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ "ولا الضالین" نماز میں ہمیشہ پڑھتے تھے۔ پس یہی کیفیت آمین بالجہر کی ہوگی۔ کیوں کہ ایک کے بعد دوسرا ہے۔ و نیز ابن عباس سے مروی ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیہود علی شئی ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین" یعنی اے مسلمانوں یہودی لوگ جس قدر تم سے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں۔ اس قدر کسی شے پر نہیں کرتے۔ پس تم کثرت سے آمین کہو۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ آمین کے سننے سے حسد ہوتا تھا۔ اور سننا جب ہوگا۔ جب کہنے والا پکار کر کہے گا۔ آج کل یہودی لوگ آمین بالجہر سے بالکل نہیں چڑھتے بلکہ اُن کو اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ بلکہ اُن کے چھوٹے بھائی جو کہ مسلمانوں میں شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کی آواز خوشنما سے اس قدر نفرت کرتے ہیں جس قدر گالی سے۔ نعوذ باللہ۔ نسائی و مسند امام احمد ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے۔ "اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین" یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ یہ امر ظاہر ہے کہ امام کا ولا الضالین کہنا ہمیشہ ہے۔ پس اسی طرح مقتدی کا آمین کہنا بھی ہمیشہ ہے واللہ اعلم۔ ارغام المبتدعین ص مصنف مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب مرپوری

سوال: حدیث قرأت خلف امام کا بعد نزول آیت، و اذا قری القرآن الخ کے مروی ہونا۔

جواب۔ حدیث قرأۃ فاتحہ خلف امام بیشک بعد نزول آیت "اذا قری القرآن" کے مروی ہے۔ کیوں کہ حدیث قرأۃ فاتحہ خلف الامام کی عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔ کیوں کہ حدیث کے رہنے والے ہیں۔ اور آیت "اذا قری القرآن" مکی ہے۔ جو قبل ہجرت کے نازل ہوئی۔ دیکھو تفسیر اتقان وغیرہ اور حدیث قرأۃ فاتحہ خلف امام کو حضرت صلعم نے بعد ہجرت کے مدینہ میں فرمایا۔ اور بعد انتقال سرور کائنات کے عبادہ کا عمل اس پر رہا۔ تو اب کوئی ذی علم اس میں شک نہ کرے گا۔ کہ حدیث قرأۃ فاتحہ خلف امام کی بعد نزول آیت "اذا قری القرآن" کے مروی ہوئی ہے۔ علاوہ اس کے حدیث قرأۃ خلف الامام خواہ بعد نزول آیہ کریمہ "اذا قری القرآن" کے مروی ہو۔ یا قبل۔ اس کے دونوں صورتوں میں کچھ قباحت نہیں۔ یعنی آیت مذکورہ قرأت فاتحہ خلف الامام کو ہرگز منع نہیں کرتی۔ کیوں کہ آیت سے پہلے یہ مذکور ہے۔ کہ کفار و مشرکین رسول اللہ صلعم سے معجزے اور نشانیاں طلب کرتے تھے۔ چوں کہ یہ امر آپ کے اختیار سے باہر اور بحکم الٰہی پر موقوف تھا۔ اس لیے آپ سُن کر خاموش ہوتے تب کافروں کی طرف سے تقاضا ہوتا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: "اذا لم تاتہم بایۃ قالوا لولا اجتبیتہا" اس کے بعد فرمایا "قل انما اتبع ما یوحیٰ الی من ربی" یعنی اے محمدؐ تو کافروں کو کہدے کہ میں پروردگار کے حکم کی پیروی کرتا ہوں۔ اس کے سوا اور میرا کوئی کام نہیں۔ پھر فرمایا۔ "ہٰذا بصائر من ربکم و ہدی و رحمۃ لقوم یؤمنون" یعنی اگر تم کو معجزہ مطلوب ہے تو یہ قرآن تمہارے لیے معجزہ کافی ہے۔ جو کہ ایمان والوں کے ہدایت و رحمت ہے۔ اس کے بعد فرمایا: واذا قری القرآن فاستمعوا الخ۔ یعنی قرآن کا معجزہ ہونا جب معلوم ہو، جب تم اُس کو دل لگا کر سنو جب وہ پڑھا جائے۔ تو خاموش بیٹھے رہو۔ کفار کا یہ مقولہ تھا۔ "لاتسمعوا لہٰذا القرآن والغوا فیہ"۔ پس اُس کے جواب میں آیت مذکورہ کا ارشاد مناسب ہوا۔ اس تقریر سے واضح ہوا۔ کہ آیہ اذا قری القرآن " قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نہیں، بلکہ اس کا محل دوسرا ہے۔ جو کہ بیان کیا گیا۔ اگر قرأۃ کے مضمون پر آیت کو محمول کی جاوے گی۔ تو باہم آیتوں میں ربط نہ رہے گا۔ دوم اگر تسلیم کیا جاوے کہ آیۃ مذکورہ قرأۃ کے بارہ میں ہے، تب بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں۔ کیوں کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ جب قرآن پڑھا جاوے۔ تو سنو اور آہستہ پڑھو یعنی اس قدر آواز سے نہ پڑھو، جس سے قاری کو خلجان واقع ہو۔ انصات کے معنی آہستہ پڑھنے کے بھی مستعمل ہیں جیسا کہ حدیث بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔ سو اگر اس آیت سے صرف نماز جہری میں قرأۃ خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ سریہ میں ہرگز نہیں ہوتی۔ کیوں کہ سننے والا جب سُنے گا۔ جب پڑھنے والا پکار کر پڑھے گا۔ پس حنفیہ کا یہ دعوےٰ کہ نماز سریہ و جہریہ میں قرأۃ خلف الامام ممنوع ہے۔ اس آیت سے ثابت نہ ہوا۔ (از نظام المبتدئین ص ۲)

# مکتبہ سعیدیہ خانیوال

کی

# مطبوعات

## فتاویٰ علماء حدیث

(۱) کتاب الزکوٰۃ ‏ ‏ ۱۲/- روپیہ

(۲) کتاب الطہارۃ ‏ ‏ ۸/- ‏"

(۳) کتاب الصلوٰۃ حصہ اوّل ‏ ‏ ۱۶/- ‏"

(۴) ‏" ‏" ‏" دوم ‏ ‏ ۱۲/- ‏"

(۵) ‏" ‏" سوئم جلد ‏ ‏ ۲۰/- ‏"

(۶) کتاب الجنائز ‏ ‏ زیر طبع

(۷) اسلامی شکل وصورت "مصنف سید محمد شریف گھڑیالوی سابق امیر جمعیت اہلحدیث پنجاب۔

(۸) مشاجرات صحابہ پر ایک نظر
مصنف علامہ سید محب الدین الخطیب
مترجم قاضی محمد اسلم سیف فیروزپوری عربی فاضل

(۹) مسلک ثنائی از افادات حضرت مولانا ابو سعید محمد شرف الدین محدث بنارسی۔ ترتیب ابو الحسنات علی محمد سعیدی

(۱۰) تاریخ اہلحدیث پر ایک نظر ترتیب ابو الحسنات علی محمد سعیدی

(۱۱) احکام صدقۃ الفطر ترتیب ۔۔ ابو الحسنات علی محمد سعیدی

(۱۲) تعلیق العمارۃ لاحکام الاشارۃ عربی حاشیہ رسالہ رفع سبابہ لملا علی قاری۔ ترتیب ۔۔ ابو الحسنات علی محمد سعیدی

(۱۳) اسلام کی پہلی کتاب

(۱۴) تعلیم الصلوٰۃ مصنف نواب صدیق حسن خاں رح

(۱۵) احکام محرم الحرام
مصنف ابو الحسنات علی محمد سعیدی

(۱۶) قربانی کے جانوروں کی عمر وغیرہ پر ایک تحقیقی مقالہ
از قلم ۔۔ ابو الحسنات علی محمد سعیدی

(۱۷) قربانی کے باب میں منکرین حدیث کے مغالطات پر تحقیقی مقالہ ۔ تحریر علی محمد سعیدی

(۱۸) ادعیہ ماثورۃ چالیس دعاؤں کا مجموعہ از علی محمد سعیدی

(۱۹) تہذیب النسواں ۔ مصنفہ بیگم نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی۔

(۲۰) جھوک وسیندی سو ہنے سرور دا مینڈی

[illegible]